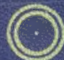
بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح

خطبہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

مصنفہ

مولانا محمد صادق سیالکوٹی



نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ : اردو بازار : لاہور ۲

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَبَلَّغَہَا (ابن ماجہ)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہرا بھرا رکھے جس نے میری باتوں کو سنا پھر انہیں دوسروں کو پہنچایا"

برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم تیرا
آدم کی نسل پر تیرے احساں ہیں بے حساب

شرح

خطبہ رحمت للعالمین

صلے اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس پاکیزہ، نورانی، جامع اور ہمہ گیر خطبے کی تشریح کی گئی ہے۔ جو رحمتِ عالم اپنے ہر وعظ اور تذکیر کے شروع میں پڑھا کرتے تھے۔

تالیف

حضرت مولانا حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی مدظلہ

ناشر:- مکتبہ نعمانیہ - اردو بازار - گوجرانوالہ

لاہور میں ملنے کا پتہ:- نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار - لاہور

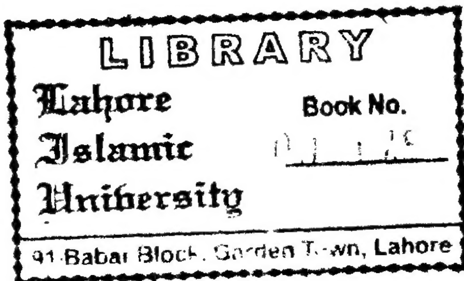
قیمت :- -/ روپے

ڈھلنے لگی ہے سورۂ واللیل میں صبا

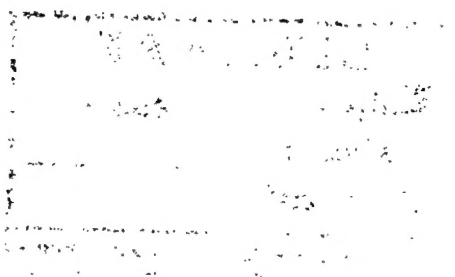
کھلنے لگے ہیں گیسوئے خمدارِ مصطفیٰ

(شورش)

صلی اللہ علیہ وسلم



ترا پسینہ ہے عطر آگیں، ترا تکلّم نشاط افزا
ترے شگوفوں پہ ہو رہی ہے نثار مشکِ ختن کی خوشبو
ہزاروں کلیاں چٹک چٹک کر بصد مسرّت یہ کہہ رہی ہیں
کہاں یہ نفحاتِ عود و عنبر کہاں وہ تیرے چمن کی خوشبو



www.KitaboSunnat.com

سیلابِ رنگ و نورِ طلوعِ سحر میں ہے!
تابندہ کہکشاں تری گردِ سفر میں ہے

(پیسہ نمر)

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ است

فہرست

خطبہ رحمۃ للعالمین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ

سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں

وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ۔ وَنَعُوْذُ

اور اسی سے بخشش چاہتے ہیں اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں

بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ۔ وَمِنْ سَيِّاٰتِ

اور ہم اس کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی بدیوں سے ۔ اور اپنے عملوں کی برائیوں

اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ

سے۔ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ اَشْهَدُ

اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کیلئے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ

ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک

لَهٗ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۞

نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اسکے بندے اور اسکے رسول ہیں۔

اَمَّا بَعْدُ!

حمد و صلوٰۃ کے بعد

فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ

یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے۔

وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ

اور تمام راستوں سے بہتر راستہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ہے

وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا

اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو خدا کے دین میں اپنی طرف سے

وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ

نکالے جائیں۔ اور دین میں ہر کام نیا نکالا ہوا بدعت ہے۔

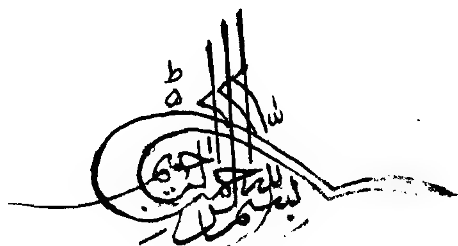
وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

اور ہر بدعت گمراہی ہے

وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ۞

اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

(صحیح مسلم - ابوداؤد - ترمذی - بہ الفاظ مختلف)



آغازِ کلام

بکھر گئے ہیں ہواؤں میں نغمہ ہائے طرب
سراپا صبح منور ہوئی ہے ظلمتِ شب — ذشر

ہم اس بات پر اللہ تعالےٰ کا آسمانوں اور زمین بھر شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہماری فلاح و بہبود اور نجاتِ آخرت کے لئے اپنے سچے رسول حضرت محمّد صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اُن پر قرآن اتارا۔ اور قرآن پر ان سے اپنی مرضی کے مطابق عمل کرا کر ہمارے لئے رشد و ہدایت کا راستہ متعین فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے :۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (پ۴ ع ۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن

میں ان ہی کی جنس سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کو (شرک کی گندگی سے) پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن اور (قرآن کی) حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ لوگ (رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے سے) پہلے صریح گمراہی میں تھے۔"

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ہم پر بڑے فضل اور احسان کا ذکر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اس نے جو رسولؐ ہماری طرف بھیجا۔ وہ ہماری جنس، یعنی جنسِ بشر سے بھیجا۔ اگر کوئی فرشتہ وغیرہ رسول بن کر آتا۔ تو وہ عملاً ہماری کیا رہنمائی کرتا؟ ہماری تمدنی، معیشی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی میں کیسے کردار کا غازی بنتا، انسانی معاشرے کے بے شمار مسائل کو کیسے حل کرتا۔ بنی آدم کی ضروریات کو کیونکر سمجھتا۔ اور ان کے عقدوں کو کس طرح کھولتا۔؟ یاد رکھیں۔ کہ غیر جنس ہونے کے سبب وہ عملاً انسان کے لئے کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔ ہمیں فرشتے کی رسالت سے ذرہ بھر ہدایت حاصل نہ ہوتی۔

کفارِ مکہ نے از راہِ جہالت کہا۔ کہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے بجائے کوئی فرشتہ رسول بن کر آتا۔ تو ہم اس کو رسول مان لیتے یہ رسول تو انسان رسول ہے۔ اس لئے ہم اسے نہیں مانتے۔ انسان اور رسول! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ان کی جہالت اور نادانی کی بات قرآن یوں بیان کرتا ہے:۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (پ۱۵ ع ۱۰)

"اور جب لوگوں کے پاس (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ہدایت آئی۔ تو ان کو ایمان لانے سے یہ بات مانع ہوتی۔ کہ کہنے لگے۔ کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے"

اُن کی اس جہالت کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ٥ (پ۱۵ ع۱۱)

"(اے پیغمبرؐ تم ان لوگوں کو) کہو۔ کہ زمین میں (تمہاری طرح) اگر فرشتے چلتے پھرتے آرام کرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو ہی رسول بنا کر بھیجتے"

یعنی اگر دنیا میں انسانوں کے بجائے فرشتے آباد ہوتے۔ اور ان کے پاس اگر اللہ تعالیٰ رسول بھیجتا۔ تو ان کی جنس سے فرشتہ ہی بھیجتا۔ اب جب کہ دنیا میں انسان بستے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے ان کی جنس سے انسان رسول بھیجا ہے۔ تو گویا یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ کہ ہمارے پیارے رسولؐ خاتم النبیین۔ رحمت للعالمین۔ شفیع المذنبین۔ سیّد الکونین۔ سید الثقلین۔ سیّد ولد آدم۔ راہ نوردِ جادہ اسریٰ۔ اشرف انبیاء احمد مجتبیٰ۔ شمس الضحیٰ۔ بدر الدجیٰ حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بشر رسول ہیں۔ سید البشر۔ اکرم الاولین و اکرم الآخرین ہیں۔ ؎

ہیچوں او نازنینی سرتا بپا لطافت
گیتی نشان ندادہ ایزد نیا فریدہ (حافظؒ)

"یعنی حضرت رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم جیسا پیارا محبوب۔ سیّد البشر رسول، جو سرتا پا لطافت ہی لطافت ہے۔ طہارت، پاکیزگی اور خوبی کا سراپا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا ہوا ہی نہیں۔ (ہوتا کیسے)۔ خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔"

معراج میں حضرت جبریل علیہ السّلام جناب سید البشر، حضرت رحمت للعالمینؐ کو بصد عزت و اکرام لے کر آسمانوں کی طرف چلے ساتویں آسمان سے آگے مقامِ جبریلؑ آگیا ـــ سدرۃ المنتہیٰ۔ حضرت جبریل یہاں رک گئے۔ نوری آگے قدم نہ بڑھا سکا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ آگے کیوں نہیں چلتے؟ حضرت جبریلؑ نے عرض کیا۔ اگر بال برابر بھی میں اپنے مقام سے آگے بڑھوں۔ تو ـــ ع

فروغِ تجلّٰی بسوزد پرم

یعنی رب متعال کی تجلّی میرے پروں کو جلا دے۔ میرا یہی مقام ہے۔ آگے نہیں جا سکتا۔ پھر نوری (حضرت جبریل علیہ السّلام) وہیں رہ گیا۔ اور سیّد البشر صلے اللہ علیہ وسلم تنہا آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور جہاں تک اللہ کو منظور تھا۔ وہاں تک پہنچ گئے۔ ؎

فرشتوں کی نظر خیرہ ہے انوارِ صفاتی سے
وہ کیا جانیں قدم انسانِ کامل کا کہاں پہنچا

علامہ اقبال نے واقعہ معراج سے ایک ہی سبق حاصل کیا ہے فرماتے ہیں ؎ سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفٰےؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

فرشتے نوری وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ جہاں بشرؐ کی رسائی ہے۔ ؎
محمدؐ ہی کے دم سے افتخارِ آدمیت ہے
محمدؐ آنِ ملّت، شانِ ملت، جانِ ملت ہے (حمّاد)

پھر حضرتِ انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنائیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کھول کھول کر بتائے۔ اللہ کے عذابوں سے لرزہ بر اندام کیا۔ ڈرایا اور لرزایا۔ راہِ آخرت کے خطروں سے آگاہ کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ، غفور و ودود کی بشارتیں بھی سنائیں۔ اس کی بخششوں، رحمتوں، اور انعاموں کے لبریز جام بھی پلائے۔ اور یوں آیات کی تلاوت کا حق ادا کر دیا۔

اس دوران میں سید العالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے نفوس کے تزکیہ کی بھی ازحد کوشش کی۔ اور مشیت ایزدی کے ماتحت ہمیں شرک کی گندگی سے پاک کیا۔ معاشرے کی تمام شرکیہ برائیوں، اور کفریہ رسموں کو مٹایا۔ بیشمار خداؤں کی پرستش سے باز کیا۔ ارباب من دون اللہ کی قید سے چھڑایا۔ توحید کو چمکایا۔ اجاگر کیا اور نکھارا!

یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ کی تعمیل میں زمانہ نبوّت کے تئیس سال تک جناب سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم قرآن ہی کی تعلیم دیتے اور اس کی فلاسفی اور حکمت سمجھاتے رہے۔ کہ کس طرح آیات کی شرابِ طہور کو نوش جان کرنا ہے۔ یعنی قال کو حال کی شمع سے روشن کرکے راستہ دکھاتے رہے۔ گویا حضرتِ انورؐ کی ساری زندگی تلاوتِ آیات۔ تزکیہ نفوس۔ اور وحی خداوندی کی حکمت سکھانے اور قرآن پر عمل کرنے کا طریقہ بتانے میں گزری۔ بیشک

محمدؐ مصطفےٰؐ ہے رہنمائے نوعِ انسانی
محمدؐ داعیِ حق ہے محمدؐ غایتِ دیں ہے (ثمر)

جب بھی جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن سناتے۔ وعظ و نصیحت فرماتے۔ تو شروع میں اللہ تعالےٰ کی تعریف کرتے۔ پھر بڑے جامع اور ہمہ گیر الفاظ میں اسلام کا خلاصہ اور نچوڑ پیش فرماتے۔ بغیر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے کوئی بیان، وعظ اور خطبہ ارشاد نہ فرماتے۔ اور وہ حمد و ثنا، اور اسلام کی تعریف اور معانی و مفہوم، مخصوص الفاظ میں بیان فرماتے، حضورِ انورؐ کے ان تمام الفاظ کو اکٹھا کرنے سے مسنوُن خطبہ بنتا ہے۔خطبہ کے یہ الفاظ معدنِ نبوت کے وہ ہیرے ہیں۔ جن کی تابانی اور درخشانی تا نورِ نیرّین گم کردہ راہ انسانیت کی پیشوائی کرتی رہے گی۔

یہی وہ مسنون خطبہ ہے۔ جسے سوا لاکھ سے زائد صحابہؓ۔ بے شمار تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ۔ محدثینؒ۔ فقہاءؒ اور امت کے علماء، اپنے جمعہ کے خطبوں — عیدوں — وعظوں — اور بیانوں کے شروع میں پڑھتے تھے۔ اور آج بھی ہر موحد خطیب، اور عالم، اپنے وعظ اور بیان کو اسی خطبے سے شرف آغاز بخشتا ہے — اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ سرورِ نبیّاں صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ کتنا جامع۔ کامل، ہمہ گیر اور برکت گیر ہوگا۔

اس خطبہ کی جامعیّت۔ اہمیت۔ افادیت۔ اور دین و ایمان کے ساتھ وابستگی کے پیشِ نظر ہم نے اس کتاب میں اس کی تشریح کی ہے۔ وحی جلی، اور خفی کے استشہاد سے اس کے مطالب ومعانی

کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ تاکہ مسلمان بھائی اس مبارک خطبے کو جانیں بوجھیں۔ سمجھیں۔ اور تذکیر کی عنبر فشانی سے مشامِ جان کو معطر کریں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی اسلام ہے، دین آپ ہی کے ہاتھوں اور پاؤں کی حرکات، اور حضورؐ ہی کی گفتار و کردار کا نام ہے۔ اسلام کا منبع سراپائے حضرت خیرالانام ہے، آپ ہی کے شب و روز اسلام کا پیام لائے۔ اور آپ ہی کے مرورِ حیات نے مرضیات الٰہی کا پتہ دیا۔ آپ کی حدیث ام الکتاب کی شارح اور آپ کی زبان وحی کی ترجمان ہے۔ آپ ہی کی اطاعت عبادات خداوندی کی صحت کی سند، اور پیروی جنت کی ضامن ہے۔

ﮮ

خیاباں کی صبحیں گلستاں کی شامیں
یہ کہتی ہیں تسنیم و کوثر کی موجیں
مبارک ہو ابر گہر بار آیا! (ثمر)

صلے اللہ علیہ وسلم

محمد صادق سیالکوٹی

دسمبر ۱۹۷۲ء

حمدِ ربّ العالمینؑ

لخلخۂ عنبر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ ۝

سب تعریف صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں

میں نسیمِ گلشنِ ہمت ہوں تو بہارِ خُلد کی آب ہے!
مری گفتگو میں لطافتیں تری سانس روحِ گلاب ہے (ثمر)

اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں پر حمد

الحمد میں الف لام استغراق کا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تمام تعریفیں، اور خوبیاں صرف اللہ واحد القہار کے لئے ہی ہیں۔ جو حسنات و کمالات کا منبع، اور تمام صفات سے موصوف ہے۔ حمد کی جتنی جنسیں اور قسمیں ہیں۔ سب کی سب صرف اللہ رب العزت کے لئے ہی ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ازلی، ابدی طورپر ان صفات و کمالات کے لائق نہیں۔ غور کریں کہ اللہ تعالےٰ

کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ جن کو ہم شمار نہیں کر سکتے۔ یہ سب نعمتیں صرف اللہ ہی نے ہم کو بخشی ہیں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط (پ۱۳ ع ۱۷)

" اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو۔ تو پورا شمار نہ کرسکو گے۔"

وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔(پ۱۴ ع ۱۳)

"اور جو کچھ تمہارے پاس ہے۔ نعمت سے۔ پس اللہ ہی کی طرف سے ہے۔"

ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں بے حساب وبے شمار ہیں۔ اور جو بھی نعمت جس کسی کو ملی ہے۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہی کی طرف سے ملی ہے۔ پھر حمد و شکر کے لائق صرف وہی ایک ذات ہی ہے۔ جس کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ اور وہ نعمتیں صرف اسی ذات لازوال نے ہم کو بخشی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تفصیلی نعمتیں

پھر اللہ تعالےٰ نے انسان کو جان کی نعمت سب سے پہلے بخشی۔ یہ نعمت انسان کو تمام نعمتوں سے بڑھ کر عزیز اور پیاری ہے۔ پھر اس جسم و جان کی مجمل نعمت پر غور کرو۔ تو لا تعداد تفصیلی نعمتیں سامنے آجائیں گی۔ مثلاً انسانی جسم میں کل ۲۴۶ ہڈیاں ہیں۔جن کی تفصیل یہ ہے :۔

سر کی ہڈیاں	۸	دانت اوپر اور نیچے کے	۳۲
چہرہ کی ہڈیاں	۱۴	کان کی دونوں طرف کی ہڈیاں	۶
زبان کی جڑ کی ہڈی	۱	مُہرے	۲۶

ہنسلی کی دونوں طرف کی ہڈیاں	۲	کولھے کی دونوں طرف کی ہڈیاں	۲
سینہ کی ہڈی	۱	زبان کی ہڈیاں ہردو طرف	۲
پسلیاں دونوں طرف کی	۲۴	چپنی کی دونوں طرف کی ہڈیاں	۲
شانے کی دونوں طرف کی ہڈیاں	۲	پنڈلی کی " " "	۴
بازو کی دونوں طرف کی "	۲	ٹخنوں کی " " "	۱۴
کلائی کی دونوں طرف کی "	۴	تلووں کی " " "	۱۰
پہنچے کی دونوں " "	۱۶	پاؤں کی انگلیوں " " "	۲۸
ہتھیلی کی " " "	۱۰	چھوٹی چھوٹی تل کی مانند	۸
انگلیوں کی " " "	۲۸	ہڈیاں	

یہ کُل ۲۴۶ ہڈیاں ہیں۔ جن پر انسان کے سارے جسم کا بوجھ ہے۔ اِن کے بغیر چلنا پھرنا محال ہے۔ یہ ہڈیاں اپنی ساخت میں سخت مضبوط اور لچکدار کھوکھلی ہیں۔ تمام عضلاتِ بدن، جو جسم کے مختلف اعضا کو حرکت میں رکھتے ہیں۔ انہیں ہڈیوں سے پیوست ہیں جسم کے نازک اور نہایت ضروری اعضاء کو بیرونی صدمات سے یہی ہڈیاں تحفظ دیتی ہیں۔ مثلاً کھوپری کی ہڈیاں دماغ کو، سینے کی ہڈیاں دل اور پھیپھڑوں کو، ریڑھ کی ہڈیاں حرام مغز کو آفات سے محفوظ رکھتی ہیں۔

یہ ۲۴۶ ہڈیاں جنین (FETUS) شکمِ مادر سے لے کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں یہ ہڈیاں غضروف یعنی کرّیاں (CARTILAGE) کہلاتی ہیں۔ جو تولید کے بعد رفتہ رفتہ عظام (BONES) کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ کہئے۔ الحمد للّٰہ!۔

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے بغیر کسی کی مدد و اعانت کے انسانی ڈھانچہ بنا کر سارے جسم کا بوجھ اس پر لاد کر زندگی رواں دواں کردی۔ اور تا زیست اس ڈھانچے کی ربوبیت، پرورش، اور حفاظت کرتا ہے۔ تو سب تعریف، حمد، شکر۔ صرف ایک ذاتِ لم یزل کے لئے ہی ہے۔ جس کا ذاتی نام اللہ تعالیٰ ہے۔

دورانِ خون اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

پھر اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ، اور حکمتِ بالغہ سے دورانِ خون کا سلسلہ اتنا عجیب و غریب بنا رکھا ہے۔ کہ انسان اس پر غور کرکے محوِ حیرت ہو جاتا ہے۔ تا حینِ حیات انسان کا دل، اور پھیپھڑے ایک منظم طریق پر حرکت کرتے رہتے ہیں پھیپھڑوں کی حرکت اجرائے تنفس کا باعث ہے۔ اور دل کی حرکت سے خون تمام جسم میں دورہ کرتا ہے۔ اور اسی دورہ کا نام زندگی ہے۔

دورانِ خون کی کیفیت پر غور کرنے سے بدن کے ہر رونگٹے سے اللہ کی حمد اور تعریف کی آواز سنائی دیتی ہے۔ سبحان اللہ! جسم کا غلیظ کثیف اور سیاہی مائل خون وریدوں کے ذریعہ، دو بڑی وریدوں ورید اجوف نازل اور ورید اجوف صاعد میں جمع ہو کر دل کے دائیں اذن میں آتا ہے۔ اور وہاں سے درمیانی سوراخ کے راستہ دائیں بطن میں پہنچتا ہے۔ پھر وہاں سے ورید شریانی کے راستے صاف ہونے کے لئے پھیپھڑوں میں چلا جاتا ہے۔ پھیپھڑوں کے عروق شعریہ میں پھیل کر دورہ کرتے ہوئے اُن بخارات دخانیہ کو (جن کے باعث وہ غلیظ، اور سیاہی مائل ہو گیا تھا)۔ اپنے سے خارج کر دیتا ہے۔ اور ہوائے لطیف یعنی

آکسیجن کو جذب کرکے خوب سرخ ہو جاتا ہے۔ پھر یہاں سے شرائین وریدیہ کے ذریعے دل کے بائیں اذن میں چلا جاتا ہے، اور وہاں سے پھر درمیانی سوراخِ دل کی راہ سے بائیں بطن میں آ جاتا ہے۔ اور بائیں بطن سے شریان میں جاکر پھر وہاں سے اس کی شاخوں کے ذریعہ تمام بدن کی عروق شعریہ میں پہنچ جاتا ہے۔ عروقِ شعریہ کی نازک دیواروں سے تراوش پاکر اعضاء کی بافتوں کی پرورش کرتا ہے۔ اور وہ آکسیجن یعنی ہوائے لطیف جو خون میں جذب ہوئی تھی۔ اعضاء کی بافتوں یا ذراتِ جسم میں جذب ہو کر ان کو قوتِ حیات بخشتی ہوئی تحلیل ہو جاتی ہے۔ اور اعضاء کی بافتوں کے بخارات دخانیہ (یعنی کاربانک ایسڈ گیس) خون میں جذب ہو کر پھر اسے کثیف اور سیاہی مائل کر دیتے ہیں

یہ کثیف اور سیاہی مائل خون پھر عروقِ شعریہ سے وریدوں میں چلا جاتا ہے۔ اور وریدوں میں جمع ہو کر دو بڑی وریدوں اجوف صاعد، اور اجوف نازل کے ذریعہ دل کے دائیں اذن میں آجاتا ہے۔ پھر یہاں سے صاف ہونے کے لئے پھیپھڑوں میں چلا جاتا ہے (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) غرض اسی طرح خون دورہ کرتا رہتا ہے۔ اور اس دورۂ خون سے جسم انسان کی زندگی رواں دواں ہوتی ہے۔ اس انسان کو دورانِ خون پکار پکار کر کہتا ہے۔ کہو — اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ — سب تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو بلا شرکت غیرے تیری عمرِ رواں کی کشتی دورانِ خون کی ندیوں میں بہ حفاظتِ تمام چلا رہا ہے۔

پانی کی بوند اور نیرنگ دارِ مکافات

اے انسان! پھر شکر کر، اور حمد کے نغمے بلند کر — اللہ

رب العزت کے لئے ہی ہے جس کا کوئی شریکِ کار نہیں۔ یعنی تیری پیدائش، اور پیدائش سے لے کر اس وقت تک جتنی تیری عمر ہو چکی ہے۔ تو صرف اسی واحد القہار کا ہی رہینِ منت ہے۔ پانی کی بوند جب قرار مکین میں سکون پذیر ہوئی۔ تو صرف اللہ ہی نے اس کی ربوبیت فرمائی۔ نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضغہ، مضغہ سے عظام کی حالت بخشی۔ عظام کو گوشت پوست سے ڈھانپا اور پھر خلعتِ حیات زیب تن کر کے۔ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کا تاج پہنا کر اورنگ زیبِ دارِ مکافات بنا دیا۔ کہئے! اس سارے کام میں۔ تصویر کشی کے تمام مراحل کے اندر مصوّرِ حقیقی کی کسی نے مدد کی؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر کتنی درست اور حق بات ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتائی۔ کہ میرے غلامو! بولو ـــ الحمد للہ۔

حزب الاعظم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان یوں گوہر ریز ہے:۔

وَلَا اَعَانَکَ عَلٰی خَلْقِنَا اَحَدٌ فَنُشْرِکُہٗ فِیْکَ۔

"اے اللہ! ہماری پیدائش میں کسی نے تیری مدد نہیں کی۔ جو ہم شریک کریں اس کو تیری ذات میں"

یعنی صرف تو نے ہی۔ اکیلے ہمارے جسم و جان کو پیدا کیا۔ یہ سر، آنکھیں، پیشانی، کان، منہ، زبان، ہونٹ، دانت، دماغ، دل، معدہ، جگر، گردے، انتڑیاں، قوتِ ذائقہ، لامسہ، باصرہ، شامہ ـــ جسم کا ہر ہر بال، رواں رواں، صرف تو نے ہی بنایا۔ پیدا کیا، زینت بخشی۔ کسی نے اس کام میں تیری مدد نہیں کی۔ تو پھر کس طرح ہو سکتا ہے

کہ ہم کسی کو تیرے ساتھ شریکِ حمد کریں۔ یا شریکِ عبادت کریں۔

سہ معراجِ زندگی ہے عجز و نیاز میرا
ہے شانِ کبریائی، کبر و غرور تیرا

تو الحمد للہ کے معنی خوب یاد رہیں۔ کہ حمد و شکر خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اُس کے سوا کسی مخلوق، یا خود ساختہ معبود کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کیونکہ ربّ العالمین صرف وہی ایک ذات ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو عزیز جان کی مانند بکثرت نعمتیں بخشی ہیں۔ جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ دیکھئے! اللہ نے بندوں کو طاعت کے لئے اعضاء دیئے۔ پھر ان کی حفاظت اور بقا کے واسطے رزق اور غذا انواع و اقسام کی مہیا کی۔ حالانکہ ان کو کوئی استحقاق نہ تھا۔ پھر طاعت کے اسباب اور ذرائع بھی بخشے۔ اور مزید احسان یہ کیا۔ کہ ان کی ہدایت کے لئے انبیاء اور رسل علیہم السلام بھیجے۔ جن کے اتباع سے آخرت میں جنت، اور جنت کی بے شمار نعمتیں حاصل ہوں گی۔ اور ابدی اور دائمی خوشی کی زندگی ملے گی۔ سہ

رحمان و مستعان و رؤف و علیم ہے!
اس کے سوا بھلا کوئی ایسا کریم ہے

صحّت و سلامتی پر حمد

زندگی میں تو اللہ تعالیٰ کے احسان اور نعمتیں ہیں ہی۔ اس کا احسان تو بندہ کی پیدائش سے پہلے ہے۔ کہ بغیر استحقاق کے اسے پیدا کر دیا تو یہ زندگی، اور پیاری جان، اللہ کی پہلی نعمت ہے۔ جسے انسان

سب نعمتوں سے بڑھ کر عزیز رکھتا ہے۔ تو پھر اس جانِ عزیز پر اس کی جتنی حمد کی جائے تھوڑی ہے۔

پھر تندرستی اور صحت کی نعمت بھی درخورِ صد حمد ہے۔ اگر منہ یا زبان میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔ تو ہر قسم کی غذاؤں، اور ان کے مزہ سے محروم ہو جائیں۔ اگر پیخانہ رُک جائے۔ تو بہت سی آفتوں اور تکلیفوں کا سامنا ہو جائے، اسی لئے جناب رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے بعد فرماتے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔

"سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے۔ جس نے مجھ سے پلیدی دور کی اور مجھے عافیت اور صحت دی" (مشکوٰۃ شریف)

تو گویا پیخانہ کا بافراغت آنا۔ عافیت، صحت اور تندرستی کا موجب ہے۔ اس پر بھی اللہ کی حمد کرنی چاہئے۔ ایسے ہی بَول کا اخراج بھی ایک استفراغ ہے۔ جو صحت کے لئے ضروری ہے۔ یہ چیز بھی حمد کا تقاضا کرتی ہے۔

اسی طرح انسان کے جسم میں لاکھوں رگوں کے ذریعہ سے خون کی روانی، اور ہر ہر عضو کی حیوانی غذا اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت کے ساتھ جاری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو۔ تو اعضاء بے کار، اور جسم خشک ہو جائے۔ جس طرح بغیر نہروں اور ندیوں کے کھیتیاں پرپٹ اور بنجر ہو جاتی ہیں۔

پھر خون کے آبی اختلاط اور بخارات بذریعہ بالوں کے مساموں کے خارج ہوتے رہتے ہیں۔ اگر خارج نہ ہوں۔ تو کئی امراض رونما

ہو جائیں۔ پس ہر ہر بال اور مسام انسان کے لئے شکر گزاری کی نعمت ہے۔ اور ہر جوڑ بند، اور ہر سانس کی آمد و رفت پر شکر اور حمد واجب ہے۔ یہی چیز حضرت شیخ سعدی رح نے کتنی بلاغت اور وضاحت سے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ہر نفس کہ فرد می رود ممد حیات است۔ و چوں بر می آید مفرح ذات۔ پس در یک نفس دو نعمتے موجود۔ و بر ہر نعمت شکرے واجب۔

"یعنی جو سانس اندر جاتا ہے۔ زندگی بڑھانے والا ہے۔ اور جب وہ سانس باہر آتا ہے۔ تو طبیعت کو خوش کرتا ہے پھر ایک سانس میں دو نعمتیں موجود ہیں۔ اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔"

یاد رہے۔ کہ سانس جب اندر جاتا ہے۔ تو ہوائے لطیف روح پرور (آکسیجن) سے بھرپور ہوتا ہے۔ اندر پھیپھڑوں میں جا کر آکسیجن (نسیم۔ ہوائے لطیف) چھوڑتا، اور وہاں سے کاربانک ایسڈ گیس لے کر باہر آتا ہے۔ پس سانس کے اندر جانے پر بھی حمد چاہیئے۔ کہ آب حیات بن کر اندر گیا۔ اور اس کے باہر آنے پر بھی حمد چاہیئے۔ کہ اندر سے زہر لے کر باہر آیا۔ اور اس کا آنا جانا۔ زندگی کا پیام لایا۔ سبحان اللہ! سے

سارى دنیا ہے تری سارا زمانہ تیرا
جس کو سنتا ہوں وہ کہتا ہے فسانہ تیرا

الحاصل الحمد کے الف لام میں یہ اشارہ پنہاں ہے کہ حمد و

ستائش اور شکر و ثنا کے جتنے اقسام اور انواع ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوں۔ اور جب بھی ہوں۔ جیسے ہوں، اور جس طرح ہوں۔ سب اللہ کے لئے مخصوص ہیں۔ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا حسن، آفاق و انفس کے حسین مناظر، شمس و قمر اور ستاروں کا نور، پہاڑوں کی بلندیاں، دریاؤں، ندیوں، نہروں اور سمندروں کی وسعتیں، خود انسان کا حسن و جمال، اور اس کی عقل کے کارنامے، سائنس کے محیر العقول کمالات، سب کچھ خلاقِ لازوال کی اعجاز طرازی، اور صنعت گری پر دلالت کرتے ہیں۔ لہذا در اصل ستائش اور حمد کی سزاوار وہی ذاتِ لم یزل ہے۔ ؎

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک، وہ ہے جلال تیرا
پھندے سے تیرے جائے کیونکر نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا

(مولانا حالیؔ)

مخلوق کی تعریف در اصل خالق کی تعریف ہے۔

اگر کسی کا علم بحرِ ذخار ہے۔ کسی کی صحافت کا طوطی بولتا ہے۔ کسی کی شاعری کا آفتاب نظروں کو خیرہ کرتا ہے۔ کوئی عبادت اور تقوے کے دریا کا پیراک ہے۔ کسی کی ولایت کا چاند ضو گستر ہے۔ کوئی ہزاروں ایجادات کا موجد ہے کسی کے حسن کو ماہ وش سلام کرتے ہیں۔ کوئی اتنا طاقتور پہلوان ہے۔ کہ ساری دنیا میں اس کی دھوم مچی ہے۔ لیکن مرورِ زماں کے

ساتھ ساتھ یہ سب ہستیاں کمزور، ضعیف اور ناتواں ہوتی جائیں گی۔ اِن کا شیرازۂ ہستی بکھر جائے گا۔ روح اور جسد کا انفکاک پیامِ موت لائے گا۔ یہ سب تجہیز و تکفین کی منازل سے گزریں گے۔ اور بالآخر قبر کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ اب کدھر گئے ان کے کمالات اور اوصاف؟ — ہاں یہ سب صفتیں، خوبیاں، محامد، مناقب اور حسن و جمال کے شعبدے ان کو عاریتہً حاصل تھے۔ عناصر میں ظہور ترکیب تک کے لئے تھے۔ جونہی — یہ اجزار پریشان ہوئے سب صفات اپنے مرکز کی طرف پرواز کر گئیں۔

تو ان سب کی تعریف در اصل اللہ رب العلا کی تعریف ہی ہے۔ جس نے یہ خوبیاں ان کو عطا کیں۔ ان کی ذاتی نہ تھیں، پھر بالکل یہ بات حق ہے۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! سب تعریف ہر طرح اور ہر نوع کی، ہر قسم اور ہر جنس کی — زمینوں میں اور آسمانوں میں — صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ؎

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقّا کہ خداوند ہے تو، لوح و قلم کا

لِلّٰہِ — میں لام تعریف اور تخصیص کا ہے۔ اسے لام تملیک بھی بولتے ہیں۔ اور اس میں قوت اور غلبہ پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ کہ حمد و ثنا سوائے ربِّ لایزال کے کسی دوسرے کو لائق اور زیبا نہیں۔ کیونکہ اسی ذاتِ برتر کے احسانات و انعامات بےحساب ہیں۔ پھر یہ بھی واضح ہے۔ کہ آسمانوں اور زمین کی کل مخلوقات، جاندار، اور غیر جاندار سب کا مالک و قابض صرف حق تعالےٰ ہی ہے۔ اور

اس کو سب پر غلبہ بھی حاصل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ واجب لذاتہٖ ہے۔ اور تمام مخلوقات ممکن لذاتہٖ ہے۔ اور ممکن لذاتہٖ قائم بالغیر ہوتا ہے۔ اور محتاج ہوتا ہے۔ پس واجب لذاتہٖ، ممکن لذاتہٖ پر غالب قاہر اور قابض ہے۔ اس لئے تنہا وہی سزاوارِ حمد و ستائش ہے۔

؎ دلوں کا مالک، نظر کا حاکم، سمجھ کا صانع خرد کا بانی
جمال اس کا، جلال اس کا، اسی کو زیبا ہے لن ترانی

(اکبر الٰہ آبادی)

اَلحَمدُ کی فضیلت

اب الحمد کی فضیلت اور تفسیر، احادیث اور اقوالِ سلف سے ملاحظہ فرمائیں:۔

ابن ماجہ میں ابن عمرؓ سے مرفوعًا آیا ہے۔ کہ ایک شخص نے کہا۔

یَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِيْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيْمِ سُلْطٰنِكَ۔

"اے رب! تیرے جلال الوجہ و عظیم السلطان کے واسطے تجھ کو حمد ہے۔ جیسے تیری شان کے لائق ہے۔"

(اس حمد پر) فرشتے گھبرا گئے۔ کہ ہم اس کا کتنا اجر لکھیں۔ آخر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ کہ اے رب! تیرے بندے نے ایک ایسا عظیم الشان کلمہ کہا ہے۔ کہ ہم اس کو لکھنے سے (یعنی اس کا ثواب لکھنے سے) عاجز آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے بندے نے کیا کہا ہے؟ (حالانکہ وہ عالم الغیب ہے) فرشتوں نے عرض کیا۔ اے رب۔ اس نے یوں کہا ہے۔ اے رب تیرے جلال الوجہ

اور عظیم السلطان کے واسطے تجھ کو حمد ہے۔ جیسے تیری شان کے لائق ہے"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم اس کو یوں ہی لکھ دو۔ جیسے میرے بندے نے کہا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ مجھ سے ملے گا۔ تو میں ہی اس کا ثواب اس کو دوں گا"۔

مسند احمد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ افضل ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے۔ اور افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰه ہے۔

ابن ماجہ کی حدیث میں ہے۔ کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے۔ اور وہ اس پر الحمد للہ کہے۔ تو دی ہوئی نعمت لے لی ہوئی سے افضل ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اگر میری امت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ تمام دنیا دیدے۔ اور وہ الحمد للہ کہے۔ تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہے"۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا دے دینا اتنی بڑی نعمت نہیں۔ جتنی الحمد للہ کہنے کی توفیق دینا ہے۔ اس لئے کہ دنیا تو فانی ہے۔ اور اس کلمہ کا ثواب باقی ہی باقی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:-

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝

(پ ۱۵ ع ۱۸) ـــ "مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ اور نیک اعمال باقی رہنے والے بہتر ہیں تیرے پروردگار کے نزدیک ثواب میں۔ اور بہتر ہیں امید

رکھتے ہیں۔"

یعنی مال اور اولاد محض دنیا کی زینت اور آرائش ہے۔ فانی ہی فانی ہے۔ اور کتاب و سنت کی سند سے کیے ہوئے اعمال صالح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ عقیدہ توحید، ایمان بالرسالت، قرآن پڑھنا تہجد۔ اشراق، نماز تسبیح، درود شریف، سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، لَآ اِلٰہَ اِلا اللہ، لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔ لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین، صدقات و خیرات، وعظ و تبلیغ اللہ کے نزدیک ثواب والے، اور امید والے ہیں۔

تو غور فرمائیں۔ کہ ساری دنیا مل جانے سے الحمد للہ کہنا افضل ہے۔ کیا شان اور کیا مقام ہے۔ اللہ کی تعریف کا! الحمدللہ!

مسلم کا لفظ مرفوع حضرت انس رضؓ سے اس طرح آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے۔ جو ہر نوالے، اور ہر گھونٹ پر اللہ کی حمد کرتا ہے۔ یعنی الحمد للہ کہتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت عمر رضؓ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضؓ سے پوچھا۔ کہ لَآ اِلٰہَ اِلا اللہ۔ اور سبحان اللہ۔ اور اللہ اکبر تو ہم لوگوں میں معروف ہے۔ بھلا بتاؤ۔ کہ الحمد للہ کیا ہے؟ ۔۔ تو حضرت علی رضؓ نے کہا۔ کہ "یہ ایک کلمہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ذات پاک کے واسطے پسند اور محبوب فرمایا اور اس کا کہنا محبوب رکھا۔"

پیارے مولا ہر کوئی تیری ہی حمد و ثنا کرتا ہے۔ کیونکہ تو ہے ہی حمد و ثنا کے لائق۔ سہ

ساجد تیرا کل جہاں ہے مسجود ہے تو
طالب تیرا کن فکاں ہے مقصود ہے تو
ہر مومن و بت پرست، شیدا تیرا
صدقے تیرے نام کے وہ معبود ہے تو

ابن ابی حاتم میں ہے۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا"

ابن جریر میں ہے۔ کہ حضرت ابن عباس رض نے کہا۔ کہ الحمدللہ تو اللہ تعالےٰ کے واسطے شکر ہے۔ اور یہی اس کے کمال کا یقین اور اس کی نعمتوں و ہدایت و ایجاد کا اقرار ہے"

ابن جریر میں ہے۔ کہ حکم بن عمیر رض روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب تو نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ربِّ الْعَالَمِیْنَ کہا۔ تو اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ پس وہ تیرے واسطے نعمت بڑھائے گا"

مسند احمد اور نسائی میں ہے۔ کہ اسود بن سریع رض نے کہا۔ کہ میں نے عرض کیا۔ کہ اے اللہ کے رسولؐ۔ میں نے اپنے رب تبارک وتعالےٰ کے محامد کہے ہیں۔ (یہ محامد اشعار میں تھے)۔ کیا وہ آپ کو سناؤں؟ آپ نے فرمایا "کہ تو آگاہ ہو۔ کہ تیرا رب اپنے حمد کو محبوب رکھتا ہے"

گمراہ کن اشعار

(نوٹ):۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حمد و ثناء کے اشعار جائز ہیں۔ لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ

کبھی جاہل شاعر تعریف کرتا ہے۔ حالانکہ وہ تعریف نہیں ہوتی۔ بلکہ خلافِ ادب ہوتی ہے۔ اور بعض اشعار شرکیہ ہوتے ہیں۔ بعضوں میں مبالغہ اور جھوٹ ہوتا ہے۔ بعض اشعار کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو۔ جو بالکل قرآن اور حدیث کے خلاف شرک، اور کفر کا حامل ہے۔ ؎

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا ہے کیا!
جو کچھ لینا ہے میں لے لوں گا محمدؐ سے

کتنا کفر ہے یہ کہنا۔ کہ اللہ کے پلے سوائے وحدت کے اور ہے کیا؟ — یعنی اس کے پلّے ایک ہی چیز ہے۔ وحدت (ایک ہونا) اس کے سوا اس کے پاس، اس کے پلّے کچھ نہیں۔ کتنی بڑی بے ادبی اور توہین ہے ربّ لازوال کی!!! حالانکہ وہ — وہ خدائے لم یزلٰ ہے۔ جو آنکھ جھپکنے میں زمین و آسمان فنا کر دے۔ تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ قرآن میں خود ارشاد فرماتا ہے:۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ (پ۱۳ ع ۱۵)

"اگر وہ چاہے تو مٹا دے تم کو۔ نیست و نابود کر دے تم کو۔ اور تمہارا نام و نشان مٹا دینے کے بعد نئی خلقت لے آئے"

قرآن کہتا ہے:۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىٕنُهٗ ۔ (پ۱۴ ع ۲)

"اور کوئی شے ایسی نہیں۔ جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں۔ یعنی ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں"

ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔ لیکن ایک بدبخت ملحد شاعر کہتا ہے۔ کہ اللہ کے پلّے ہے کیا؟ ۔یعنی اس کے پاس کچھ نہیں۔ استغفر اللہ!

آگے کہتا ہے:"جو کچھ لینا ہے میں لے لوں گا محمدؐ سے"

اور حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ و سلم اللہ کی جناب میں یوں عرض کرتے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْغَنِیُّ وَ نَحْنُ الْفُقَرَاءُ ۔ (مشکوٰۃ)

"اے اللہ ہمارے (بارش بند ہو گئی اور قحط پڑنے کو ہے) تو غنی ہے۔ اور ہم فقیر اور محتاج ہیں۔ (بارش نازل فرما)"

غور کریں۔حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ ہم فقیر اور محتاج ہیں (اللہ کے در کے)۔ جو ملنا ہے اللہ کی جناب سے ملنا ہے۔ جو کچھ لینا ہے اللہ ہی سے لینا ہے ۔ لیکن شاعر گمراہی کی وادی میں قدم رکھتا ہے۔ کہتا ہے۔جو کچھ لینا ہے میں لے لوں گا محمدؐ سے۔

حدیث شریف میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم اللہ کی جناب میں یوں دعا کرتے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ ۔

"اے اللہ کوئی روکنے والا نہیں ہے اس چیز کو جو تو عطا کرے۔ اور کوئی دینے والا نہیں ہے اس چیز کو جو تو روک لے" (مشکوٰۃ)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا کرے۔ تو زمین و آسمان میں کوئی اس کا مانع نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اللہ ہی عطا نہ کرے۔ تو زمین و

آسمان میں کوئی اس کا معطی نہیں ہے۔ پھر یہ کہنا۔ کہ جو کچھ لینا ہے میں لے لوں گا محمدؐ سے ۔ یہ کتنی بڑی بغاوت ہے قرآن سے اور کتنی بڑی مخالفت ہے جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ ؎

وہی جو مستویِ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

یعنی ربِ عرشِ عظیم ہی مصطفےٰ کی شکل میں مدینہ میں آ گیا۔ استغفراللہ! ۔ اس عقیدے سے نہ خدا کی الوہیت پر ایمان رہا۔ نہ حضورؐ کی رسالت پر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی میں حلول نہیں کرتا اور نہ کبھی کوئی رسولِ خدا بن کے آیا ہے۔

تو اوپر ذکر آیا تھا۔ کہ اسود بن سریع رضؓ نے اللہ کی حمد میں اشعار کہے تھے۔ اس پر ہم نے اشعار کے متعلق تاکید کی ہے۔ کہ جو اشعار کتاب و سنت کے مطابق ہوں۔ وہ درست ہیں۔ اور جو خلاف قرآن و حدیث ہوں۔ وہ سراسر گمراہی اور جہالت کے راستہ پر لے جانے والے ہوتے ہیں۔ بہت سی نعتیں اور قوالیاں اسی قبیل سے ہوتی ہیں۔ لہٰذا شعروں کے سننے، اور پڑھنے سے سخت محتاط رہنا چاہئے۔

ترمذی۔ ابن ماجہ اور نسائی میں ہے۔ کہ جابر بن عبد اللہؓ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بہت خوب افضل ذکر ہے ۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ افضل دعا ہے۔"

بیہقی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ" اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر کوئی نعمت فرمائی۔ پس اس نے کہا۔ الحمد للہ۔ تو الحمد اس نعمت سے افضل ہو گی"۔

ایک مرفوع حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا آئی ہے:۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہٗ وَ لَکَ الْمُلْکُ کُلُّہٗ وَ بِیَدِکَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ وَ اِلَیْکَ یَرْجِعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ ط

"اے اللہ ہمارے تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔ تیرا ہی تمام ملک ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں تمام بھلائیاں ہیں اور تمام کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں"۔ (حصن)

حدیث میں حضورؐ کی یہ دعائیں بھی اللہ تعالےٰ کی حمد میں آئی ہیں:۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَ رِضَا نَفْسِہٖ وَ زِنَۃَ عَرْشِہٖ وَ مِدَادَ کَلِمَاتِہٖ ط (مسلم شریف)

"پاک ہے اللہ ساتھ تعریف اپنی کے، اپنی مخلوق کی گنتی کے برابر۔ اور اپنی ذات کی خوشنودی کے موافق۔ اور عرش کے وزن، اور اپنے کلمات کی سیاہی کے برابر"۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ مَا شَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَ مَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ (نسائی)

"پاک ہے اللہ ساتھ تعریف اپنی کے، نہیں طاقت (کسی نیکی کی)، مگر ساتھ (توفیق) اللہ کے. جو چاہے اللہ، وہی ہوتا ہے۔ اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور بیشک اللہ کے علم نے ہر چیز کو احاطہ کر رکھا ہے۔"

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْأَ الْاَرْضِ وَ مِلْأَ مَا بَيْنَهُمَا وَ مِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَ الْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَ كُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَ لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ط (مسلم شریف)

"اے اللہ رب ہمارے تیرے لئے ہے تعریف آسمانوں بھر اور زمین بھر، اور بقدر بھرنے اس چیز کے کہ درمیان ان (آسمانوں اور زمین) کے ہے۔ اور بقدر بھرنے اس چیز کے، کہ چاہے تو کسی چیز سے بعد اس کے۔ اے صاحب تعریف اور بزرگی کے۔ تو لائق تر ہے اس چیز سے کہ کہے بندہ، اور ہم سب تیرے بندے ہیں۔ نہیں کوئی روکنے والا اس چیز کو، کہ دی تونے، اور نہیں کوئی دینے والا اس چیز کو، کہ روکی تونے، اور نہیں نفع دیتی دولت مند کو، تیرے عذاب سے دولت مندی۔"

اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ ط اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ ط

اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ط لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ط لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ ﮅ (حصن)

"اللہ بہت بڑا ہے۔ اور سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اور سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اور سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر اللہ تنہا۔ نہیں کوئی شریک اس کا۔ اسی کے لئے ہے بادشاہت۔ اور اسی کے لئے ہے سب تعریف۔"

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ فِیْھِنَّ وَ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ فِیْھِنَّ وَ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَ وَعْدُکَ الْحَقُّ وَ لِقَاؤُکَ حَقٌّ وَ قَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ وَ النَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَّ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَ السَّاعَۃُ حَقٌّ ط (بخاری شریف)

"اے اللہ تیرے ہی لئے ہے سب تعریف۔ تو ہی قائم رکھنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو ان میں ہیں اور تیرے ہی لئے ہے سب تعریف تو روشن کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور جو ان میں ہیں۔ اور تیرے ہی لئے ہے سب تعریف۔ تو ہی ہے حق۔ اور وعدہ تیرا ہے حق۔ اور ملاقات تیری ہے حق، اور کلام تیرا ہے حق۔ اور بہشت ہے حق۔ اور دوزخ ہے حق۔ اور

سب نبی ہیں حق۔ اور حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں حق۔ اور قیامت ہے حق۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَوّٰی خَلْقِیْ وَ اَحْسَنَ صُوْرَتِیْ وَ زَانَ مِنِّیْ مَا شَانَ مِنْ غَیْرِیْ ۝ (ترمذی)

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے برابر کئے اعضاء میرے۔ اور اچھی بنائی صورت میری اور سنواری میرے بدن سے وہ چیز جو عیب دار کی غیر میرے سے۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ كَفَانَا وَ اٰوَانَا فَكَمْ مِّمَّنْ لَّا كَافِیَ لَهٗ وَ لَا مُؤْوِیَ ۝ (ترمذی)

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے کھلایا ہمیں۔ اور پلایا ہمیں اور کافی ہوا اور جگہ دی ہم کو پس کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو کوئی کفایت کرنے والا نہیں اور نہ کوئی جگہ دینے والا۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝ (مشکوٰۃ)

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے زندہ کیا ہم کو پیچھے اس کے کہ مارا ہم کو (یعنی نیند سے بیدار کیا) اور اسی کی طرف ہے جی اٹھنا۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ فِیْ جَسَدِیْ وَ رَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ وَ اَذِنَ لِیْ بِذِكْرِهٖ ۝ (ترمذی)

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے عافیت دی

میرے بدن کو اور لوٹائی مجھ پر جان میری (بعد نیند کے) اور اجازت دی مجھے اپنی یاد کی۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ النَّوْمَ وَالْیَقْظَةَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَعَثَنِیْ سَالِمًا سَوِیًّا اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط (اذکار نووی)

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے پیدا کیا نیند اور بیداری کو۔ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے اٹھایا مجھ کو (نیند سے) صحیح سالم۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ (یقیناً) مُردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

قرآن مجید میں آتا ہے:۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ ۔ (پ ۲۰ ع ۱۰)

"اور وہی ہے اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کے لئے ہی ہے سب تعریف دنیا اور آخرت میں۔"

سبحان اللہ! دنیا میں بھی صرف وہی ذات حقیقی تعریف کے لائق ہے۔ اور آخرت میں بھی صرف وہی۔ یہ جو ہم دنیا میں بہت

مخلوق کی صفات عطائی ہیں

چیزوں کی تعریف کرتے ہیں۔ مثلاً باغ میں بے شمار پھول مختلف رنگوں کے جدا جدا جھلک رکھتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہم بہت تعریف کرتے ہیں گلاب کا پھول اتنا خوب صورت ہوتا ہے۔ کہ بار بار دیکھنے کو جی

چاہتا ہے۔ پھر اس کی خوشبو مست کر دیتی ہے۔ ایسے اور بہت سے پھول اپنی خوشبو سے مشامِ جان کو معطر کر دیتے ہیں پھلوں کو دیکھو۔ رنگ اور ذائقہ ۔ سبحان اللہ ۔ سورج، چاند، ستارے۔ بڑے خوب صورت تعریف کے لائق ہیں۔ اسی طرح بے شمار چیزیں قابلِ تعریف ہیں۔ انسان بھی بہت سی خوبیوں کے باعث درخور ستائش ہے۔ بے شک ہم ان چیزوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اور کر سکتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ بھی اللہ ہی کی تعریف ہے۔ جس نے ان چیزوں میں خوبیاں اور اچھائیاں پیدا کی ہیں۔ یہ تعریفیں اور صفات ان کی ذاتی نہیں ہیں۔ سب اللہ کا عطیہ ہے۔ اللہ نے اپنی مرضی سے ان کو بخشی ہیں۔ بلا استحقاق اپنی مخلوق کو احسانوں اور انعاموں سے نوازا ہے' لہٰذا سب تعریف اول سے آخر تک صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ تمام جمادات، نباتات اور حیوانات اور بے شمار عالم دراصل اللہ ہی کے حمد و ستائش کے مظہر اور اسی کی ثنا و تعریف کے نشانات ہیں۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَ الْآخِرَةِ ط عالَمِ دنیا میں بھی وہی تعریف کے لائق، اور عالَمِ عقبٰے میں بھی صرف وہی سزاوارِ ثنا ہے۔ تفسیر خازن میں الحمد للہ کا یہ مطلب کتنا صحیح اور جامع ہے کہ

اَنَّهُ الْمُسْتَحِقُّ لِلْحَمْدِ لِاَنَّهُ الْمُحْسِنُ الْمُتَفَضِّلُ عَلٰى كَافَّةِ الْخَلْقِ عَلَى الْاِطْلَاقِ ۔ حمد کا مستحق اور مالک صرف اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی ہے۔ کیونکہ وہ ساری مخلوق کا محسن حقیقی ہے۔

اے احکم الحاکمین، ربِ عرشِ عظیم، پیارے مولا، سو

تو خالقِ ارض و سما ، تو حاکمِ قدرت نما
ہے حکم تیرا جا بجا ، لے عرش تا تحت الثریٰ
برتر، مقدس، ذو العلا، بندے ترے شاہ و گدا
دنیا و دیں کی یا خدا ، برحق تجھی کو ہے روا
فرماں روائی، حاکمی، شاہی ، خدائی ، سروری

قدرت نے تیری ہر زماں لے کر زمیں تا آسماں
کیا کیا بہاریں کیں عیاں، کیا کیا دکھائیں خوبیاں
مرغوب رنگ آمیزیاں، محبوب حسن آرائیاں
حقا تری صنعت پہ ہاں ہے ختم لاریب و گماں
رنگینی و طراحی و نقاشی و صورت گری

تو قادر و سبحان ہے اقدس معلےٰ شان ہے
خالق ہے اور رحمان ہے رزّاق اور منّان ہے
تیرا کرم ہر آن ہے ، احسان بے پایان ہے
ہم کو یہی شایان ہے جب تک بدن میں جان ہے
ہر آن میں لاویں بجا ، شکرانہ و فرمانبری

جو جو ہیں تیری قدرتیں ، کیا کیا بیاں ان کا کریں
آتی نہیں کچھ فہم میں جز یہ کہ ان کو تک رہیں
کیا کیا بنائیں نعمتیں کیا کیا بنائیں رحمتیں
کب شکر ان کا کر سکیں، لیکن یہی ہر دم کہیں
یارب ترا فضل و کرم لطف و عنائیت گستری

ہے تو ہی رب العالمیں ، اور تو ہی خیر الراحمیں

یکتائی ہے تیرے تئیں ، ہمسر ترا کوئی نہیں
لے آسماں سے تا زمیں سب عباد و تابعیں
ہے یہ نظیرِ عصیاں تریں جانے ہے باصدق و یقیں
ہو گی ترے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری
(نظیر اکبر آبادی)

اے خالقِ ارض و سماء ؎

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

اے فالقِ صبح و ضیاء ؎

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

اے شمس و قمر کو لبادۂ نور اڑھانے والے ۔ تو وہ صانع لم یزل ہے۔ کہ ؎

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے
بندے کو بغیرِ جستجو دیتا ہے
انسان کو رزق ، گل کو بو ، سنگ کو لعل
جو کچھ دیتا ہے جس کو تُو دیتا ہے
(میر ببر علی انیس)

اَے نُورِ جہاں آرا سب تیرے ہی جلوے ہیں

یہ شامِ شفق پرور ، یہ صبحِ درخشندہ

(ثمرؔ)

اِستعانت خداوندی

وَ نَسْتَعِیْنُہٗ

"اور ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں۔"

اِک ولولۂ شوق ہے اک نغمۂ ناہید!
یہ کون مرے کان میں رس گھول رہا ہے

(ثمر)

مدد چاہنا یا مدد مانگنا دو طرح پر ہے۔ ایک کو استعانت شرعیہ کہتے ہیں۔ اور دوسری کو استعانت شرکیہ بولتے ہیں۔

استعانت شرعیہ

استعانتِ شرعیہ کی صورت یہ ہے کہ جن امور میں شریعت نے غیر اللہ سے مدد مانگنی جائز قرار دی ہے۔ ان امور میں مدد مانگ لینی چاہئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَے الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ۔ "نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔" اور یہ مدد بالاسباب ہوتی ہے۔ اور مدد کرنے والا اس کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ مثلاً ایک دست اور سخت محتاج عیالدار آدمی کسی مال دار سخی کو کہے۔ کہ اس کی مدد کرے۔ تو مال دار

اس کو ایک بوری گندم کی لے دے۔ اور دو چار تھان کپڑے کے خرید دے۔ تاکہ وہ اہل و عیال کے کپڑے بنا لے۔ تو ایسی مدد مانگنی جائز ہے۔ اور اس کی یہ ضرورت پوری کرنی تعاون علی البرّ میں داخل ہے۔ یا کسی کو کہیں کہ یہ بوجھ مجھے اٹھوا دو۔ ڈاکٹر سے دوائی لا دو۔ یا کسی حکیم یا ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔ مجھے بازار سے یہ سودا خرید کر لا دو۔ یا میرا یہ پیغام فلاں جگہ پہنچا دو۔ اسی طرح تمام امور میں اُن آدمیوں سے مدد مانگنی درست ہے۔ جو آدمی اس کی مدد کرنے پر قادر ہوں۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ موجود ہے:۔

وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ۔

"اور اگر وہ تم سے دین میں مدد چاہیں۔ تو ضرور انکی مدد کرو۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا۔" اپنے مسلمان بھائی کی مدد کر۔ خواہ وہ ظالم ہے، یا مظلوم۔" (ظالم کی مدد اس طرح ہے۔ کہ اس کو ظلم سے باز کرو۔ اور مظلوم کی مدد اس سے ظلم دور کرنے میں ہے)۔

پس ایسی مدد کرنی تعاون کہلاتی ہے۔ مولانا حالیؒ نے ایسے ہی تعاون کے متعلق فرمایا ہے۔ ؎

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں!
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

یہ بات بھی عین حدیث کے مطابق ہے۔ ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اسلامی تمدن، اور معاشرتی زندگی کا یہ تقاضا ہے۔ کہ سب انسان باہم مل جل کر، پیار اور محبت سے زندگی گزاریں اور دکھ درد میں ایک دوسرے کے کام آئیں۔ ایک دوسرے کی مدد کریں۔ چنانچہ ایک حدیث میں سرورِ رسولاں صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ۔

"جو شخص اپنے بھائی کی کوئی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت رواٸی کرتا ہے" (مشکوٰۃ)

تو اللہ تعالےٰ نے انسان کو آرام اور آسائش کے جو اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں۔ مال و دولت کی فراوانی بخشی ہے۔ ان چیزوں کے ساتھ حاجت مندوں، مصیبت زدوں، اور محتاجوں کی مدد و اعانت کرنی چاہیئے۔ اور ان امور میں اہل استطاعت لوگوں سے مدد چاہنی جائز ہے۔ اور اس بارے میں کسی کو اختلاف نہیں۔

بعض جہلا یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر غیر اللہ سے مدد مانگنی ناجائز، یا شرک ہے۔ تو پھر کیوں کہتے ہو۔ کہ فلاں مکان کو آگ لگ گئی ہے۔ فائر بریگیڈ کو خبر کرو۔ کہ آکر آگ بجھائے۔ یا بیماری میں کیوں علاج سے مدد چاہتے ہو۔ اور بہت سے کاموں میں ایک دوسرے کو مدد و اعانت کے لئے بلاتے ہو۔ وغیرہ۔

اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ کہ ایسے تمام امور میں تعاون کرنے کا حکم ہے۔ ایک دوسرے کے کام آنے کی تاکید آئی ہے۔ اسباب کے ساتھ امداد باہمی پر مذہب نے زور دیا ہے۔ البتہ اُن امور میں غیر اللہ سے مدد مانگنی، یا غیر اللہ کو مصائب و حوائج میں پکارنا حرام

اور شرک ہے۔ جن امور کی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہ قدرت ہے نہ طاقت نہ اختیار۔ یہ ہے استعانت شرکیہ۔ اس کا بیان آگے آتا ہے۔

استغاثہ شرعیہ جس طرح استعانت شرعیہ جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ جائز اور مشروع ہے۔ اسی طرح استغاثہ شرعیہ بھی جائز ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ مخلوق سے ان امور میں فریاد کرے، یا مدد چاہے۔ جن کی اسے طاقت یا اختیار ہو۔ بالکل استعانت شرعیہ کی مانند۔

عدالت میں جو فوجداری مقدمے آتے ہیں۔ ایسے مقدمہ کو استغاثہ کہتے ہیں۔ اور استغاثہ کرنے والے کو مستغیث، اور جس پر استغاثہ دائر ہو۔ اسے مستغاث علیہ بولتے ہیں۔ استغاثہ کے معنے ہیں فریاد کرنا۔ مستغیث ظلم کے دفعیہ کے لئے عدالت سے فریاد کرتا ہے۔ اور عدالت سے ایسی فریاد کرنی جائز ہے۔ کیونکہ عدالت طاقت اور زور سے ظالم کو سزا دے سکتی ہے۔ اور مظلوم سے ظلم دور کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک آدمی نے ایک ظالم کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغاثہ کیا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک آدمی، اور ایک قبطی ــــ دونوں آپس میں لڑ رہے تھے۔ بازار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرے۔

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ۔

"پس فریاد کی اس نے کہ قوم اس کی سے تھا اوپر اس شخص کے کہ اس کے دشمن سے تھا" (پ ۲۰ ع ۵)

یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ہم قوم آدمی نے اپنے دشمن قبطی پر حضرت موسےٰ علیہ السلام سے استغاثہ کیا۔ یہ استغاثہ جائز تھا۔ کیونکہ موسےٰ علیہ السلام بڑے طاقتور تھے۔ وہ مظلوم کی مدد کرنے پر قادر تھے۔ چنانچہ انہوں نے قبطی کو بہت سمجھایا۔ لیکن وہ باز نہ آیا فَوَكَزَهٗ مُوسٰى۔ "پس مکا مارا موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو۔ فَقَضٰى عَلَيْهِ۔ "پس تمام کی زندگی اس پر" یعنی وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

پس استعانت اور استغاثہ ان کاموں میں جن پر کسی کو قدرت اور اختیار ہو۔ بلاشبہ جائز ہے۔ اور خطبہ میں جو رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ۔ "اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں" یہ مدد مانگنا ان کاموں کے بارے میں ہے۔ جن کی طاقت قدرت، اختیار سوائے اللہ واحد القہار کے مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

سورۃ فاتحہ میں بھی بالکل یہی صورت ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ "خاص تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں" یعنی تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ "اور خاص تجھ ہی سے ہم مدد مانگتے ہیں" یعنی تیرے سوا کسی سے ہم مدد نہیں مانگتے۔ یہاں عبادت اور استعانت صرف اور صرف اللہ ہی سے متعلق ہیں۔ اس کے سوا کسی غیراللہ کی عبادت کرنی۔ یا کسی غیراللہ سے مدد مانگنی یا استغاثہ کرنا حرام اور شرک ہے۔ گویا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وَ نَسْتَعِيْنُهٗ فرمانا بالکل وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی مانند ہے۔ اس کی شرح اور پوری

پوری تائید ہے۔

استعانت شرکیہ وہ باتیں، وہ کام، جن پر سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی کو نہ قدرت ہے۔ نہ طاقت، نہ اختیار ہے نہ زور۔ ان میں کسی غیر اللہ سے مدد مانگنا۔ حاجت روائی، اور مشکل کشائی چاہنا۔ حرام اور شرک ہے۔ کسی پیغمبر، یا ولی بزرگ کی قبر پر جا کر کہنا۔ اے فلاں بزرگ، یا شہید۔ میری مدد کرو۔ میری فریاد سنو۔ میری تکلیفوں اور مصیبتوں کو دور کرو۔ مجھے رزق دو۔ شفا دو۔ میرے دکھ درد۔ اور غم دور کرو۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا للہ۔ یا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری پار کرو کشتی میری۔ یا بہاول حق بیڑا دھک۔ (یعنی کشتی کو بھنور سے نکال کر دھکیل دو)۔ یا دور دراز مقامات سے بزرگوں کو پکارنا، اور اُن سے حاجت مانگنا۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اولیاء اللہ اپنے پکارنے والوں کی پکار سنتے ہیں۔ اور ان کے حالات جانتے ہیں اور بگڑی بنا سکتے ہیں۔ یہ تمام باتیں خالص شرکیہ ہیں۔ کیونکہ ان باتوں پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر و مختار ہے۔ یہ امور اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہی مختص ہیں۔ کسی کو ان میں شراکت حاصل نہیں۔ ان ہی امور کے پیش نظر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَ نَسْتَعِیْنُہٗ۔ "اور ہم صرف اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں"

استغاثہ شرکیہ مافوق الاسباب طور پر کسی سے مدد مانگنی، یا فریاد کرنی حرام اور شرک ہے۔ مثلاً دو آدمی دریا کے طوفان میں پھنس گئے۔ اور ڈوبنے لگے۔ رات کا وقت ہے کوئی شخص کنارے پر نہیں ہے۔ ان میں سے ایک نے اللہ کو پکارا۔ کہ اے سمیع و

بصیر۔ قادرِ مطلق خدا ۔ مجھے اس طوفان سے بچا لے۔ دوسرے نے کسی ولی اللہ کا نام لے کر اس کو پکارا ۔ یا خواجہ معین الدینؒ اجمیری میری فریاد کو پہنچو اور مجھے بچاؤ ۔ دونوں کی موت کا وقت آیا ہُوا تھا۔ دونوں ہی ڈوب گئے۔ اور مر گئے ۔ ان میں سے ایک شخص شہادت کی موت مرا۔ جس نے اللہ سمیع و بصیر کو پکارا۔ اور دوسرا شخص استغاثۂ شرکیہ کے باعث شرکیہ موت پر مرگیا۔ کیونکہ اس نے جس ولی کو پکارا ۔ اُسے اللہ کا مقام دے دیا۔ کیونکہ اس نے ما فوق الاسباب طور پر غیر اللہ کو پکارا۔ اور اسے اللہ کی مانند سننے والا ۔ دیکھنے والا یقین کیا۔ ایسی پکاروں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے :۔

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (پ ۲۶ ع ۱)

" اور کون شخص ہے بہت گمراہ اس شخص سے، کہ پکارتا ہے سوائے اللہ کے اس شخص کو، کہ نہ جواب دے گا اس کو ۔ قیامت کے دن تک اور وہ ان کے پکارنے سے غافل ہیں۔"

اس آیت سے ثابت ہُوا۔ کہ لوگ جن غیر اللہ کو مصائب و حوائج میں پکارتے ہیں۔ خواہ وہ انبیاء ہوں ۔ اولیاء ہوں، بزرگ ولی شہید ہوں۔ کوئی ہوں ۔ ما فوق الاسباب طور پر پکارنے والوں کی پکار کو سنتے ہی نہیں ہیں۔ خواہ پکارنے والے، ان کو

قیامت تک پکارتے رہیں۔ ہرگز ہرگز جواب نہ دیں گے۔ جواب کیسے دیں۔ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۔ اور وہ تو ان کی پکاروں، نداؤں سے غافل ہیں۔ بے خبر ہیں۔

پھر ڈوبنے والے نے دریا کے اندر حضرت خواجہ معین الدینؒ کو پکارلہ یا علی ہجویریؒ کو۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو ندا دی۔ بقولِ قرآن یہ بزرگ اس کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں۔ اس لئے اس گمراہ کو ان کی طرف سے قیامت تک کوئی جواب نہیں ملے گا۔ یہ ہے استغاثہ شرکیہ! ایسے موقعہ پر صرف اللہ کی جناب میں ہی — استغاثہ کیا جا سکتا ہے۔ نہ کہ غیر اللہ سے۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر صحابہؓ نے اللہ تعالےٰ سے استغاثہ کیا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ٥ (پ۹ ع۱۵)

"جس وقت فریاد کرتے تھے تم اپنے پروردگار سے۔ پس قبول کیا اللہ نے واسطے تمہارے (استغاثہ تمہارا) یہ کہ میں مدد دوں گا تم کو ساتھ ایک ہزار فرشتوں کے پے درپے آنے والے۔"

ثابت ہوا۔ کہ میدانِ جنگ میں بھی فتح و ظفر کے لئے صرف اللہ ہی سے فریاد کرنی چاہئے۔ کسی غیر اللہ سے فریاد کرنی۔ اسے پکارنا مدد کے لئے آواز دینی شرک ہے۔ غیر اللہ کے نعرے لگانے بھی اسی استغاثہ شرکیہ میں داخل ہیں، یا علی، یا رسول اللہ، یا حسینؓ، یا شیخ

عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ وغیرہ — قطعاً ناجائز ہیں۔ اور اس شرکیہ کام سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

ڈوبتوں کو کون بچاتا ہے دریاؤں اور سمندروں کے طوفان سے نجات کے متعلق آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں کہ کون نجات دیتا ہے:-

وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ (پ۲۳ ع ۲)

"اور اگر ہم چاہیں۔ تو ان کو غرق کر دیں۔ پھر نہ تو کوئی ان کی فریاد سننے والا ہو اور نہ بچانے والا۔ ہاں ہماری رحمت ان کی دست گیری کرے۔ اور ہم ان کو ایک وقت تک متاعِ حیات سے ہمکنار کرنا چاہیں۔ تو پھر نجات پا سکتے ہیں"

یہ آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ کہ طوفان میں گھرے ہوؤں کیلئے سوائے اللہ فریاد رس کے، کوئی دست گیر، کوئی بچانے والا، کوئی مدد دینے والا، کوئی بیڑا پار لگانے والا نہیں ہے۔ جو لوگ ایسے آڑے وقت میں خواجہ خضر کو پکارتے ہیں۔ یا خواجہ معین الدینؒ اجمیری کو۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے فریاد کرتے ہیں، یہ مذکورہ آیت کی صریح خلاف ورزی کرکے شرک کی تاریک وادی میں قدم رکھتے ہیں۔ ہم تو متذکرۃ الصدر آیت کی دلیل سے یہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ تمام آسمان والے، اور تمام زمین والے، بلکہ اللہ کی تمام مخلوق مل کر متحد و متفق ہوکر بھی ان غریقوں کو نہیں بچا سکتے۔

شفا کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے

بیماروں کو شفا بھی صرف اللہ ہی بخشتا ہے۔کسی غیر اللہ کے "اختیار" میں شفا نہیں ہے۔ کیونکہ "شفا، صحت اور تندرستی کا خالق اللہ ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے نہیں۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب دوا مرض کو پہنچتی ہے۔ یعنی مریض دوائی استعمال کرتا ہے۔ براء باذن اللہ۔ تو اللہ کے حکم سے شفا پاتا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ دوا بھی مؤثر بالذات نہیں۔ اللہ چاہے تو شفا ہو۔ نہ چاہے تو نہ ہو۔ علاج بے کار۔ اور ادویہ بے سود ہوں"!!

اولاد صرف اللہ ہی بخشتا ہے

اولاد بھی صرف اللہ ہی کے بس و اختیار میں ہے۔ قرآن کہتا ہے:۔

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ٥ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ج وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ٥ (پ۲۵ ع ۶)

"بخشتا ہے جس کو چاہے لڑکیاں ہی، اور جسے چاہے لڑکے دے۔ یا جسے چاہے دونوں بخشے۔ اور جسے چاہے بانجھ کردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ علم والا اور قدرت والا ہے۔"

دیکھئے!۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو صرف لڑکیاں ہی دی تھیں۔ بیٹا نہیں دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف لڑکے ہی دیئے۔ لڑکی نہ دی۔ اور سرور رسولاں صلے اللہ علیہ وسلم کو لڑکے بھی دیئے اور لڑکیاں بھی دیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ

طاہرہ رضی اللہ عنہا کو بانجھ کر دیا۔ اللہ اکبر! — کون اسے کہے۔ یوں نہیں۔ یوں کر۔ اس کے تصرف و اختیار، اور مرضی و منشاء میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔

لیکن شرک کے خمیر سے امتزاج پائی ہوئی طبیعتیں — یہ کہتی ہیں۔ کہ بچہ پیروں نے دیا ہے۔ نام بھی رکھتے ہیں۔ پیراندتہ۔ رسول بخش۔ جیلانی بخش۔ بہاول بخش۔ غوث بخش وغیرہ ایسے اعمال اور عقیدے وَ نَسْتَعِيْنُهٗ کے بالکل خلاف ہیں۔ اور استمداد شرکیہ کے تحت آتے ہیں۔

رزق کی تنگی اور فراخی اللہ کے ہاتھ میں ہے

رزق بھی اللہ ہی فراخ کرتا، اور تنگ کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (پ ۲۱ ع ۷) — "کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے۔ کہ اللہ تعالےٰ فراخ کر دیتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا ہے۔ اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ بے شک (رزق کی تنگی اور فراخی میں) اہل ایمان کے لئے بہت سی — نشانیاں ہیں"

اس آیت سے ثابت ہوا۔ کہ رزق کی تنگی اور فراخی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی رزق تقسیم کرنے والا نہیں ہے۔ کوئی داتا نہیں۔ کوئی گنج بخش نہیں۔ مشکوٰۃ میں صحیح حدیث کے اندر موجود ہے کہ بعض صحابہؓ نے رزق کی سخت تنگی میں پیٹ پر پتھر باندھے۔

اور حضورؐ نے ان کو فرمایا۔ کہ یہ دیکھو۔ میرے پیٹ پر دو پتھر ہیں۔ غزوہ خندق میں مہاجر اور انصار جب خندق کھود رہے تھے۔ تو سخت فاقہ میں تھے۔ بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ تین دن سے تمام اہل خندق نے کوئی چکھنے والی چیز نہ چکھی تھی۔ لا نذوق ذواقا۔ اور حضور انورؐ کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔

ایسے موقعہ پر حضورؐ نے صحابہؓ کے لئے رزق کو فراخ نہ کیا۔ بلکہ خود اپنی مجبوری اور تنگی کا اظہار کیا۔ کہ میرے پیٹ پر بھی دیکھ لو۔ پتھر بندھے ہیں۔ خدا کے در کے تم بھی محتاج ہو۔ اور میں بھی محتاج ہوں۔

لیکن ایک غالی فرقہ کہتا ہے۔ کہ حضورؐ رزق تقسیم کرتے ہیں۔ اللہ ہے معطی اور آپ ہیں قاسم۔ دیتے دلاتے سبھی کو وہی ہیں۔ یہ عقیدہ صریحاً قرآن اور حدیث کے خلاف ہے۔ اور شرکیہ ہے۔ — اچھا بتاؤ تو — کہ کیا حضورؐ نے تمام رزق امریکہ اور روس کو ہی دے دیا ہے۔ اور مسلمانوں کو ان کے دروازے کا محتاج کر دیا ہے۔ کہ بھوک میں امریکہ سے غلہ آتا ہے۔ مسلمانو! توبہ کرو — ایسے مشرکانہ عقیدوں سے۔ کہ یہ عقائد قرآن، حدیث، اور تمام اولیاء اللہ کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ ذرا آنکھیں کھول کر یہ آیت پڑھو:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ (پ۱۱ ع ۱۰)

"کہہ (اے میرے پیارے رسول) ، نہیں اختیار رکھتا میں

واسطے جان اپنی کے ضرر کا، اور نہ فائدے کا۔ مگر جو
اللہ چاہے۔"

کوئی متصرف الامور نہیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالے نے نبیوں، ولیوں، بزرگوں، کو عالم میں تصرف کرنے کی طاقت نہیں بخشی ہے کہ وہ جو چاہیں کر ڈالیں کسی کو غریب، کسی کو امیر کر دیں۔ کسی بادشاہ کا تاج اتار کر دوسرے کے سر پر رکھ دیں۔ یعنی کسی کو فقیری، کسی کو شاہی عطا کر دیں۔ یا کسی کو بیمار کر دیں۔ کسی کو شفا دے دیں۔ لوگوں کی مرادیں پوری کر دیں۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی کر دیں۔ رزق دیں۔ مال دیں، دولت دیں ــــ آیت مذکورہ میں جناب رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ کہ اے خاصۂ خاصانِ رُسل! لوگوں کو کہہ دیجئے۔ سنا دیجئے۔ اعلان کر دیجئے۔ کہ مجھے اپنی ذات اپنی جان کے ضرر یا فائدے کا اختیار حاصل نہیں ہے ــــ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ ــــ مگر جو اللہ چاہے۔ یعنی جو اللہ چاہے، وہی ہوتا ہے۔ نفع، نقصان، امیری، غریبی، تنگی، فراخی، عسر، یسر، مرض، صحت، غم، خوشی، سب کچھ اللہ کے اختیار اور بس میں ہے۔ میرے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ــ حضرت سید ولد آدم کے بس میں نفع اور ضرر نہیں۔ تو آپ سے اور کون بڑا درجے والا ہے، جس کو یہ اختیارات حاصل ہیں؟؟؟ ــــ رحمتِ عالم کے بارے میں تو یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے:۔

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ج

(پ۱۱ع ۱۶) یہ اور اگر اللہ تجھے (کوئی) ضرر لگا دے۔ پس نہیں کوئی کھولنے (دور کرنے) والا اس کو مگر وہی "

مذکورہ آیت کا مطلب واضح ہے۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی تکلیف، مصیبت، یا ضرر جناب رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچے۔ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ ۔ تو اس مصیبت یا ضرر کو خود حضور انورم بھی اپنی ذات سے دور نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی ماسوا اللہ کاشف یا دافع نہیں۔ بجز ذاتِ لم یزل کے۔ کہ وہی کاشف ہے اپنی بھیجی ہوئی مصیبت کو آپ ہی دور کرے تو دور ہو۔

کوئی کاشفِ سوء نہیں

اب بتائیں کہ مصائب و حوائج، اور مشکلات میں اور کون ہے۔ جو دریا کے طوفان میں، رزق کی تنگی، بیماری، بے اولادی، بے کسی، لاچاری، مصیبتوں، حاجتوں، مشکلوں، اور غموں میں کام آسکتا ہے اور ان ضرروں کو دور کرسکتا ہے؟؟

پس ثابت ہُوا۔ کہ مخلوق میں فوق الاسباب طور پر کوئی متصرف الامور، حاجت روا، مشکل کشا، غیب دان، مصائب و حوائج کا کاشف ہرگز نہیں ہے۔ ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیں کہ آفتاب حقیقت کس قدر تابانی سے ضو ریز ہے:۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝ (پ ۲۲ ع ۱۴)

"داخل کرتا ہے (اللہ تعالیٰ) رات کو بیچ دن کے، اور داخل کرتا دن کو بیچ رات کے۔ اور مسخر کیا ہے اس نے سورج کو اور چاند کو۔ ہر ایک چلتے ہیں وقت مقرر تک۔ یہ ہے اللہ پروردگار تمہارا۔ واسطے اسی کے ہے بادشاہی۔ اور جن کو تم پکارتے ہو سوائے اس کے، نہیں اختیار رکھتے وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کا۔"

کسی کو قطمیر پر بھی اختیار نہیں

یعنی مالک و مختار اور حاجت روا، اور مشکل کشا، صرف وہی احکم الحاکمین اور ملک الملوک ہے۔ جس کے حکم سے گردش لیل و نہار جاری ہے۔ اور جس نے بنی نوع انسان کے فائدوں کے لئے شمس و قمر کو مسخر کر رکھا ہے۔ جو اُس کے حکم سے ایک وقت مقرر تک اپنے فرض کی انجام دہی میں لگے ہوئے ہیں۔ جس اللہ کے حکم اور تصرف سے رات، اور دن، سورج اور چاند کی گردش جاری ہے۔ یہ اللہ ہے۔ رب تمہارا۔ مالک الملک ربّ۔ اپنی ذات اور صفات میں یکتا۔ اپنے اختیار، تصرف اور قدرت میں وحدہٗ لا شریک لہٗ حاجتوں، مشکلوں، مصیبتوں، غموں، لاچاریوں اور بے بسیوں میں اسی کو پکارو۔ اسی سے رو رو کر دعا کرو۔ تمام مخلوق کے اندر کوئی مصائب و حوائج میں نہ تمہاری پکاریں سننے والا ہے۔ نہ حاجت روائی، اور مشکل کشائی کرنے والا ہے۔ پھر نادانی اور جہالت سے جن کو تم اللہ کے سوا مصیبتوں میں پکارتے

ہو۔ سنو! ۔ وہ تو ایک قطمیر کے مالک و مختار بھی نہیں ہیں۔ قطمیر کھجور کی گٹھلی کے باریک چھلکے کو کہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہؤا۔ کہ جن کو تم پکارتے ہو۔ وہ گٹھلی کے چھلکے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

اللہ کے سوا کوئی غوث یا غیاث نہیں

مسلمان بھائیو! یاد رکھو۔ ہم آپ کی خیرخواہی کے لئے آیات اور احادیث کے دلائل سے آپ کو سمجھا رہے ہیں۔ کہ اپنے عقیدے کو نورِ توحید سے روشن کرلو۔ شرکیہ عقیدے، اور شرکیہ اعمال سے، اسلام کی عمارت پیوند ارض ہو جاتی ہے۔ پھر آئندہ فوق الاسباب طور پر غیر اللہ کو پکارنا چھوڑ دیں۔ توبہ کریں۔ اور قرآن کے مطابق عقیدہ بنائیں، کہ کوئی بھی گٹھلی کے چھلکے کا اختیار نہیں رکھتا۔ سب طاقتیں، قدرتیں، اختیار، اور تصرف صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مختص ہیں۔

اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے پاکیزہ خطبے مبارک میں فرمایا کرتے۔ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ۔" اور ہم اسی ذات سے مدد مانگتے ہیں۔" رحمتِ عالم ؐ کے ان ہی الفاظ کی ہم تشریح کر رہے ہیں۔

رحمتِ عالم ؐ اللہ سے فریاد کرتے تھے

یاد رکھیں۔ کہ بزرگانِ دین، اولیاء اللہ وغیرہم کو 'یاغوث' کہہ کر پکارنا۔ ان کو مشکل کشا، اور حاجت روا ماننا۔ انکی قبروں، مزاروں، خانقاہوں پر نذریں نیازیں، چڑھاوے چڑھانا، ان کے نام کے جانور ذبح کرنا۔ ان کے نام کی دیگیں پکانا، مصائب میں ان کو پکارنا، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھنا۔ سختی کے

وقت کسی پیر فقیر کو پکارنا، ڈوبنے کے خوف سے خواجہ خضر کی دہائی دینا۔ فقر و فاقہ میں اہل قبور سے رزق طلب کرنا۔ کسی درخت، قبر، جنّ، بھوت، فرشتہ، کسی زندہ یا مردہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا۔ کہ وہ میرے نفع یا نقصان کا مختار ہے۔ اور ان کے توسل اور تشفع سے میری دنیا کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ یہ لوگ میرے فریاد رس ہیں۔ تو ایسا شخص یقینا مشرک ہے۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے سچ فرمایا ہے۔ ؎

ندارم غیر از تو فریاد رس!
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

"اللہ کی ذات کے سوا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں ہے۔ اللہ ہی گنہگاروں کی خطائیں بخشنے والا ہے۔ اور کوئی نہیں۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ حدیث میں یوں آتے ہیں:۔

يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ

"اے فریادیوں کی فریاد کو پہنچنے والے۔"

نماز استسقاء میں رحمتِ عالمؐ یوں دعا کرتے:۔

اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا ۔ اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا

"اے اللہ ہماری فریاد رسی کر۔ اے اللہ ہماری فریاد رسی کر۔"

یعنی بارانِ رحمت نازل کرکے قحط سالی دور فرما دے۔

ثابت ہوا۔ کہ غوث یا غیاث صرف اللہ تعالےٰ ہی ہے، پھر استمداد

استنصار، استعانت، اور استغاثہ صرف اور صرف اللہ ـــ غیاثُ الْمُستغیثین سے ہی کرنا چاہیئے۔ نہ غیر اللہ سے، اپنے عقیدے قرآن اور حدیث کے مطابق بنا لو۔ کیونکہ شرکیہ عقیدے سے کوئی عمل قبول ہی نہیں ہوتا۔ اور سزا بھی شرک کی بڑی سخت ہے۔

شرک ناقابلِ بخشش گناہ ہے

ارشادِ خداوندی ہے :-

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (پ۲۴ ع ۴)

"اور البتہ تحقیق وحی کی گئی ہے طرف تیری اور ان لوگوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے (کہ) اگر شرک لائے گا تو البتہ کھوئے جائیں گے عمل تیرے اور البتہ ہوگا تو خسارا پانے والوں سے"

معلوم ہوا۔ کہ شرک کرنے سے تمام اعمال مٹ جاتے ہیں۔ بالکل برباد ہو جاتے ہیں۔ اور شرک کی سزا قرآن میں یوں بیان کی گئی ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ - (پ۵ ع ۴)

"تحقیق اللہ ہرگز نہیں بخشتا یہ کہ شریک لایا جائے ساتھ اس کے، اور بخشتا ہے سوائے اس کے (یعنی سوائے شرک کے) واسطے جس کے چاہتا ہے"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے شرک کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کرتا۔ شرک کا گناہ کبھی نہیں بخشتا۔ ہاں شرک کے سوا جو گناہ بھی ہو۔

(زنا۔ شراب خوری۔ وغیرہ وغیرہ) اگر چاہے تو سب معاف کردے گا۔ لیکن شرک کے گناہ کے لئے معافی ہے ہی نہیں۔

جنگ میں فتح و نصرت صرف اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

مسلمان جب کفار سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ تو فتح و نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔

قرآن میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (پ۴ ع۸)

"اگر مدد کرے تمہاری اللہ پس نہیں کوئی غالب آنے والا واسطے تمہارے۔ اور اگر اللہ چھوڑ دے تم کو۔ پس کون ہے وہ جو مدد کرے تمہاری پیچھے اس کے، اور اوپر اللہ کے پس چاہیئے۔ کہ توکل کریں ایمان والے"۔

اس آیت کا مفہوم واضح ہے۔ کہ صرف اللہ ہی کی مدد دشمن کو غالب آنے سے روک سکتی ہے۔ اور مسلمانوں کو فتح وظفر سے ہمکنار کرتی ہے۔ اور اگر اللہ ہی مسلمانوں کو (ان کے کرتوتوں کے باعث) چھوڑ دے۔ یا ذلیل کردے۔ تو خدا کے بعد کون ان کی مدد کرسکتا ہے؟ کوئی نہیں!

جنگِ بدر میں پانچ ہزار فرشتے بشارت لائے

غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ (۳۱۳) مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور دل جمعی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیجے

تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ کہ:۔

وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ
وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ (پ ۹ ع ۱۵)

"اور نہیں کیا تھا اس کو (یعنی فرشتوں کے بھیجنے کو) اللہ نے مگر خوش خبری، اور تاکہ آرام پکڑیں، ساتھ اس کے دل تمہارے۔ اور نہیں مدد مگر اللہ کی طرف سے۔"

یعنی بدر میں جو پانچ ہزار فرشتے اللہ نے بھیجے، یہ کمک محض اہلِ بدر کو خوش خبری دینے، اور ان کی دل جمعی کے لئے تھی — وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ — "اور مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ یعنی فرشتوں کے پاس بھی فتح و نصرت نہیں ہے — فتح و نصرت مِن جانب اللہ ہے۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں صرف اللہ نے فتح دی تھی۔

۶۔ستمبر ۱۹۶۵ء میں جب بھارت نے چوری چھپے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ تو اس وقت پاک آرمی چھنب جوڑیاں محاذ پر کفر سے نبرد آزما تھی۔ اِدھر بالکل فوج نہ تھی، بارڈر خالی تھا۔ بھارتی سورمے پاکستان کا بارڈر عبور کرکے اندرونِ ملک آگئے۔ اور سیالکوٹ ضلع کے پونے چار سو گاؤں پر قبضہ کرلیا۔ اور لاہور میں نہر سے آگے کچھ حصہ پر بھی چھا گئے۔ دوسرے دن پاک فوج آپہنچی۔ اور تائید ایزدی سے بھارتی فوج کو پرے دھکیل دیا۔ اور فضائی، بحری، اور برّی، فوج نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اور اس کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ میلوں تک دشمن کی لاشیں

ہی لاشیں تھیں۔ الحمد للہ! فتح و نصرت نے پاک آرمی کے قدم چومے۔ اور تمام دنیا میں پاکستان کی شجاعت اور بہادری کا سکہ بیٹھ گیا۔ دنیا حیران رہ گئی۔ کہ پاک آرمی نے کیا کر دکھایا ہے۔ امریکہ تک یہ منظر دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔

انبیاء اور اولیاء فتح میں اللہ کے محتاج ہیں۔

پاکستان کی اس عظیم الشان فتح و ظفر اور ہندوستان کی انتہائی ذلت و شکست دیکھ کر بہت سے غالیوں نے اور ان کے مولویوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ پاکستان کی اس فتح کا سبب یہ ہے، کہ محاذ جنگ پر مدد کے لئے بزرگانِ دین، اور اولیاء اللہ آئے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسین رضؓ۔ اور حضرت علی رضؓ، اور دوسرے کئی شہداء بھی تشریف فرما تھے۔ ان کی مدد سے فتح ہوئی ہے۔

اولیاء اللہ، اور بزرگانِ دین کی بزرگی اپنی جگہ بجا اور درست ہے۔ وہ تو اپنی زندگی میں اپنا مشن پورا کرکے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فرض انجام دے کر اللہ کے پاس چلے گئے۔ نہ انہوں نے کہا تھا۔ اور نہ یہ تعلیم قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ کہ اولیاء اللہ بعد وفات مسلمانوں کی مدد و امداد کرتے ہیں۔ یا جنگوں میں پہنچ کر ان کو مدد دیتے ہیں۔ اور عملاً بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ سوائے اللہ کے کوئی مدد کو نہیں آتا۔ غور کریں۔ کہ جنگِ اُحد میں خود جناب رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم موجود تھے حضورؐ جیسا متبرک وجود، اور با برکت جان، نہ خدا نے پیدا کی، نہ پیدا

کرے گا۔ جنگ اُحد میں اِن ہی جناب سیّد الکونین ؐ کی موجودگی میں ستّر صحابہ رضؓ شہید ہو گئے۔ جناب سید الثقلین ؐ کا دانت مبارک شہید ہو گیا۔ سر مبارک میں اتنا گہرا زخم آیا۔ کہ بہت سا خون بہ گیا۔ باقی صحابہ رضؓ بھی زخمی ہو گئے۔ غرض بہت بڑی شکست ہوئی۔

پھر حضور انور ؐ کی وفات کے بعد صحابہ رضؓ پر بڑے مصائب آئے۔ ان مصائب میں بھی جناب سید الکونین ؐ مدد کے لیے نہ آئے۔

حضرت علی رضؓ کے دورِ خلافت میں بڑا فتنہ رونما ہوا۔ اور خانہ جنگی تک نوبت آئی۔ اور مسلمانوں کا دونوں طرف بڑا جانی نقصان ہوا۔ حضرت علی رضؓ کا وجود باوجود ان مصائب و مشکلات میں کام نہ آیا۔

میدانِ کربلا میں حضرت علی رضؓ کا سارا کنبہ قبیلہ ہی تو تھا۔ سب جانتے ہیں۔ کہ اُن مقربانِ بارگاہِ ذوالجلال پر کیا گزری۔ حضرت امام حسین رضؓ بہ نفسِ نفیس وہاں موجود تھے۔ پانی کے ایک گھونٹ کو چھوٹے چھوٹے بچے ترستے رہے — اور بڑی کس مپرسی، اور بے بسی میں اُن اللہ والوں نے اپنی جانیں جانِ آفریں کے سپرد کیں۔ اس سے بڑا المیہ جس سے حضرات اہلِ بیت دوچار ہوئے۔ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیا حضرت امام حسین رضؓ اور ان کے باقی پیارے اعزہ اِن کربلائی مصائب و مظالم کو ٹال سکے؟ نہیں! کیا حضرت علی رضؓ معونت فرماتے اہلِ کربلا ہوئے؟ نہیں! پھر کس طرح ہو

سکتا ہے۔ کہ آج پاک بھارت جنگ میں سیالکوٹ، اور لاہور کے محاذوں پر حضرت علیؓ، امام حسین رضؓ، اور آئمہ اہل بیت مدد دینے کو آئے ہوں ؟؟

مسلمانو! اللہ کی توحید کے قصر رفیع میں رخنہ نہ ڈالو۔ کام کرے تنِ تنہا اللہ واحد القہار ـــ اور منسوب کرو تم فرضی سبز چوغوں والوں کی طرف۔ بھائیو! ـــ اس شرکیہ عقیدے سے توبہ کرو۔ اللہ تعالےٰ شرک سے سخت ناراض اور غضبناک ہو جاتا ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں کسی کا یہ عقیدہ نہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنگوں میں مدد کو آتے تھے۔ حالانکہ مدنی زندگی میں رسولِ رحمت دس سال تک کفار سے نبرد آزما ہی رہے۔

تاجدارِ والیٔ بطحاءؐ کی وفات کے بعد صحابہ رضؓ نے بہت سی جنگوں میں دادِ شجاعت دی۔ کسی صحابی رضؓ نے کسی جنگ میں یہ نہ کہا۔ کہ حضورؐ مدد کو آئے تھے۔ اور نہ کسی صحابی رضؓ نے میدانِ جنگ میں حضورؐ کو پکارا۔ نہ آپؐ کے نام کا نعرہ لگایا۔ صحابہؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعین کے نیک زمانوں میں کسی کا یہ عقیدہ نہ تھا۔ کہ نبی، ولی، بزرگ، مصائب و حوائج میں کام آتے ہیں۔ یا محاذِ جنگ پر آ کر فتح دلاتے ہیں۔ مذاہب اربعہ میں حنفی، شافعی مالکی، حنبلی ـــ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں۔ کہ انبیاء۔ اولیاء مشکلوں پر مدد کرتے، اور جنگوں میں محاذوں پر مدد کے لئے

آتے ہیں۔

سبز چوغوں والے پھر تمہارا یہ برسوں تک پروپیگنڈا کرنا۔ کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ چوغوں والے اولیاء اللہ میدانِ جنگ میں مدد کے لئے آتے ہوتے تھے۔ اور ان ہی کی مدد سے فتح ہوئی ہے۔ افسوس! آپ نے کچھ بھی اللہ کا شکر نہ کیا۔ اس کے حضور سجدہ ریز نہ ہوئے۔ اس کی دستگیری اور مدد فرمائی کے لئے زبان سے حمد کا کوئی نغمہ نہ نکلا۔ ہاں زور مارا تو اسی بات پر ـــ کہ محاذوں پر سبز چوغوں والے آتے ہوتے تھے!! ـــ افسوس!

؎ نہ تخمِ لا الٰہ تیری زمینِ شور سے پھوٹا
زمانہ بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی

پیر مرادیہ کی کرامت سیالکوٹ شہر میں ایک قلعہ ہے۔ اور اس قلعہ کے نیچے بڑا پُر رونق بازار ہے اس بازار میں ۹۔ستمبر ۱۹۶۵ء کو رات کے پونے دو بجے دس ہزار پونڈ کا وزنی بم بھارتی بمبار طیارے نے پھینکا۔ یہ سارا بازار، دو رویہ عمارتوں، اور بہت سی جانوں کے ساتھ ملبہ کا ڈھیر بن گیا۔ اور ساتھ ہی ایک مسجد بھی شہید ہو گئی۔ قلعہ پر ایک قبر ہے، جسے پیر مرادیہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ بم گرنے کے بعد فرقہ غالبہ کے لوگ کہنے لگے۔ کہ بھارتی طیارہ نے قلعہ پر بم پھینکا تھا۔ لیکن پیر مرادیہ نے قلعہ کو بچانے کی خاطر بم کو پکڑ کر بازار میں پھینک دیا۔ یہ کرامت ہے پیر مرادیہ کی۔

آلودہ آلائش ذہنیتیں شرک کی صناعی کو جھوٹے نگوں کی

ریزہ کاری سے مزیّن کرتی رہتی ہیں۔ ایسے لوگ اس حقیقت کو دانستہ چھپاتے ہیں۔ اور یہ نہیں سوچتے۔ کہ پیر مرادیہ نے قلعہ کو بچانے کے لئے جو بم بازار میں پھینکا۔ اس سے بازار برباد۔ کئی لوگ شہید۔ اور لاکھوں روپیہ کا نقصان ہونے کے علاوہ ایک مسجد بھی شہید ہوگئی۔ لیکن اسی بازار میں ایک شراب کی۔ اور ایک افیون کے ٹھیکے کی دکان بھی ہے۔ ان دونوں دکانوں کو ذرا آنچ نہ آئی۔ صحیح سلامت رہیں۔ یہ بم اگر قلعہ پر ہی پڑ جاتا۔ تو صرف دو تین سرکاری عمارتوں کو ہی نقصان پہنچتا۔ یہ کیسی کرامت ہے۔ کہ بزرگ نے بم کو پکڑ کر بازار میں مسجد پر دے مارا۔ اور شراب اور افیون کی دکانوں کو محفوظ رکھا۔ پیر مرادیہ نے یہ کیوں نہ کیا۔ کہ بم کو پکڑ کر جموں پر پھینک دیتا۔ افسوس! مسلمانوں نے توحید کے چشمۂ صافی سے زلالِ زندگی نہیں پیا۔ وہ شرک کی دُردِ تہ جام کے رسیا ہی رہے۔ اقبال مرحوم ٹھیک فرما گئے۔ ؎

سمجھ میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے !!
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے

تصرّفِ اولیاء اور مسئلہ کشمیر

جن لوگوں کا وحی جلی کے خلاف یہ عقیدہ ہے۔ کہ اولیاء اللہ وغیرہم جنگوں میں آکر مدد دیتے ہیں۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں۔ کہ بقول ان کے اگر بزرگوں کو امور اور دہور میں تصرف حاصل ہے۔ اور وہ لوگوں کی مدد پر مختار ہیں۔ تو کشمیر کا مسئلہ پاکستان کی موت اور زندگی کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اور مقبوضہ کشمیر کے لوگوں پر بھارت نے ظلم کی قیامت

ڈھا رکھی ہے۔ پچیس برس سے کشمیر ظلم کی چکی میں پس رہا ہے، یہ اولیاء اللہ مدد کر کے یا تصرف کے بل بوتے پر کیوں نہیں کشمیر کی گتھی سلجھا دیتے۔ بھارت کے جور و استبداد سے مظلومین کشمیر کو کیوں نجات نہیں دلا دیتے۔؟ یہ کتنی ستم ظریفی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی مہم، یا کوئی جنگ ہمت مرداں مدد خدا کے اصول کے مطابق فتح کرا دیتا ہے۔ تو پھر یہ کارنامہ آپ لوگ اولیاء اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اب بھی اگر اللہ تعالیٰ کشمیر کی فتح بحق پاکستان چاہے۔ اور اس فتح کے اسباب پیدا کر کے پاک آرمی سے یہ کام سرانجام کرا دے۔ تو پھر آپ لوگ پکار اٹھیں گے۔ کہ سفید کپڑوں والے، یا سبز چوغوں والے آئے ہوئے تھے انہوں نے کشمیر فتح کرا دی ہے۔

افسوس! لہو بہائے، پاک آرمی! فتح بخشے اللہ! — اور آپ سہرا باندھیں (بلا دلیل قرآن و حدیث) سبز چوغوں والوں کے سر! — کہ محاذ پر بزرگ آئے ہوئے تھے۔ ان کے دم قدم سے فتح ہوئی ہے! — آہ مسلمان! ؎

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں، کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے (اقبالؒ)

اولیاء اللہ اور سقوط مشرقی پاکستان

اگر اولیاء اللہ متصرف الامور ہیں۔ تو بتائیے۔ کہ مشرقی

پاکستان ان سب بزرگوں اور ولیوں نے مغربی پاکستان سے کاٹ کر کیوں بھارت کے حوالے کر دیا ہے۔ اور ترانوے ہزار پاکستانی فوج کیوں کافروں کی قید میں ڈال دی ہے؟ اگر انہوں نے یہ کچھ نہیں کیا۔ تو کیوں نہ سفید چوغوں والے قہر خداوندی بن کر بھارتی کافروں پر ٹوٹ پڑے۔ اور کفار کو شکست دے کر پاکستان کی عزت قائم کی۔ سقوطِ مشرقی پاکستان سے مسلمان دنیا بھر میں ایسے ذلیل ہوئے ہیں۔ کہ ان کی نسلوں تک ذلت باقی رہے گی۔ بتائیے؟ مشرقی پاکستان کے محاذوں پر سبز چوغوں والے کیوں نہ آئے — مغربی پاکستان میں ہم لوگ جو چل پھر رہے ہیں۔ ہم زندہ انسان نہیں ہیں۔ آہ! — لاشے ہیں لاشے — بے آن لاشے۔ اگر ایسے وقت ہرے چوغوں والوں نے مدد نہیں کرنی۔ تو اور کس وقت کرنی ہے؟

مسلمانو! — باز آؤ اِن غیر اسلامی عقیدوں سے۔ چھوڑ دو یہ توحید ناآشنا خیالات — کہ غیر اللہ سے استمدادیں اور استغاثے پھل لاتے ہیں۔ ؎

اگر آلودۂ احرامِ غیری
ہمہ گر کعبہ باشی ننگِ دیری

تصرّف اولیاء اللہ اور بیت المقدس

اسرائیل نے بارہ کروڑ عربوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے — وہ بیت المقدس پر قبضہ کر چکا ہے۔ اور کئی عرب علاقے ہتھیا چکا ہے اور آئے دن عربوں پر آگ برساتا رہتا ہے۔ بیت المقدس ہاتھ سے نکل جانے سے تمام عربوں، اور عربوں کے ساتھ روئے زمین کے مسلمانوں

کی ناک کٹ گئی ہے۔ ذلت اور رسوائی سب پر سیاہ رات کی مانند چھا گئی ہے۔ چالیس لاکھ اسرائیل نے بارہ کروڑ عربوں کو زور و جور کے شکنجہ میں کسا ہوا ہے۔ کسی کا بس نہیں چل رہا۔ کہ کیا کریں۔ اور کس طرح کم از کم ــ بیت المقدس ہی اس سے آزاد کرائیں ــ تقریبًا سارا عالم اسلام اس وقت سخت ذلت و ادبار سے دو چار ہے۔

آپ جانتے ہیں۔ کہ جتنے پیغمبر ہوئے ہیں۔ وہ سب عرب ہی ہیں۔ صحابہ رضؓ اور سب بڑے بڑے اولیاء اللہ اُدھر ہی ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ ائمہ اربعہؒ۔ حضرت علی رضؓ۔ حضرت امام حسن رضؓ، حضرت امام حسین رضؓ۔ امام زین العابدینؒ ــ یعنی کل پیغمبر، پیر، شہید، ولی، قطب، اوتاد، ابدال، سب عرب ہی ہیں۔

اب جب کہ اسرائیل نے عربوں اور سب مسلمانوں کی عزت و ناموس کو تاخت و تاراج کر ڈالا ہے۔ سب مسلمان رو سیاہ، ذلیل، مغلوب و مجبور ہو گئے ہیں۔ تو متذکرۃ الصدر تمام انبیاء و اولیاء سب مل کر کیوں مدد نہیں کرتے عربوں کی؟ کیوں کام نہیں بنا دیتے دنیا بھر کے مسلمانوں کا؟ ــ اگر بقول آپ کے انبیاء و اولیاء متصرف الامور ہیں ــ تو کیوں تصرف نہیں کرتے۔ اور عربوں اور تمام مسلمانوں کی بگڑی نہیں بنا دیتے۔ ؎

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے (غالبؒ)

در اصل ہم نے اللہ کا در چھوڑ کر غیر اللہ کے در در کی ٹھوکریں کھانی شروع کر رکھی ہیں۔ اور ان ٹھوکروں سے قومی سطح پر ہم ذلیل وخوار ہو گئے ہیں۔ نہ ہماری دنیا ہی بنی۔ نہ دین رہا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمائی ہے:۔

اور اگر مددلہ کرے تمہاری اللہ۔ پس نہیں ہے کوئی غالب آنے والا تم پر۔ اور اگر اللہ تم کو ذلیل کر دے، تو اور کون ہے جو مدد کرے گا تمہاری بعد اس کے — اور ایمان والوں کو (صرف) اللہ پر بھروسا کرنا چاہیئے۔

(پ ۴ ع ۸)

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ ہم پر ناراض ہو گیا ہے کہ ہم نے بے شمار اِلٰہ بنا لئے ہیں۔ لاکھوں معبودوں کے آگے سجدہ ریزی کر رہے ہیں اللہ کے احکام سے یکسر غافل ہو گئے اور حدود اللہ سے تجاوز کر کے نفسانی خواہشات کی راہ پر چل رہے ہیں۔ قبر پرستی عام ہو گئی ہے۔ ملک میں ہزاروں مزاروں پر عرس کے میلے لگ رہے ہیں، اور لوگ ان قبروں پر حاضری دے کر اہل قبور سے استمداد، استنصار، استشفاع اور استغاثے کر رہے ہیں۔ بزرگوں کی قبروں کو چومتے چاٹتے، اور اہل قبور سے مرادیں مانگتے، اور مشکل کشائیاں چاہتے ہیں۔ قبروں پر سجدے کرتے، روتے، گڑگڑاتے، اور آہ و زاری کرتے ہیں۔ قبروں کو دھو

لہ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے کہ محاذ جنگ پر اولیا راللہ اور شہداء، سبز چوغوں والے مدد کو آتے ہیں۔ البتہ فرشتے آسکتے ہیں۔ کیونکہ غزوہ بدر میں پانچ ہزار فرشتے آئے تھے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں فرشتے ضرور ضرور آئے ہونگے۔ بلکہ میرا ایمان ہے۔ کہ یقیناً آئے تھے!۔

دھو کر پیتے پلاتے ہیں، اور قبروں پر نذریں نیازیں چڑھاتے ہیں۔ بکرے، چھترے، دُنبے، کپڑے، دُودھ، انڈے، پلاؤ کی دیگیں وغیرہ نذر لاتے ہیں۔ یہ وہ کام ہیں۔ جن سے اللہ تعالےٰ سخت ناراض اور غضبناک ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر آج تک ان کاموں میں کوئی کام نہیں ہوا۔ نہ صحابہ رضؓ نے آپؐ کے مزار اطہر پر کبھی نذر نیاز چڑھائی۔ اور نہ کبھی سجدہ و قیام کیا۔ اور نہ حاجت روائی کے لئے پکارا۔ آج بھی مزارِ رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم جوں کا توں عبادت کے کاموں سے پاک اور مبرا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک ان کاموں سے محفوظ و مامون رہے گا۔ ہماری قبر پرستی ہم کو لے ڈوبی ہے۔ اس لئے اللہ نے ہم کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اللہ کے چھوڑ دینے کے بعد ہم ذلیل ہو گئے ہیں۔

شرک کے اس کاروبار، اور شرکیہ عقیدوں کے علاوہ ملک کے اندر بے حیائی، فحاشی، عیاشی، زنا کاری، شراب خوری، مار دھاڑ۔ قتل، غارت، ڈکیتی اور چوری، اغوا ـــ عام ہے۔ لین دین میں دھوکہ فریب، اور جھوٹ زوروں پر ہے۔ کسی کو کسی کی خیرخواہی اور ہمدردی نہیں رہی ـــ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ پھر اس بغاوت و عصیان کی سرزمین میں اللہ کی مدد کیسے آتے۔ اور کس طرح ہم سرخرو ہوں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لوگو! اللہ تعالےٰ سے شرم و حیا کرو۔ جیسے شرم و حیا کا حق ہے۔ (سنو) اللہ سے شرم و حیا کرنے والا وہ ہے جس کی آنکھوں کے سامنے ہر آن موت ہے۔ اور پیٹ اور

اس کے آس پاس کی حفاظت کرتا ہے۔ (یعنی حرام کے لقمے
اور حرام شرمگاہ سے بچتا ہے)۔ اور سر اور اس کے
ارد گرد کی نگہبانی کرتا ہے۔ (یعنی سر سوائے اللہ تعالیٰ
کے کسی کے آگے نہیں جھکاتا۔ اور آنکھوں، کانوں، اور
زبان کو بے لگام نہیں ہونے دیتا۔ موت کو اور قبر میں
جاکر مٹی ہونے کو یاد رکھتا۔ اور زینتِ دنیا کو ترک
کرتا ہے۔ (رواہ الطبرانی)

ہر گناہ کے ارتکاب پر اللہ سے شرم و حیا کر کے باز رہیں،
اور سب گناہوں سے بڑا گناہ استعانت شرکیہ ہے۔ غیر عادی
امور میں، فوق الاسباب طور پر کسی غیر اللہ سے طالبِ عون
نہ ہوں۔ پھر یہ فرمانِ مصطفویؐ عین حق ہے۔

وَ نَسْتَعِيْنُهٗ۔

"اور ہم صرف اللہ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

استغفار کا نور

وَنَسْتَغْفِرُہٗ

"اور ہم اسی سے بخشش چاہتے ہیں"

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے!
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

استغفار کے معنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہنی۔ اور کبھی توبہ کے ضمن میں آتی ہے۔ واضح ہو۔ کہ استغفار زبان سے ہوتی ہے اور توبہ دل سے کی جاتی ہے۔ توبہ کے معنے ہیں۔ رجوع کرنا۔ گناہوں سے طاعت کی طرف۔ اور غفلت سے ذکر کی جانب۔

اللہ سے بخشش مانگیں

استغفار غفر سے ہے۔ غفر کے معنے ہیں، ڈھانپنا۔ اللہ تعالےٰ کی بخشش بندۂ عاصی کے لئے یہ ہے۔ کہ ڈھانپے گناہ بندے کے دنیا میں اس طرح۔ کہ نہ اطلاع ہونے دے کسی کو اس پر، اور ڈھانپے گناہ آخرت میں بھی اس طرح۔ کہ نہ عذاب کرے اس کو گناہ پر۔

چونکہ ہر بندہ بھول چوک، اور گناہ سے خالی نہیں۔ اور نہ معصوم عن الخطا ہو سکتا ہے۔ اس لئے لازم ہے۔ کہ ضرور بالضرور استغفار اور توبہ کرتا رہے۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

وَ تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (پ ۱۸ ع ۱۰)

"اور توبہ کرو طرف اللہ کی سب، اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

اس آیت میں بھی حکم دیا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ؕ

"اے لوگوں جو ایمان لائے ہو توبہ کرو۔ طرف اللہ کی توبہ خالص۔" (پ ۲۸ ع ۲۰)

پھر ہر شخص کو لازم ہے۔ کہ وہ تمام گزشتہ گناہوں سے توبہ کرے۔ کبیرہ سے بھی اور صغیرہ سے بھی۔ گناہ قصدًا ہوئے ہوں یا سہوًا۔ نئے ہوں یا پرانے۔ یاد ہوں یا بھول چکے ہوں، ظاہر کئے ہوں یا پوشیدہ۔ غرض ہر قسم کے گناہوں سے خلوص دل سے توبہ کرے۔

توبہ کرنے کی صورت

اور صورت توبہ کی یہ ہے۔ کہ عذاب الٰہی کے خوف، اور اس کے حکم تُوْبُوْٓا کی تعظیم اور تعمیل کے باعث توبہ کرے۔ اور صبح و شام استغفار میں لگا رہے۔ توبہ کرتے وقت گذشتہ گناہوں سے از حد شرمسار، اور شرمندہ ہو۔ اور اس بات کا پختہ ارادہ کرے۔ کہ وہ آئندہ ہرگز کوئی گناہ نہ کرے گا۔ نہ گناہ ظاہر کا، نہ باطن کا۔ اور آغاز بلوغ سے

لے کر توبہ کے وقت تک تمام گناہوں پر نظر کرے۔ کہ کیسے کیسے گناہ ہوئے ہیں۔ اور پھر ان گناہوں کا تدارک کرے۔ اور توبہ کے بعد نیک عمل کثرت سے کرے۔ اور صدقہ و خیرات بھی کرتا رہے۔ کیونکہ صدقہ بھی اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور دوزخ کی آگ بجھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ فرماتا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ (پ۲۵ ع۴)

"اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور معاف کرتا ہے برائیوں سے۔ اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"

اور جو بندوں کی حق تلفی کے گناہ ہوئے ہوں۔ حتی الوسع ان سے معاف کرائے۔ اور اللہ سے بھی بخشش مانگے۔ کیونکہ حقوق العباد کے اتلاف سے اللہ کی بھی نافرمانی ہوتی ہے۔ اگر کسی کا قرض دینا ہے۔ یا کوئی مالی حق تلفی ہوئی ہو۔ تو یا تو مال دے کر صفائی کرے یا اس سے معاف کرائے۔

اور اگر زبان، یا ہاتھ سے کسی کو ایذا پہنچائی ہوئی ہو۔ تو بھی اس سے معاف کرائے۔ اور اگر ایسا شخص فوت ہو چکا ہو۔ تو اس کے لئے دعائے بخشش کرے۔ اور للہ کچھ صدقہ بھی دے۔ اور کثرت سے اللہ سے توبہ و استغفار کرتا رہے۔ تاکہ اللہ اس کو اپنے پاس سے اجر و ثواب دے کر راضی کر دے۔

اور ہر شخص کو چاہیئے۔ کہ توبہ و استغفار میں جلدی کرے، ایسا

نہ ہو۔ کہ موت آجائے۔ اور بلا توبہ ہی مر جائے۔

اور اگر توبہ کرنے کے بعد بہ تقاضائے بشریت پھر گناہ ہو جائے تو پھر جلد ہی توبہ کرے۔ اگرچہ دن میں چند مرتبہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ توبہ کرنے کے وقت اس کے دل میں یہ نہ ہو۔ کہ پھر گناہ کروں گا۔ اور پھر توبہ کر لوں گا۔ توبہ کا نسخہ تو ہاتھ آ گیا ہے۔ بلکہ توبہ کے وقت خلوص سے یہی نیت ہو۔ کہ انشاءاللہ آئندہ ہرگز ہرگز گناہ نہ کروں گا۔ پھر بھی اگر سہوًا گناہ ہوتے رہیں۔ تو توبہ کرتا رہے۔ کہ اللہ کی درگاہ وہ درگاہ ہے۔ جہاں ناامیدی نہیں ہے۔

؎
باز آ باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

"اگر تو کافر ہے۔ آتش پرست ہے۔ بت پرست ہے، خواہ تو کیسا ہی گنہگار ہے۔ ہماری طرف لوٹ آ۔ ہماری بارگاہ وہ بارگاہ ہے۔ جہاں ناامیدی نہیں ہے۔ اگر تو نے سو بار بھی توبہ توڑی ہے۔ پھر بھی لوٹ آ۔ لوٹ آ۔ توبہ کرلے"

یاد رکھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفار ہے۔ اگر زمین و آسمان بھر گناہ ہوں۔ اور بندہ صدق دل سے اس سے مغفرت مانگے۔ تو اللہ بخش دیتا ہے۔ اور سب گناہ خزاں کے پتوں کی مانند جھاڑ دیتا ہے۔ اور اللہ کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں۔ کہ بندہ کے گناہ بخشے۔

بار بار توبہ کرتے رہیں

صحیح حدیث میں ہے۔ کہ جب بندۂ مومن نے گناہ کیا۔ اور نادم ہو کر اپنے رب عزوجل کی طرف رجوع کیا۔ کہ اے میرے رب، میں نے یہ گناہ کمایا ہے۔ تو مجھے اپنے کرم سے بخش دے۔ تو رب عزوجل فرماتا ہے۔ کہ اے فرشتو دیکھو۔ یہ میرا بندہ ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ میرا ربّ ہے وہ گناہ پر مواخذہ فرماتا ہے۔ اور گناہ بخشتا ہے۔ تم گواہ رہو۔ کہ میں نے اس کا گناہ بخش دیا۔ پھر بندۂ جب تک اللہ کو منظور تھا۔ سالم رہا۔ پھر اس نے گناہ کیا اور نادم ہو کر اسی طرح بخشش مانگی۔ تو اللہ فرماتا ہے۔ کہ میرے بندے نے جانا۔ کہ میرا ربّ ہے۔ کہ گناہ پر مواخذہ کرتا ہے۔ اور گناہ بخشتا ہے۔ میں نے اس کا گناہ بخش دیا پھر وہ بندہ جب تک اللہ کو منظور تھا سالم رہا۔ پھر اس نے گناہ کیا۔ اور نادم ہو کر اللہ کی طرف التجا لایا۔ کہ اے ربّ مجھ سے گناہ ہوا۔ مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میرے بندے نے جانا۔ کہ میرا رب ہے۔ جو گناہ پر مواخذہ کرتا ہے۔ اور بخشتا ہے۔ (یعنی سرکش کو گناہ کی سزا میں پکڑتا ہے۔ اور توبہ و استغفار کرنے والے کو بخشتا ہے) — اے فرشتو! تم گواہ رہو۔ کہ میں نے اس بندے کو بخش دیا۔ وہ کرے جو چاہے۔ (بخاری مسلم)

یعنی توبہ کے وقت خلوص نیت اور صدق دل سے اگر استغفار کرتا ہے۔ تو ضرور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر بار بار اس سے گناہ ہوتے رہیں۔ اور بار بار وہ خلوص سے بخشش مانگتا رہے۔ تو ہمیشہ اس کے ساتھ عفو کا سلوک ہی ہوتا رہے گا۔

یہ توبہ ہے۔ اللہ غفور و رحیم کی کریمی۔ لیکن بندے کو اپنی طرف سے ضرور شرم و حیا کرنی چاہیئے۔ اور حتی المقدور توبہ پر ثابت قدم رہنا چاہیئے۔

عمر خیام کی توبہ

اللہ پر قربان جائیں۔ کہ اس کے بخشنے اور توبہ قبول کرنے کا یہ حال ہے۔ کہ مشہور شاعر عمر خیام ایک روز شراب کی صراحی اور پیالہ لئے، ایک پُر فضا پہاڑ پر چلا گیا۔ وہاں جا کر صراحی اور جام رکھا۔ اتنے میں تیز ہوا چلی۔ صراحی پتھر سے ٹکرائی۔ ٹوٹ گئی۔ اور شرابِ ناب بہ گئی۔ عمر خیام نے یہ دیکھ کر کہا:- ؎

ابریقِ مے نابِ من شکستی ربّی
برمن درِ عیش را بہ بستی ربّی
بر نجیتی در خاک مے ناب مرا
خاکم بدہن مگر تو مستی ربّی

"اے میرے رب! تو نے میری سرخ شراب کی صراحی توڑ دی۔ اور مجھ پر عیش کا دروازہ بند کر دیا۔ تو نے میری مے ناب مٹی میں گرا دی۔ خاکم بدہن! شاید تو مست ہے اے میرے ربّ!"

اس گستاخی سے ربِ عرشِ عظیم کو غیرت آئی۔ فوراً عمر خیام کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ وہ گھر آیا۔ دیکھا، تو چہرہ متغیر پایا۔ سمجھ گیا۔ کہ یہ ربِ متعال کی جناب میں گستاخی کرنے کا نتیجہ ہے۔ اپنی روسیاہی پر سخت شرمندہ اور خجل ہوا۔ اس کے جسم و جان پر خوفِ خدا سے

لرزہ طاری ہو گیا۔ پھر اس نے بڑی عاجزی سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یوں عرض کی۔ ؎

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو
آنکس کہ گناہ نہ کرد چوں زیست بگو
من بد کردم و تو بد مکافات دہی
پس فرق میان من و تو چیست بگو

"اے اللہ مجھے یہ تو بتا! کہ جہان میں بے گناہ کون ہے؟ اور جس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس نے زندگی کیسے گزاری؟ میں نے برائی کی۔ (یعنی تیری شان میں گستاخی کی)، تو، تو نے بھی مجھے بُرا بدلہ دیا۔ (کہ میرا چہرہ سیاہ کر دیا)۔ پھر بتا کہ میرے اور تیرے درمیان کیا فرق ہوا؟"

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں آگیا۔ موجوں نے عمر خیام کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اسی وقت عمر خیام کا چہرہ نورانی ہو گیا۔ اور توبہ کی توفیق ایسی نصیب ہوئی۔ کہ وہ اللہ کے در کا ہی ہو کر رہ گیا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

رو بدرگاہش کے آوردی کہ گشتی ناامید
گر گدا کاہل بود تقصیرِ صاحبِ خانہ چیست

"کب تو نے اللہ کی بارگاہ میں توجہ کی ہے۔ کہ اس نے تجھ کو نا امید چھوڑا ہے۔ اگر مانگنے والا ہی سستی کرتا

ہے۔ تو صاحبِ خانہ کا کیا قصور ہے ؟"

توبہ کرنے کے بعد اور جب توبہ کرنا چاہیں۔ تو نہا کر پاک کپڑے پہن کر دو رکعت بہ نیت توبہ و استغفار بڑے خضوع و خشوع سے پڑھیں۔ پھر سجدہ میں جا کر بڑی عاجزی اور گڑگڑاہٹ سے روئیں۔ اور نفس کو ملامت کریں۔ ماضی میں کئے ہوئے گناہوں کو یاد کرکے عذابِ الٰہی سے ڈریں۔ نادم اور شرمندہ ہو کر توبہ و استغفار کریں۔ پھر ہاتھ اٹھا کر حضورِ قلب سے دعا مانگیں۔ رو کر عرض کریں۔ اے اللہ! میرے پیارے مولا! تیرا عاصی بندہ۔ بھاگا ہُوا غلام۔ تیرے دروازے پر حاضر ہو گیا ہے، اور حضورِ قلب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ اپنے فضل اور کرم سے میرا عذر قبول کر۔ اور رحمت کی نظر سے میری طرف دیکھ! اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے۔ اور تا دمِ آخر مجھے گناہوں سے بچا۔ کیونکہ خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اور تو ہی بخشنے والا ہے۔ — پھر درود شریف پڑھیں۔ اور عامۃ المسلمین کے لئے بھی دعائے بخشش کریں۔ پھر تازیست نماز نہ چھوڑیں۔ روزہ کبھی ترک نہ کریں۔ صاحبِ نصاب ہوں۔ تو زکوٰۃ میں کبھی کوتاہی نہ کریں۔ اور حج بھی کریں۔ اکل حلال اور صدق مقال کے پابند رہیں۔ ہاتھوں، پاؤں، زبان، کان، اور آنکھوں پر خوفِ خدا کا کڑا پہرہ رکھیں۔ رزقِ حلال سے اپنا اور اہل و عیال کا پیٹ پالیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند رہیں۔ بندگانِ خدا کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں۔ حقوق العباد کو پورا کرتے رہیں، کبیرہ گناہوں کے

تصور سے کانپیں۔ اور صغیروں سے حتی الوسع دامن بچائیں۔

استغفار کیوں ضروری ہے

اللہ تعالیٰ سے ہر وقت بخشش مانگنی اس لئے ضروری ہے۔ کہ انسان گنہگار ہے۔ اور کسی صورت بھی خطا سے معصوم نہیں۔ اس سے کچھ نہ کچھ خطا سرزد ہوتی ہی رہتی ہے۔ بھول چوک سے یہ مرکّب ہے۔ یا بھول چوک کا مَرکَب (سواری) ہے۔ اگر بہ توفیق الٰہی انسان کبیرہ گناہوں سے بچتا رہتا ہے۔ تو صغیرہ گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔ اچھا اگر کوئی فرشتہ خصلت آدمی صغائر سے بھی مجتنب رہتا ہے۔ تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور اس کی نعمتوں کے شکر سے کما ینبغی عہدہ برا ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ تو پھر ضرور قصور وار ٹھہرا۔ جب قصور وار ٹھہرا۔ تو استغفار کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا ضروری ہو گیا۔

کوئی لغزش وخطا سے پاک نہیں

قارئین کرام غور کریں۔ کہ کیا صبح سے لے کر شام تک ان کے ہاتھ اور پاؤں بالکل سو فی صد اللہ کے حکم کے مطابق حرکت کرتے ہیں؟ نہیں! زبان شب و روز عین اسلام کے مطابق بولتی ہے؟ نہیں! کان ہمیشہ قرآنی معیار کی باتیں ہی سنتے ہیں؟ نہیں! کیا شب و روز، زندگی کے دینی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، معیشی، معاشرتی، اور اقتصادی پہلو بالکل قرآن ہی سے کسبِ نور کرتے ہیں؟ آہ ــ ہرگز نہیں! آپ سب جتنی جتنی عمر کے ہو گئے ہیں۔ بدوِ شعور سے لے کر اس وقت تک مرورِ زندگی ہمیشہ اطاعت

کیش ربِّ لایزال رہا ہے؟ نہیں! تو پھر آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کون کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ ہر قسم کی لغزش و خطا اور سہو و عصیان سے پاک ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں فرما دی ہے:۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ۔ (پ۲۷ ع ۶)

"پس مت پاک کہو تم اپنی جانوں کو۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ اے بنی آدم! تم اپنے آپ کو پاک نہ کہو۔ مطلب یہ کہ تم گناہوں، خطاؤں، لغزشوں اور بھول چوک سے مبرّا نہیں ہو۔ اسی مضمون کی حدیث ذیل بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو بنی آدم ہے خطا کار ہے۔ (سوائے انبیاء علیہم السلام کے، کہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں)۔ اور بہترین خطا کرنے والوں کے توبہ کرنے والے ہیں۔"

متذکرۃ الصدر آیت اور حدیث سے ثابت، اور اولاد آدم کے تجربے اور اقرار سے واضح ہوا۔ کہ سب انسان خطا کار اور گنہگار ہیں۔ (اِلَّا الْاَنْبِيَاء) جب سب گنہگار، اور خطا کار ہوئے۔ تو ہر فرد بشر

کے لئے توبہ اور استغفار لازم اور ضروری ہُوا۔ اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہی خطائیں بہتر ہیں۔ جو توبہ کے دروازے پر جھکے رہتے ہیں۔ اور استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔

استغفار اور توبہ کی برکتیں

حضرت نوح علیہ السلام نے تبلیغ کے دوران اپنی قوم کو استغفار کرنے کی تاکید کی۔ اور بخشش مانگنے کی برکات بتائیں۔ قرآن مجید میں ہے

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (پ۲۹ ع ۹)

"پس میں نے کہا۔ تم اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو بے شک وہ غفار ہے۔ بھیجے گا تم پر آسمان سے مینہ بہت برسنے والا۔ اور مدد دے گا تم کو ساتھ مالوں اور بیٹوں کے۔ اور کردے گا تمہارے لئے باغات اور کرے گا تمہارے لئے نہریں"

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو کہا۔ کہ اگر شرک اور دوسرے معاصی سے مغفرت مانگو۔ تو اللہ تعالےٰ تم کو بخشے گا۔ اور دنیا میں تم پر بارش مدرار، یعنی بہت برسنے والا مینہ بھیجے گا۔ خوب جھڑی لگائے گا۔ اور تم کو مالوں، اور بیٹوں سے وسعت دے گا۔ اور ہر قسم کے باغات اور نہریں پیدا کردے گا۔

اس سے معلوم ہُوا۔ کہ جب بندہ عبادت و طاعت، اور توبہ و

استغفار میں مشغول ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے بھلائیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ کفر اور شرک سے جہان ویران اور خراب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے شرک کرنے کی خرابی بیان کی ہے:-

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○ (پ ۱۶ ع ۹)

"قریب ہیں کہ آسمان پھٹ جائیں۔ اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں۔ اس سے کہ (نصاریٰ) اللہ کے لئے دعوے کرتے ہیں فرزند کا۔"

جب شرک اور کفر سے زمین و آسمان برباد، اور ویران ہوتے ہیں۔ تو اس کے برعکس ایمان و توحید، اور استغفار سے جہان آباد ہونے چاہئیں۔ اور ایمان و طاعت سے خیر و برکت حاصل ہونے پر قرآنی آیات دلالت کرتی ہیں۔ جیسے اللہ نے فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (پ ۹ ع ۲)

"اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے۔ اور پرہیزگاری کرتے، البتہ کھولتے ہم ان پر برکتیں آسمان سے، اور زمین سے۔"

نیز فرمایا:-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ○ (پ ۶ ع ۱۳)

"اور اگر وہ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو۔ اور جو کچھ اتارا گیا ہے۔ ان کی طرف ان کے پروردگار کی طرف سے، البتہ کھاتے اپنے اوپر سے، اور اپنے قدموں کے نیچے سے"

ان آیات سے ثابت ہؤا۔ کہ عقیدۂ توحید کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے، اور تقویٰ کی زندگی گزارنے سے آسمان اور زمین کی برکتیں کشادہ ہوتی ہیں۔ اور ایسے لوگوں پر آسمان سے ہن برستا ہے۔ اور زمین رزق کے خزانے اگلتی ہے۔ اسی لئے نوح علیہ السّلام نے ان لوگوں کو ایمان و استغفار کی صورت میں ہر قسم کے دنیاوی اموال و ارزاق کی بشارت دی۔ جب کہ شرک اور کثرتِ معاصی کے سبب بارش بند ہو چکی تھی۔ ان کی عورتیں بانجھ ہو گئی تھیں۔ چالیس برس تک ان کی یہی حالت رہی۔ اور وہ اپنے خداؤں ود، سواع، نسر، یعوق، اور یغوث کے آگے عاجزی کر کر تھک گئے تھے۔

تو جس شخص کو توبہ اور استغفار کی توفیق مل جائے۔ وہ سمجھ لے، کہ اسے بہت بڑی نعمت مل گئی ہے۔ اور وہ بڑا خوش قسمت انسان ہے۔

رحمتِ عالم ﷺ کا استغفار کرنا

حضرت ابی ہریرہ رضہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً۔ (بخاری شریف)

"قسم ہے اللہ کی البتہ استغفار کرتا ہوں میں اللہ تعالےٰ سے اور توبہ کرتا ہوں میں طرف اس کی دن میں، زیادہ ستّر بار سے۔"

رحمتِ عالم کے استغفار کرنے کا مطلب۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گناہ سے پاک تھے۔ بالکل معصوم تھے، حضورؐ کا اللہ تعالےٰ سے استغفار کرنا اس لئے تھا کہ آپ کا اعتقاد تھا۔ کہ عبادت اللہ کی شان کے لائق نہیں ہوتی۔ اس لئے قصور ہوا۔ اور قصور پر استغفار فرماتے۔

جب رحمتِ عالم فرض نماز پڑھا کر سلام پھیرتے۔ تو بلند آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے۔ پھر تین بار کہتے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ (مشکوٰۃ)

نماز سے سلام پھیرتے ہی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ بہت بڑا ہے۔ یہ نماز جو پڑھی ہے۔ اس کی شانِ کبریائی کے لائق نہیں پڑھی گئی۔ حقِ عبادت ادا نہیں ہو سکا۔ اس لئے قصور ہوا۔ اس قصور میں تین بار حضورؐ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کہتے۔ یعنی اللہ سے اس قصور کی بخشش چاہتے۔ اسی طرح جو عبادت بھی کرتے۔ اسے شایانِ شانِ ربّ ذوالجلال، نہ سمجھتے۔ عبادت کی اس خامی کو اپنی بھول تصور کرتے پھر اس پر استغفار کرتے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کروڑوں درود و سلام ہوں۔ کہ آپ کو اللہ کی معرفت بدرجہ اتم حاصل تھی۔ اس معرفت کی بنا پر حضورؐ اپنی عبادت کو ربّ لایزال کی عزت و شان کے لائق نہ سمجھتے۔

آپ کا خیال تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی شان، عزت، اور مرتبہ اتنا بلند، اعلےٰ اور ارفع ہے کہ اس کے جلو میں میری عبادت کم تر ہے۔ لہذا رب الارباب کے حضور عرض کرتے:۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ ٥ (مشکوٰۃ شریف)

"میرے پروردگار! (تیری عزت اور شان کے لائق مجھ سے عبادت نہیں ہو سکتی۔ لہذا میری یہ کوتاہی) مجھے بخش دے اور قبول کر توبہ میری۔ بیشک تو ہی توبہ قبول کرنے والا بخشنے والا ہے۔"

رحمتِ عالم کی عبادت کا مرتبہ

یاد رہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سیّد الکونین۔ سیّد الثقلین۔ جنابِ رحمت للعالمینؐ کی عبادت عند اللہ اتنے مرتبے کی ہے۔ کہ ساری اولاد آدم میں سے کوئی بھی حضورؐ جیسی عبادت نہیں کر سکا۔ یعنی آپ کی عبادت کے مرتبے جیسی، یوں سمجھیں۔ کہ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز رکھ دی جائے۔ اور دوسرے پلڑے میں تمام انبیاء علیہم السلام کی، اور ساری اولادِ آدم کے مومنوں، موحدوں، کی نمازیں رکھ دی جائیں۔ تو جناب سیّدِ ولدِ آدم کی نماز کا وزن سب سے زیادہ ہوگا۔ یہی حال آپ کی دوسری عبادتوں کا ہے۔ کہ تمام ذریت آدم کی عبادتوں سے بڑھ کر ہیں۔ جس طرح حضور انورؐ کی شان اور مرتبے کا کوئی نہیں۔ اسی طرح آپ کی عبادت کے درجے جیسی کسی کی عبادت نہیں۔ جب

حضورؐ کی ایسی عظیم المرتبت عبادت جس ذاتِ لم یزل کے شایانِ شان نہیں۔ سوچیں۔ کہ وہ سبوح و قدوس معبود ـــ کس شان اور مرتبے کا مالک ہے؟

اللہ کی شان دیکھئے۔ کہ جناب سید البشر صلے اللہ علیہ وسلم ذاتِ لم یزل پر کس طرح قربان ہو ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلَ۔ (بخاری۔ مسلم)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے البتہ درست رکھتا ہوں میں۔ کہ مارا جاؤں اللہ کی راہ میں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر مارا جاؤں"

یاد رہے۔ کہ رحمت عالمؐ کی جانِ پاک اتنی مقدس اور قیمتی ہے۔ کہ حورانِ جنت، اور تمام اولادِ آدم، حضورؐ کے ایک قطرہ خون کی قیمت نہیں ہو سکتے۔ اتنی قیمتی اور مقدس جان افتخارِ دودہ آدم، سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و سلم اللہ پر بار بار قربان کرتے ہیں۔ کہ تیرے نام پر مروں۔ پھر جیوں، پھر مروں، پھر جیوں، پھر مروں، پھر جیوں، پھر مروں، غرض میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے۔ سوچیں کہ اللہ کی کیا شان ہے۔ جس پر اوجِ رفعت کے قمر، نخلِ دو عالم کے ثمر، بحرِ وحدت کے گہر۔ چشمۂ دیں کے کنول۔ مرجعِ روحِ

امیں، راہ روِ عرشِ بریں، حامیِ دینِ متیں، ناسخِ ادیان و ملل جناب رسول مدنی و عربی قربان ہو ہو جاتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ؕ

ایک مجلس میں حضورؐ سَو بار استغفار کرتے

پچھلی حدیث میں آپ پڑھ آئے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم ایک دن میں ستّر بار سے زیادہ استغفار کرتے،

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:۔

كُنَّا نَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَ تُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةٍ ط

(احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

ہم گنتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم ایک مجلس میں سَو (۱۰۰) بار کہتے:۔

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَ تُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ ؕ

"اے میرے پروردگار بخش واسطے میرے، اور قبول کر توبہ میری، بیشک تو ہی توبہ قبول کرنے والا، بخشنے والا ہے۔"

میدانِ جنگ سے بھاگنے والے کی بخشش

وَ عَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

يَقُولُ مَنْ قَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ غُفِرَ لَهٗ وَ اِنْ کَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ ط (ترمذی۔ ابوداؤد)

"روایت ہے بلال بن یسار بن زید سے، کہ زید مولی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ کہا اس نے کہ حدیث کی مجھ سے باپ میرے نے کہ نقل کی دادا میرے سے۔ کہ انہوں نے سنا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے' فرماتے تھے۔ جو شخص کہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ بخشش کی جاتی ہے اس کے لئے اگرچہ بھاگا ہو کفار کی لڑائی سے۔"

دعائے استغفار کا ترجمہ:۔ "بخشش مانگتا ہوں میں اللہ سے، وہ اللہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اس کے (وہ جو) زندہ خبر گیری کرنے والا ہے۔ اور توبہ کرتا ہوں میں طرف اس کی۔"

نوٹ :۔ کفار کی لڑائی سے بھاگنا' کبیرہ گناہ ہے۔ اور اس کی سزا دوزخ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ط وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ (پ ۹ ع ۱۶)

"اور جو کوئی پھیرے گا ان (کافروں) سے، اس دن پیٹھ اپنی۔ مگر حرفت کرنے والا واسطے لڑائی کے، یا جگہ پکڑنے والا طرف جماعت کے (اس استثنا کے سوا جو بھاگے گا)

پس تحقیق پھر آیا وہ ساتھ غصے کے اللہ کی طرف سے اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے۔ اور وہ بُری جگہ ہے پھر جانے کی۔"

معلوم ہوا۔ کہ میدانِ جنگ سے بھاگنے والے کی سزا دوزخ ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو استغفار اوپر بتایا ہے۔ اس کے پڑھنے سے میدانِ جنگ سے بھاگنے والے کی بھی بخشش ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ کبیرہ گناہ بھی جو موجب جہنم ہے۔ معاف کر دیا جاتا ہے۔ استغفار اللہ کو کتنا پیارا ہے ـــ ہاں! جب یہ موجبِ جہنم گناہ اس استغفار سے بخش دیا جاتا ہے۔ تو دوسرے موجب دوزخ، اکبر کبائر بھی انشاء اللہ اس استغفار سے بخشے جا سکتے ہیں۔ اللہ کی بخشش کا کوئی کنارہ نہیں۔ کوئی حد نہیں۔

مشرک کی بخشش نہیں

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے۔ نقل کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی:۔

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ

"وہی (یعنی اللہ) صاحب ہے تقویٰ کا اور صاحب ہے بخشش کا۔"

قَالَ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں۔ قَالَ رَبُّكُمْ۔ فرمایا رب تمہارے نے۔ اَنَا اَهْلُ اَنْ اُتَّقٰى۔ میں لائق اس کے ہوں کہ لوگ پرہیز کریں شریک کرنے سے ساتھ میرے فَمَنِ اتَّقَانِیْ ـــ پس جو کوئی پرہیز کرتا ہے میرے ساتھ شریک لانے سے۔ فَاَنَا اَهْلٌ اَنْ اَغْفِرَ لَهٗ ـــ پس میں ہوں لائق اس کے، کہ

بخشوں میں اس کو۔ (ترمذی شریف۔ ابن ماجہ شریف)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے مذکورہ آیت میں اَهْلُ التَّقْوٰى اور اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ کی تشریح کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اہل ہے اس کا کہ اس کے ساتھ کسی کو اس کی ذات اور صفات میں شریک نہ لایا جائے۔ یعنی اللہ تعالےٰ تقویٰ کا اہل ہے۔ وہ حق دار ہے اس بات کا۔ کہ پرہیز کی جاتے اس کے ساتھ شریک لانے سے ـــ جب بندہ اس کی ذات اور صفات میں شریک لانے سے پرہیز کرے گا۔ پورا پورا موحد۔ غرقِ بیم توحید ہوگا۔ تو پھر اللہ تعالےٰ اس کے لئے اہل مغفرت ہوگا۔ یعنی اہل ہوگا۔ اس بات کا کہ اس کو بخش دے۔ ثابت ہوا کہ مغفرت بندہ کی مشروط بہ توحید ہے۔ اگر کسی کا عقیدہ یا عمل شرکیہ ہوگا۔ تو اس کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی۔

فرض کریں۔ ایک آدمی کی عمر سو برس کی ہے۔ بلوغت سے لے کر اس عمر تک۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ صدقات، خیرات، تہجد، اشراق، نماز تسبیح، اوراد و وظائف ـــ تمام عبادات کا پورا پورا پابند رہا ہے۔ لیکن اس کے عقیدے میں ـــ یا قول و فعل میں کسی قسم کا شرک پایا جاتا ہے۔ تو اس کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی۔ اور اس کے تمام اعمال برباد اور رائگاں جائیں گے۔ بلکہ جب تک کسی شرکیہ عقیدے یا عمل پر قائم ہے۔ اس دوران اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی۔

جس استغفار کا ذکر آپ پیچھے پڑھ آتے ہیں۔ کہ اس کے پڑھنے سے اللہ بخش دیتا ہے۔ اگرچہ کوئی میدانِ جنگ سے بھی بھاگ آیا ہو

یہ موجبِ جہنم گناہ بھی اللہ معاف کر دیتا ہے۔ شرک کے عقیدہ والا۔ یا شرکیہ کام کرنے والا اگر مذکورہ استغفار ساری عمر پڑھتا رہے۔ تو اس کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی۔ کیونکہ عملاً اس نے اللہ کو اہلِ تقویٰ نہیں جانا۔ اس لئے اللہ اس کے لئے اہلِ مغفرت نہیں ہوگا۔ خوب سمجھ لیں۔ اور اپنی اصلاح کر لیں۔ یعنی شرکیہ عقیدے، اور عمل سے پوری طرح دست کش ہو کر توبہ کر لیں۔ پھر عمل قبول ہوں گے۔

ہم اللہ سے ہزار بار توبہ کرتے ہیں۔ اور اس بات کی اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ کہ کسی کو اپنی طرف سے حبطِ اعمال اور عدمِ مغفرت کا فتویٰ دیں۔ بلکہ ہماری دلی دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو کتاب و سنت پر چلنے کی توفیق دے۔ صحابہؓ کا راستہ سب کو نصیب کرے۔ اور سب کو بخش دے۔

لیکن فریضۂ تبلیغ کا یہ تقاضا ہے۔ کہ حق کو حق، اور باطل کو ثابت کر کے لوگوں کا صحیح راستہ۔ رحمتِ عالمؐ کا راستہ دکھائیں۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں بندگانِ خدا کی راہبری کریں، جو مبلغ یا عالمِ دین، دین کی امانت کو حق حق لوگوں تک پہنچائے گا۔ اور خوفِ خدا سے صرف قرآن اور حدیث کی قندیلیں اور شمعیں جگائے گا۔ وہ انشاء اللہ نجات پائے گا۔ اور جو دانستہ کتمانِ حق کرے گا۔ لوگوں کی خواہش اور رواج کے مطابق سطرِ قرآن کو چلیپا بنائے گا۔ تعاملِ صحابہؓ کے برعکس ان کو راستہ دکھائے گا۔ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے گا۔ اس لئے اس نازک مشن کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے آیات اور صحیح احادیث کی روشنی میں لوگوں کو گام فرسا کرنا چاہیئے۔

قبروں کا کاروبار

خوفِ خدا سے لرزہ بر اندام ہو کر سوچئے کہ یہ مسائل اور قبروں کا کاروبار حضور انورم اور صحابہؓ کے دور میں موجود تھا؟ حضور غیب جانتے ہیں۔ حضورؐ حاضر ناظر ہیں۔ حضورؐ اور دیگر اولیاء اللہ حاجت روا، اور مشکل کشا ہیں۔ مصائب و حوائج میں غیر اللہ کو پکارنا۔ قبروں کو چومنا چاٹنا۔ قبروں کو غسل دینا۔ غسل کے پانی کو تبرک جان کر پینا۔ مریضوں کو بغرض شفا پلانا۔ اہلِ قبور سے حاجت روائیوں اور مشکل کشائیوں کے لیے عرضیں کرنا۔ ان کے آگے رونا۔ گڑگڑانا۔ اور اپنے دکھڑے سنانا۔ بزرگوں کے نام کی نذریں ماننا۔ چاولوں کی دیگیں پکا کر قبروں پر لے جانا۔ مصیبتوں اور جنگوں میں غیر اللہ کے نعرے لگانا۔ یا رسول اللہ۔ یا علی۔ یا حسین۔ یا پنجتن پاک۔ یا غوث۔ یا شیخ عبد القادر جیلانی۔ یا بہاول الحق المدد۔ یا خواجہ اجمیری پار کر کشتی میری۔ اور پھر یہ شعر۔ ؎

یا رسول اللہ انظر حالنا - یا حبیب اللہ اسمع قالنا

اننا فی بحرِ غم مغرق - خذ بیدی وسهل لنا اشکالنا

ترجمہ:۔ اے اللہ کے رسول ہمارے حال پر نظر کرو۔ اے اللہ کے حبیب ہماری باتیں (مصیبت کی باتیں) سنو۔ ہم غم کے دریا میں ڈوب رہے ہیں۔ ہمارا ہاتھ پکڑو اور مشکلیں آسان کر دو۔

خواجہ اجمیری کے مزار پر کھڑے ہو کر یہ کہنا۔ ؎

عبادت جانتا ہوں درگہِ اقدس کے سجدوں کو
کہ ارضِ ہند میں یہ کعبۂ مشکل کشائی ہے

حضورؐ کے دورِ مبارک سے لے کر اس وقت تک یہ تمام کام عرب کی سرزمین میں ہرگز ہرگز نہیں ہوئے۔ نہ اب ہیں۔ مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ میں ان کاموں کا نام و نشان تک نہیں۔ پھر اپنے ایمان سے بتایئے۔ کہ قرآن اور حدیث کی رو سے کیا یہ سب کام، عقیدے اور عمل کی شرکیہ برائیاں نہیں ہیں؟ ۔ یقیناً ہیں۔ تو ایسے عمل اور عقیدے رکھنے والوں نے اللہ تعالےٰ کو اَهْلُ التَّقْوٰی مانا ہے؟ یعنی اُسے اس بات کے لائق جانا ہے۔ کہ پرہیز کی جائے اس کے ساتھ شریک لانے سے۔ یعنی اس کی ذات شرک کی اہل نہیں۔ جب ہم نے شرکیہ عقیدوں، اور عملوں سے اسے اَهْلُ التَّقْوٰی نہ جانا تو وہ کس طرح ایسے عقیدوں اور عملوں والوں کے لیئے اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ہوگا۔ یہی بات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ جو آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ کہ جو کوئی پرہیز کرتا ہے۔ اللہ کے ساتھ شریک لانے سے۔ اللہ اہل ہے اس بات کا کہ اسے بخش دے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کروڑوں درود و سلام ہوں، کہ انہوں نے لوگوں کو توحید کا ایسا درس دیا کہ وہ ہر قسم کے شرک کو چھوڑ کر شمعِ توحید کے پروانے بن گئے۔ ؎

وہ اٹھا فاراں کی چوٹی سے بہ اندازِ خلیلؑ
ہر نفس میں نغمۂ توحید دہراتا ہوا

اولاد کے استغفار سے والدین کو فائدہ

حضرت ابی ہریرہ رضہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ عبدِ صالح کا درجہ

بہشت میں بلند کرتا ہے۔ وہ بندہ عرض کرتا ہے۔ اے میرے پروردگار یہ درجہ مجھ کو کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ۔ حاصل ہوا یہ بلند درجہ بسبب استغفار بیٹے تیرے کے واسطے تیرے۔" (مشکوٰۃ شریف)

نوٹ:- اولاد کو چاہئے۔ کہ وہ اپنے والدین کے لئے بخشش مانگا کریں۔ تاکہ ان کی مغفرت ہو۔ ان کے گناہ بخشے جائیں، اور مراتب بلند ہوں۔

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

زندوں کے استغفار سے مُردوں کو نفع

عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے۔ کہ مردہ قبر میں مانند ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کے ہوتا ہے۔ کہ کوئی ہاتھ اس کا پکڑے۔ منتظر ہوتا ہے دعا کا۔ کہ پہنچے اس کو باپ کی طرف سے، یا ماں کی طرف سے، یا بھائی کی طرف سے، یا دوست کی طرف سے۔ پس جب وقت پہنچتی ہے اس کو دعا۔ تو پہنچنا دعا کا پیارا ہوتا ہے اس کو دنیا و مافیہا سے۔ اور تحقیق اللہ پہنچاتا ہے قبر والوں کو بسبب زمین والوں کی دعا کے (ثواب) مانند پہاڑوں کے (یعنی بڑا ثواب۔ رحمت، اور بخشش) وَ اِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ اور تحقیق تحفہ زندوں کا طرف مردوں کے، استغفار کرنا ہے واسطے اُن کے۔

معلوم ہوا۔ کہ مردوں کے لئے خدا سے بخشش مانگنا۔ یعنی استغفار

کرنا ان کے لئے بڑے نفع کا کام ہے۔ سنت سے یہی استغفار ہی ثابت ہے۔ بہتر ہے کہ موتیٰ کے لئے بجائے دنیاوی رسوم کے استغفار ہی کیا کریں۔ اس سے بقول رحمت للعالمین مردوں کو پہاڑوں کے مانند ثواب، رحمت، بخشش پہنچتی ہے۔ جس سے ان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ عذاب دور ہوتا ہے۔ اور درجات کی بلندی بھی ملتی ہے۔ نیز میت کو صدقات کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ جو نمود و ریا اور رسوم و بدعات سے بچ کر کئے جائیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○

"اے ہمارے پروردگار بخش ہم کو اور (بخش) ہمارے بھائیوں کو، وہ آگے لائے ہم سے ایمان۔ اور مت کر ہمارے دلوں میں برائی واسطے ان لوگوں کے جو کہ ایمان لائے۔ اے رب ہمارے تحقیق تو ہی ہے شفقت کرنے والا مہربان۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر شمس و قمر کی شعاؤں کے برابر درود و سلام ہو۔ کہ انہوں نے زندوں کی بخشش کے ساتھ مردوں کی مغفرت کا راز بھی ہمیں بتا دیا۔ ؎

جلوہ ماہِ نیم شب، تابشِ نورِ آفتاب
یہ بھی نہیں ترا جواب، وہ بھی نہیں ترا جواب
کتنا عظیم تیرا کام، کتنا حسین تیرا خطاب

تجھ پر درُود بے کراں' تجھ پر سلام بے حساب (ثمر)

اعمالنامے میں استغفار کثرت سے ہونا چاہئے

عبداللہ بن یسرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

طُوبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا۔

"خوش حالی ہے اس شخص کے لئے، کہ پائے اپنے اعمالنامہ میں استغفار بہت" (ابن ماجہ۔ نسائی)

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس شخص کو بشارت دیتے ہیں' جو کثرت سے استغفار کرتا ہے۔ بزار میں حضرت انس رضؓ سے روایت آتی ہے۔ کہ اعمال لکھنے والے دونوں فرشتے بندے کا اعمال نامہ ہر روز اللہ کی جناب میں پیش کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ اس اعمال نامے کے شروع اور اخیر میں استغفار دیکھتا ہے۔ (یعنی وہ استغفار جو بندے نے صبح و شام کیا تھا)۔ پھر فرماتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ، بخشے ہیں نے اپنے بندے کے وہ گناہ جو اعمالنامے کی دونوں طرفوں کے درمیان ہیں"

بندوں کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ صبح اور شام استغفار کیا کریں۔ تاکہ صبح و مسا کے مابین جو معاصی ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ معاف کردے۔ قارئین کرام استغفار ذیل ایک بار صبح اور ایک بار شام کو ضرور پڑھ لیا کریں۔ یہ سید الاستغفار ہے۔ گناہوں کی آگ کے لئے برف کا دریا ہے۔ رحمتِ عالمؐ فرماتے ہیں۔ جو شخص پڑھے ان لفظوں (سید الاستغفار) کو دن میں یقین کرتے ہوئے ان کے

معنوں پر۔ پھر مرے اس دن شام ہونے سے پہلے۔ پس وہ بہشتیوں میں سے ہے۔ اور جو کوئی پڑھے ان لفظوں کو رات کو یقین کرتے ہوئے ان کے معنوں پر، پھر مرے صبح ہونے سے پہلے۔ پس وہ بہشتیوں میں سے ہے۔

سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَار

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ

یا الٰہی تو ہی ہے پروردگار میرا، نہیں کوئی معبود سوا تیرے، پیدا کیا تو نے مجھ کو

وَاَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَ

اور میں بندہ تیرا ہوں اور میں تیرے عہد (میثاق) پر (قائم) ہوں

وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ

اور تیرے وعدہ (حشر) پر (یقین رکھنے والا) ہوں بقدر اپنی طاقت

مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ

کے۔ پناہ مانگتا ہوں ساتھ تیرے اس چیز کی برائی سے جو کی میں نے۔

بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ

اقرار کرتا ہوں میں واسطے تیرے تیری نعمتوں کا کہ مجھ پر ہیں۔ اور اقرار کرتا

فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ ؕ (حصن حصین)

ہوں میں اپنے گناہوں کا۔ پس بخش مجھ کو بس تحقیق نہیں بخشتا گناہوں کو مگر تو۔

استغفار سے دل کی سیاہی دور ہوتی ہے

حضرت ابی ہریرہ رض روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ کَانَتْ نُکْتَۃً سَوْدَاءَ فِیْ قَلْبِہٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُہٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوْ قَلْبَہٗ فَذَالِکُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

"تحقیق مومن جب گناہ کرتا ہے۔ تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر توبہ کرتا ہے۔ اور بخشش مانگتا ہے۔ صاف کیا جاتا ہے دل اس کا۔ اور اگر زیادہ کیا گناہ زیادہ ہو جاتا ہے وہ نقطہ یہاں تک کہ (کثرت معاصی کے سبب) چھا جاتا ہے اس کے تمام دل پر۔ پس یہ ہے ران (زنگ) جس کا ذکر کیا ہے اللہ تعالے نے اس آیت میں۔ ہرگز نہیں یوں بلکہ زنگ باندھا ہے ان کے دلوں پر اس چیز نے کہ کرتے تھے"

ملاحظہ:۔ حدیث کا مطلب واضح ہے۔ کہ آدمی جب گناہ کرتا ہے۔ تو دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر جلد توبہ، اور استغفار کرلے۔ تو دل صیقل ہو جاتا ہے۔ داغ دور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ گناہوں کی کثرت کے باعث سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس سیاہ دل رو سیاہ کو کوئی نیکی بدی کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ بصیرت کا اندھا، گناہوں پر بہت دلیر ہو جاتا ہے، شرم و حیا سے

عادی، گناہوں سے لذت اٹھاتے ہوئے آخرت برباد کر لیتا ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا۔ کہ استغفار سے دل کی سیاہی دور ہوتی ہے۔ پس ہر مسلمان کو چاہیئے۔ کہ وہ ہر روز استغفار کرتا رہے۔ تاکہ تھوڑا بہت غبار جو دل پر پڑتا ہی رہتا ہے۔ دور ہوتا رہے۔ ع

کہاں سے لاتی ہیں کرنیں حسین پیمانے

اللہ تعالیٰ سے بخشش کی زبردست امید رکھنی چاہیئے

حضرت ابن عباس رضہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰے مَنْ عَلِمَ اَنِّیْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلٰے مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَهٗ وَ لَا اُبَالِیْ مَا لَمْ يُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا (مشکوٰۃ)

"حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے۔ جس شخص نے جانا۔ کہ میں صاحب قدرت ہوں گناہوں کے بخشنے پر، تو بخشتا ہوں میں واسطے اُس کے، اور نہیں پروا کرتا ہیں (خواہ کیسا ہی گناہ ہو۔ بخش دیتا ہوں)۔ جب تک نہ شریک لائے ساتھ میرے کسی کو۔"

معلوم ہوا۔ کہ ہر گناہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ حتیٰ کہ وہ گناہ جس کے لئے جہنم کی وعید بھی آئی ہو ــــ استغفار کرنے سے بخش دیا جاتا ہے ــــ توبہ کرنے والے کو زبردست یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ گناہوں کے بخشنے پر قادر ہے۔ اور بخشش کی پوری پوری امید بھی رکھے۔

ایک حدیث میں ہے۔ "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ" میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔ جیسا گمان وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔ ؎

پُرہول اندھیروں میں ہے شمعِ حرم روشن

اصرار دوام سے نجات

حضرت ابی بکر صدیق رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً۔

"نہیں دوام کیا اس نے گناہ پر کہ استغفار کی اگرچہ عود کرنے دن میں ستر بار" (ترمذی۔ ابوداؤد)

مُلاحظہ۔ گناہ پر اصرار بہت بُرا ہے۔ کہ اصرار کرنا صغیرہ پر کبیرہ بنا دیتا ہے۔ اور کبیرہ پر اصرار کفر تک پہنچا دیتا ہے۔لیکن استغفار وہ کیمیا ہے۔ جو مسِ گناہ کو کندن بنا دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ گناہ پر توبہ و استغفار کرنے والا مصر علے الذنب ہے ہی نہیں۔ خواہ ایک دن میں ستر بار گناہ کرے۔ ہر بار گناہ پرخلوص دل سے استغفار کرتا ہے۔ تو وہ حد اصرار سے باہر رہتا ہے۔ ؎

جیسے نمو پذیر ہو مشرق سے آفتاب
تیری نوا سے ہوگئی پیدا نئی سحر (ظفر)

بندوں کے گناہوں کا کوئی شمار نہیں۔ اور بخششِ ایزدِ غفار بندوں کے گناہوں پر غالب ہے۔ و نعم ما قیل۔

؎

فردِ عمل سیاہ کئے جا رہا ہوں!
رحمت کو بے پناہ کئے جا رہا ہوں (جگرؔ)

شیطان کی مغفرت الٰہی کے آگے کچھ نہ چلی

حضرت ابی سعید رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"تحقیق شیطان نے عرض کیا پروردگار سے۔ قسم ہے عزت تیری کی اے ربّ میرے۔ ہمیشہ گمراہ کرتا رہوں گا تیرے بندوں کو جب تک روحیں ان کے بدنوں میں ہوں گی۔ پس فرمایا پروردگار عز و جل نے۔ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ۔ قسم ہے مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی۔ اور اپنے مرتبہ کی بلندی کی۔ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَھُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ۔ ہمیشہ بخشتا رہوں گا میں ان کو جب تک بخشش مانگتے رہیں گے مجھ سے"! (مشکوٰۃ شریف)

معلوم ہوا۔ کہ بندہ کا استغفار کرنا گناہوں کو بالکل دور کر دیتا ہے۔ اور مغفرت مانگنے والے کو شیطان بھی کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ رب العزت نے صاف فرما دیا کہ جب تک میرے بندے مجھ سے مغفرت مانگتے رہیں گے۔ میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔ ؎

معطر ہے مشامِ جاں مرا معمول سے بڑھ کر
ترے گیسوئے مشکیں کو پریشاں کر لیا میں نے (ثمرؔ)

اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہوں

اسماء بنت یزید سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں۔ کہ سنا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ کہ پڑھتے تھے یہ آیت:۔

يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا

مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

وَ لَا يُبَالِيْ۔ (ترمذی شریف)

"اے میرے بندو، کہ زیادتی کی ہے۔ اپنی جانوں پر، (گناہ کرکر) نا امید مت ہو اللہ کی رحمت سے۔ اس لئے کہ اللہ بخشتا ہے گناہ سب" اور نہیں پروا رکھتا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر بندوں کو توجہ دلائی۔ کہ اللہ تعالیٰ بے حد غفور و رحیم ہے۔ اس کی بخشش کا سمندر اتھاہ ہے۔ وہ بے حساب بخشش کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت سے کوئی گنہگار نا امید نہ ہو۔ اور جب اس کی بخشش کا دریا جوش میں آتا ہے۔ تو گناہوں کی کثرت کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ پس بخش ہی دیتا ہے۔ بالکل معاف کر دیتا ہے۔ قاآنی شیرازی خدائے لم یزل کی بے پایاں مغفرت کے بھروسے پر ہی کہتا ہے:۔ ؎

شرمندہ ازانیم کہ در دارِ مکافات

از خورِ عفو تو نہ کردیم گناہے

"اے ربِ غفور! میں اس بات سے شرمندہ ہوں۔ کہ اس دارِ مکافات کے اندر میں نے تیری (بے پایاں) بخشش کے لائق کوئی گناہ نہیں کیا ہے"

یعنی گناہ میرے بے حساب ہیں۔ اتنے ہیں کہ شاید زمین و آسمان کے خلا میں بھی نہ سما سکیں۔ پھر بھی میں شرمسار ہوں۔ کہ

عرصۂ محشر میں جب اپنے ان گناہوں کو تیری رحمت کے آگے لاؤنگا تو تیری رحمت کہے گی۔ قاآنی!۔ یہ تھوڑے سے گناہ کیا لے کے آئے ہو۔ تم تو رحمت خداوندی کی شایانِ شان ایک گناہ بھی نہیں لائے۔ سہ

ساقی نواؤ نکہت و نزہت کا وقت ہے
اب تو حریم ساغر و مینا کا در کھلے (ثمر)

دنیا و مافیہا سے پیاری آیت

مذکورہ یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا کے بارے میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ سنا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے،۔ فرماتے تھے:۔

مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیَ الدُّنْیَا بِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا۔ اَلْاٰیَۃَ

"نہیں دوست رکھتا میں کہ تحقیق میرے لئے دنیا ہو بدلے اس آیت کے" اے میرے بندو، کہ زیادتی کی اپنی جانوں پر۔ (ساتھ گناہوں کے) نہ نا امید ہو" آخر آیت تک۔

ساری آیت یہ ہے:۔

یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝

(ترجمہ) اے میرے بندو کہ زیادتی کی اپنی جانوں پر، نہ ناامید ہو اللہ کی رحمت سے۔ تحقیق اللہ بخشتا ہے گناہ سب

بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت پڑھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں دوست رکھتا ہوں۔ کہ تحقیق میرے لئے ہو دنیا بدلے اس آیت کے۔

آپ نے اس لئے فرمایا۔ کہ اس آیت کے بدلے میں تمام دنیا نہیں چاہتا۔ کیونکہ دنیا و ما فیہا سب کچھ دنیا ہی کے تلذذ اور تلعب کے لئے ہے۔ اور آیت مذکورہ میں خوش خبری ہے گناہوں کی بخشش کی۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ اس پر ایک شخص نے پوچھا۔ فَمَنْ اَشْرَكَ۔ پس جس نے شرک کیا؟ یعنی وہ شخص بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ یا نہیں۔ وہ بخشا جائے گا یا نہیں؟ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ پس خاموش رہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم۔ (امر الٰہی کے انتظار میں یا غور و تامل فرمانے کے لئے) ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ پھر فرمایا (بموجب وحی خفی کے) خبردار ہو اور جس شخص نے شرک کیا اور توبہ کی اپنی زندگی میں، توبہ اس کی قبول ہوتی۔ اور وہ داخل ہے اس آیت کے حکم میں۔ تین بار فرمایا۔
(مشکوٰۃ شریف)

معلوم ہوا کہ مشرک بھی اگر زندگی میں شرک سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ بھی قبول ہے۔ لیکن اگر شرک کے عقیدہ پو عمل پر اس کی موت ہوگئی۔ تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ کبھی عذاب سے نجات نہ پائیگا۔

اللہ کو توبہ بڑی پیاری ہے

حضرت علی رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ و سلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ۔ (مشکوٰۃ)

"تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے اس بندے مومن کو کہ مبتلا ہوتا ہے گناہوں میں اور بہت کرتا ہے توبہ"

اللہ تعالیٰ اس بندے کو دوست رکھتا ہے۔ بسبب توبہ کے نہ بسبب گناہ کے۔ اللہ کو توبہ بڑی پسند ہے۔ کہ گنہگار توبہ کرتا رہے۔ ع

تری نظر کی تجلی سے ہے فضا روشن

پہاڑوں کی مانند گناہ

حضرت ابی ذر رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:۔

مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یَعْدِلُ بِہٖ شَیْئًا فِی الدُّنْیَا ثُمَّ کَانَ عَلَیْہِ مِثْلَ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ۔ (بیہقی)

"جو شخص ملاقات کرے اللہ سے (یعنی مرے اس حال میں) کہ نہ برابر کرتا ہو کسی کو ساتھ اللہ کے دنیا میں۔ (یعنی دنیا میں اس نے شرک نہ کیا ہو) پھر ہوں اس پر گناہ مانند پہاڑوں کے۔ (یعنی بعد مرنے کے) بخشے گا اللہ واسطے اس کے"

مطلب واضح ہے۔ کہ اگر کوئی پہاڑوں کی مانند گناہ لے کر قیامت کے روز اللہ کے سامنے حاضر ہو۔ تو اگر اس نے شرک نہ کیا ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا۔ تو سب گناہ اس کے بخش دے گا۔

توبہ سے گناہ دُور ہو جاتے ہیں

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ (ابن ماجہ)

"توبہ (خالص) کرنے والا گناہوں سے اس شخص کی مانند ہے۔ کہ نہیں گناہ واسطے اس کے۔"

نوٹ:۔ خلوص دل سے توبہ کرنے سے آدمی بے شک گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

ایک شاعر کا حکمت آمیز شعر

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِ اللّٰهِ اِلَّا اللَّمَمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ۔

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا
وَ اَیُّ عَبْدٍ لَّکَ لَا اَلَمَّا

(رواہ الترمذی)

روایت ہے ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول اِلَّا اللَّمَمَ کی تفسیر میں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے۔ اگر بخشے تو یا الٰہی تو بخش دے بڑے گناہ۔ اور کونسا بندہ تیرا ہے کہ جس نے نہیں کئے چھوٹے گناہ۔

جس آیت میں الا اللمم آیا ہے وہ ساری آیت یہ ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ط (پ ۲۷ ع ۶)

"وہ لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے سوائے چھوٹے گناہوں کے۔ تحقیق پروردگار تیرا بڑی بخشش والا ہے"

اس آیت میں جو اِلَّا اللَّمَمَ (سوائے چھوٹے گناہوں کے) آیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے بطور سند کے یہ شعر پڑھا۔ ؎

اِنْ تَغْفِرْ اَللّٰھُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا
وَ اَیُّ عَبْدٍ لَّکَ لَا اَلَمَّا

"اگر بخشے تو یا الٰہی۔ تو بخش دے بڑے گناہ اور کونسا بندہ تیرا ہے کہ جس نے نہیں کئے چھوٹے گناہ"

یہ شعر امیہ بن ابی صلت شاعر کا ہے۔ امیہ بن ابی صلت ایام جاہلیت کے شاعروں میں تھا۔ بڑا عابد تھا۔ اور قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ اس نے اسلام کا زمانہ پایا۔ لیکن مسلمان نہ ہوا۔ بڑے عالمانہ اور حکمت آمیز شعر کہتا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم اس کے شعر سنتے تھے۔ اور خود بھی کبھی پڑھتے۔ چنانچہ یہ شعر بھی حضورؐ نے آیت میں الا اللمم کے الفاظ کی مناسبت سے پڑھا۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مومن چھوٹے گناہوں سے خالی نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اے اللہ! تیرا فضل اور بخشش ایسی ہے۔ کہ اگر تو چاہے تو بخش دے کبیرہ گناہوں کو، اور جو صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ ہیں۔ ان کی تیری مغفرت کے سامنے کیا حقیقت ہے۔ کونسا تیرا بندہ ہے۔ جو چھوٹے گناہ نہیں کرتا۔ اور تو نہیں بخشتا۔ تیری

مغفرت تو صغائر سے پہلے ہی چشم پوشی کرتی رہتی ہے۔ وہ تو نیکیوں (نمازوں وغیرہ) سے مٹتے ہی رہتے ہیں۔ وہ تو تیری رحمت کی ہوا کے جھونکوں سے خزاں کے پتوں کی طرح جھڑتے ہی رہتے ہیں۔ مولا کریم۔ رب عرش عظیم۔ غفور و رحیم ۔ اِنْ تَغْفِرْ تَغْفِرْ جَمًّا۔ ؎

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا!
پر تونے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر!
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

قیامت تک درِ توبہ وا ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ وَ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا ط (صحیح مسلم)

"بے شک اللہ تعالیٰ پھیلاتا ہے ہاتھ اپنا رات کو، تاکہ توبہ کرے گناہ کرنے والا دن کا۔ اور پھیلاتا ہے ہاتھ اپنا دن کو، تاکہ توبہ کرے گناہ کرنے والا رات کا۔ یہاں تک کہ نکلے آفتاب مغرب کی طرف سے۔"

مُلاحظہ:۔ ہاتھ پھیلانا کنایہ ہے وسعتِ رحمت و مغفرت سے۔ یعنی رات کے گناہ کرنے والے کے لئے دن کو، اور دن بھر کے گناہ کرنے والے کے لئے رات کو، مغفرت الٰہی کا دریا موجزن

رہتا ہے۔ صبح و شام بخشش خداوندی گنہگاروں کے انتظار میں رہتی ہے مغفرت اپنے دامن کو پھیلائے رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ آفتاب مغفرت سے نکلے۔ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

صبح و شام استغفار کرتے رہیں

چونکہ ہم سب گنہگار ہیں۔ عاصی اور خطا کار ہیں۔ اور گناہوں سے مفر نہیں۔ کچھ نہ کچھ گناہ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ ہمیشہ اللہ کی جناب میں استغفار اور توبہ کرتے رہیں۔ یہ بھی اللہ کا بڑا کرم ہے کہ وہ توبہ قبول کرتا ہے۔ اور گناہ بخش دیتا ہے۔ بلکہ گناہ کے بعد توبہ کرنے پر بے حد خوش ہوتا ہے۔ جس طرح صبح اور شام وہ اپنے ہاتھوں کو پھیلائے رکھتا ہے، درِ توبہ وا ہوتا ہے۔ بخشش کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ بہتر ہے کہ ایک سو بار صبح و شام رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ ط پڑھ لیا کریں۔ اور نمازوں کے پابند رہیں۔ تاکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کے ارشاد وَ نَسْتَغْفِرُہٗ۔ (اور ہم اس سے بخشش مانگتے ہیں) پر عمل ہوتا رہے۔

۵

رات بھر خون روئے ستارے
تب سُہانی صبح مسکرائی

ایمان باللہ کا اُجالا

وَ نُؤْمِنُ بِہٖ

"اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔"

برس رہے ہیں مرے اشک صورتِ شبنم
جلا رہی ہے مجھے سوزشِ نہاں پھر بھی
(نیّر)

اللہ پر ایمان لانے کی تشریح

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس واجب الوجود ذات اور اس کی تمام صفات کو حق جانے، دل سے پورا پورا اعتقاد کرے اور اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو عقیدۂ توحید کے ساتھ مانے۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ وہ ازلی اور ابدی ہے، نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہا ہے۔ نہ اسے کسی نے جنا، اور نہ اس نے کسی کو جنا۔ وہ صمد ہے۔ اس کی ذات سے کوئی چیز نہیں نکلی۔ وہ قدیم ہے، کسی کا محتاج نہیں۔ ہر چیز اس نے پیدا کی۔ سب کا خالق ہے۔

تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ آسمان، زمین، ستارے، سیارے، سورج، چاند، ہوا، پانی، تمام مخلوق اس نے بغیر کسی کی اعانت کے پیدا کی ہے اس کا علم سب مخلوق کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کوئی شے اس کی خبر اور نظر سے اوجھل نہیں۔ وہ حاضر ناظر، اور عالم الغیب ہے۔ ہر شئے اس کے قبضۂ قدرت میں مسخر و منقاد ـــ مجبور اور مقہور ہے تمام مخلوق کی پرورش کرتا، اور حفاظت فرماتا ہے۔ موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نظامِ فلکی اسی کے اشاروں سے چل رہا ہے۔ وہ خالق، مالک، رازق، ربّ ہے۔ اور سب مخلوق مملوک، مرزوق اور مربوب ہیں۔ وہ جو چاہے کرے۔ کوئی اس کو پوچھنے والا نہیں۔ وہ اپنی مرضی کرتا ہے۔ کسی سے صلاح و مشورہ نہیں لیتا۔ کوئی اس کے حضور دم نہیں مار سکتا۔ تمام انسان، فرشتے، جنّ، اس کے خوف سے تھر تھر کانپتے اور لرزتے ہیں۔ سب اس کے در کے گدا ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی ہے۔ سب اس کے سائل اور ضرورت مند ہیں۔ اس کا سب پر زور چلتا ہے۔ اور اس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ ہر کوئی اسی کے رحم و کرم سے زندہ ہے۔ وہ بلا واسطہ ہر ایک کی سنتا ہے۔ وہ حاجتیں پوری کرتا اور مشکلیں کھولتا ہے۔ اس کا کوئی وزیر اور مشیر نہیں۔ نہ عملہ ہے۔ زمین و آسمان میں اسی کی بادشاہی ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے۔ حکومت الٰہیہ کا وہی مالک و مختار ہے۔ تمام مخلوق پر اس کا حق ہے۔ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ تمام کائنات کو اس نے تھام رکھا ہے۔ اگر وہ زمین کے اندر پانی خشک کر لے۔ یا زمین سے رزق نہ اُگائے۔ یا ہوا ناپید کر دے۔ تو تمام جاندار

آن واحد میں ہلاک ہو جائیں۔ محض اس کی کرم نوازی، اور بندہ پروری سے زندگی رواں دواں ہے۔ صرف اسی ذات لم یزل کا حق ہے۔ کہ اس کی خالص عبادت کی جائے۔ کیونکہ وہی معبود برحق ہے، نہ اس کی الوہیت میں کوئی شریک ہے۔ نہ عبادت میں۔ قولی، بدنی، مالی، ہر طرح کی عبادت صرف اسی کو زیب دیتی ہے۔ اس کا کوئی شریک، ساجھا، ہمسر نہیں۔ سب انسان اس کے عاجز غلام ہیں۔

اللہ پر ایمان لانے میں یہ بھی شامل ہے۔ کہ جو کچھ اس نے قرآن میں فرمایا ہے۔ سب حق ہے۔ قرآن منزّل منَ اللہ ہے۔ جن پر قرآن نازل ہوا۔ وہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔ جتنی کتابیں قرآن سے قبل نازل ہوئیں۔ وہ بھی سچی تھیں۔ تمام انبیاء جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ سب برحق ہیں۔ فرشتے بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ قیامت۔ صراط۔ میزان۔ جنت۔ دوزخ۔ بہشت کی نعمتیں۔ اور دوزخ کے عذاب، جزا، سزا، سب حق، اور سچ ہے۔ جو چیزیں حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہوتیں۔ اگر قرآن یا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم ان کی خبر دیں۔ تو ان پر ایمان لائیں۔ اور ان کی حقیقت پر اعتقاد جمائیں۔ تا کہ ایمان بالغیب کا درجہ حاصل ہو۔ تمام قرآن اور صحیح احادیث میں جو کچھ ہے، اس کی صداقت، اور حقانیت پر ایمان لائیں۔ اور ان کی اپنی رائے سے تاویل نہ کریں۔

اگر کسی نے اللہ تعالےٰ کی ذات یا صفات، یا عبادات، یا خاصّوں میں کسی غیر اللہ کو شریک کیا۔ تو اس کا اللہ پر ہرگز ایمان نہ رہا۔

ایمان صحابہ کی مانند ہو

اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان لانا چاہیئے جس طرح وہ چاہتا ہے۔ اور اس کا چاہنا قرآن مجید اور حضرت رسولِ امین صلے اللہ علیہ وسلم سے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان، اعتقادات، اور اعمال ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی پیروی میں اپنے ایمان درست کرنے چاہئیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ۔ (پ۱ ع ۱۶)

"پس اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں۔ تو ہدایت پا گئے۔ اور اگر منہ موڑیں۔ تو ضرور حق کے خلاف ہیں"

مطلب یہ ہے۔ کہ اے صحابہؓ! اگر یہ کفار یہود وغیرہ تم جیسا ایمان لائیں۔ تو پھر ہدایت پائیں گے۔ اور اگر منہ موڑیں۔ یعنی تمہاری طرح ایمان نہ لائیں۔ تو یقیناً حق کے خلاف ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے ایمان کی تصدیق کی ہے۔ اور انکے ایمان کی مثل ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ تو ہم سب کو بھی چاہئیے۔ کہ صحابہؓ کے ایمان، اعتقادات، اور اعمال کی پیروی کریں، ان کے تعامل پر چلیں۔ کیونکہ وہ سب سنت کے نور میں گام فرسا تھے۔

ایمان بالغیب لازم ہے

ایمان بالغیب بھی ایمان باللہ کا جزو لاینفک ہے۔ آخرت میں نجات پانے والوں کی ایک صفت قرآن میں يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

بھی آئی ہے۔

قرآن نے جو ایمان بالغیب کا حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن باتوں یا چیزوں کو تم نہیں دیکھ سکتے، ان کی حقیقت اور صداقت پر خدا کے کہنے، یا رحمتِ عالم کے بتانے سے ایمان لے آؤ۔ کہ وہ حق ہیں۔ خواہ تمہاری عقل اور سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ تم آمنا و صدقنا کہو۔ مثلاً نکرین کا قبر میں آنا۔ برزخ کے حالات۔ بعث۔ روز قیامت، ملائکہ۔ آسمانی کتابوں۔ رسولوں۔ جنت۔ دوزخ۔ میزان۔ صراط۔ حوض کوثر، حور، قصور، انہار جنت، طوبیٰ، تقدیر الٰہی، عذابِ قبر۔ عذاب دوزخ، اور تمام احوالِ آخرت وغیرہ سب پر یقین کریں۔ کہ حق ہیں۔ اور بن دیکھے ایمان لانا، اور صرف اللہ تعالیٰ کے کہنے سے مان لینا ایمان کا بہت بڑا درجہ ہے۔

ایمان بالغیب کا بڑا ثواب ہے

امام ابن کثیرؒ نے ابوجمعہ رضؓ سے روایت کی۔ کہ ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کے ناشتہ میں شریک تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ بھی ہمارے ساتھ شریک تھے۔ تو عرض کیا۔ کہ اے اللہ کے رسولؐ، ہم سے بھی کوئی بہتر ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ایمان لائے اور آپ کے ساتھ جہاد کیا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ایک قوم ہے۔ جو تمہارے بعد آئے گی۔ وہ مجھ پر ایمان لائینگے۔ حالانکہ انہوں نے مجھ کو نہیں دیکھا۔ (رواہ احمد)

صالح بن جبیرؒ نے کہا۔ کہ ابوجمعہ انصاریؓ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے۔ رجا بن حیوۃ رضؓ بھی ہمارے پاس تھے۔ جب وہ واپس جاتے

لگے۔ تو ہم انہیں پہنچانے چلے۔ جب جدا ہونے لگے۔ تو فرمایا۔ تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہئے۔ سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں۔ جسے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ ہم نے کہا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ ضرور سناؤ۔ انہوں نے کہا۔ سنو! ــ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم دس آدمی تھے۔ معاذ ابن جبلؓ بھی تھے۔ ہم نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ــ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ آپ کی تابعداری کی، آپ نے فرمایا۔ تم کیوں نہ کرتے۔ خدا کا رسول تم میں موجود ہے، وحی خداوندی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا ہے۔ جو تمہارے بعد آئیں گے۔ دو پٹھوں کے درمیان کتاب پائیں گے، اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ یہ لوگ اجر میں تم سے دوگنے ہیں۔ (تفسیر ابن مردویہؒ)

حضرت بدیلہ بنت اسلم رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے۔ اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا۔ دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آکر خبر دی۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے۔ ہم سنتے ہی گھوم گئے۔ عورتیں، مردوں کی جگہ آگئیں۔ اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے۔ اور باقی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ شریف کی طرف ادا کیں۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہ لوگ ہیں، جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ (رواہ ابن ابی حاتمؒ)

معلوم ہوا۔ کہ بن دیکھے اللہ تعالیٰ پر۔ حضرت انور صلے اللہ علیہ وسلم،

ان کے احکام، فرامین، اخبار و احوال، اور احادیث پر ایمان لانا اور انہیں سچ جاننا بہت بڑے ثواب کا موجب ہے۔ اور یہ کہ ایمان بالغیب ایمان باللہ میں داخل ہے۔

ایمان باللہ کے لوازمات

لغت میں ایمان کے معنے ہیں سچا مان لینا۔ حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عبداللہ رضؓ کہتے ہیں۔ کہ ایمان تصدیق کو کہتے ہیں۔ اور جب ایمان اعمال کے ذکر کے ساتھ شامل ہو۔ تو اس وقت یقین کے معنے دیتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور جب مطلق ایمان کا ذکر ہو۔ تو مراد ایمان شرعی ہوگی۔ اور وہ اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعہ کو کہیں گے۔ اور یہی عنداللہ مقبول ہے۔ اور اسی پر اجماع ہے۔ کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں ایمان سے مراد ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ۔ کتابوں اور دوسرے رسولوں اور آخرت پر یقین کرنا، اور سچ جاننا۔ اور اعمال صالح سے وہ اعمال مراد ہیں۔ جو سنت کے مطابق ہوں۔ اور یہی اعمال قیامت کو کام آئیں گے۔

مثال کے طور پر وہی نماز مقبول ہوگی۔ اور موجب اجر ٹھیرے گی۔ جو بالکل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہوگی۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرما دیا ہے۔ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ یعنی نماز بالکل میری طرح پڑھو۔ اور اسی طرح دوسرے اعمال بھی۔ پیچھے آپ پڑھ آئے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ایمان

صحابہ رضؓ کی مثل لانا چاہتے۔ تو صحابہؓ نے اللہ تعالیٰ کو عقیدۂ توحید کے ساتھ مانا تھا۔ کہ وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ کوئی اس کی ذات اور صفات اور عبادات میں شریک نہیں۔ صحابہؓ نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ بھی مانا ہوا تھا۔ اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت جانتے تھے اور حضورؐ کی سنت کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اور سب صحابہؓ اللہ کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں، تقدیر الٰہی، برزخ کے حالات، مرکے جی اٹھنا، قیامت، میزان، صراط، حوض، جنت، دوزخ، دیدار الٰہی۔ ان سب باتوں پر یقین رکھتے تھے۔ تو ہر مسلمان کو جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ صحابہؓ کی مانند ان سب باتوں کو بھی ماننا اور سچ جاننا ضروری ہے۔

مشرکین مکہ بھی اللہ کو مانتے تھے

مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تھے، وہ کہتے تھے۔ کہ یہ آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے اللہ نے بنائے ہیں۔ اللہ نے ہی ہم سب کو پیدا کیا ہے۔ وہی آسمان سے بارش اتارتا اور زمین سے اناج اگاتا ہے ہمارے کان، اور آنکھیں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ وہی زندے کو مردے سے نکالتا، اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے۔ اور تمام دنیا کا انتظام وہی چلا رہا ہے۔ وہی ساتوں آسمانوں، اور عرش عظیم کا مالک ہے، اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے۔ وہ جس کو چاہے پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ ان کا دعوےٰ تھا کہ وہ ابراہیمی دین پر ہیں۔ اور وہ اس مسخ شدہ دین کے مطابق عمل بھی کرتے تھے۔ صدقات وخیرات بھی دیتے تھے۔ وہ اپنے نکاحوں

ہیں خطبے پڑھتے تھے۔ جن میں اللہ تعالےٰ کی حمد، اور بڑائی ہوتی تھی۔ وہ خانہ کعبہ کی تعمیر بھی کرتے تھے۔ آبِ زمزم پیتے، اور لوگوں کو پلاتے تھے۔ بیت اللہ کا طواف بھی کرتے۔ صفا مروہ کی سعی بھی۔ عرفات میں جاتے، اور منیٰ میں قربانیاں بھی ذبح کرتے تھے۔ غرض حج کرتے تھے۔ الحاصل وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ لیکن با ایں ہمہ وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک لاتے تھے۔ لات اور عزیٰ کو اللہ کی جناب میں اپنے سفارشی بناتے تھے۔ اور انہیں اللہ کے حکم اور اجازت سے متصرف الامور مانتے تھے۔ تین سو ساٹھ بزرگوں، اور نیک لوگوں کے بت بنا کر ان کو باذن اللہ حاجت روا اور مشکل کشا جانتے تھے۔ اللہ کے نام کی نذر نیاز دیتے، اور ساتھ ہی اللہ کے شریکوں کے نام کی بھی نذر نیاز دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں سوا ان کے کہ جن کو اس نے آپ اختیار دے کر اپنے شریک بناتے ہیں۔ اس کے بنائے بغیر کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ وہ ان شریکوں کی نذر نیاز دیتے ان کے آگے سجدے کرتے۔ ان کے نام پر جانور ذبح کرتے۔ ان سے حاجتیں طلب کرتے۔ اور ان کو باذن اللہ مشکل کشا مانتے تھے، اور اسی طرح اور شرک کے کام کرتے تھے۔ چونکہ ان کا اللہ پر ایمان مشرکانہ تھا اس لئے اللہ نے فرمایا۔ اَعۡمَالُهُمۡ كَرَمَادِ ۨ" ان کے اعمال مانند راکھ کے ہیں" (قرآن) — وہ لوگ شرک کی حمایت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ برس مکہ میں برسرپیکار رہے۔ اور حضورؐ کے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ منورہ میں بھی ان سے، پہلی جنگ، بدر کے میدان میں ہوئی — وہاں شرکیہ ایمان والے ستّر قریشی سردار مارے گئے۔

اور جہنم میں چلے گئے۔ دس برس تک حضورؐ سے یہ مشرک لوگ شرک کی پاسداری میں نبرد آزما رہے۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ شرک پر توحید غالب آئی۔ اور اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

قارئین کرام غور کریں۔ کہ مشرکین مکہ کا ایمان باللہ چونکہ شرک آمیز تھا اس لئے ان کے کچھ کام نہ آیا۔ نیست و نابود اور کالعدم ہو گیا۔ لہذا مسلمان بھائیوں کو چاہیئے۔ کہ شرکیہ عقیدوں کے ساتھ اللہ پر ایمان نہ لائیں۔ بلکہ عقیدہ توحید کے ساتھ اللہ کو مانیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا یہی مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ذات واحد معبود برحق ہے۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وَ نُؤْمِنُ بِهٖ کا ترجمہ یہی ہے۔ کہ ہم اس پر عقیدۂ توحید کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ ؎

مجھ سے نہ کہو فسانۂ قیس
دیوانے کو ایک ہُو بہت ہے (امیر مینائی)

ایمان اسلام کے آئینہ میں

یہاں تک تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا بیان ہوا ہے۔ دین اسلام میں ایمان کا جو عام مطلب اور مفہوم ہے۔ اب ہم اس کی تفصیل لکھتے ہیں شریعت میں ایمان سے مراد ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ یقین کریں۔ کہ سب حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحیح احادیث میں جو کچھ فرمایا ہے۔ بلاشبہ وہ سچ ہے۔ قال اللّٰه اور قال الرسول کی حقانیت اور صداقت بدن کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے۔ ہڈیوں

میں رچ جائے۔ منزّل من اللہ کی تصدیق اور تسلیم یقین کے نقطۂ عروج کو پالے۔

حدیثِ جبریلؑ حضرت عمرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ اچانک ایک آدمی آ گیا۔ اس کے بال نہایت سیاہ اور کپڑے بہت سفید تھے۔ اس پر کوئی سفر کا نشان (گرد و غبار وغیرہ) بھی نظر نہ آتا تھا۔ اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہ تھا۔ حضور انورؐ کے سامنے وہ دو زانوں ہو کر (بڑے ادب سے) بیٹھ گیا اور کہنے لگا:۔

يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِي عَنِ الْاِسْلَامِ۔ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) خبر دو مجھ کو اسلام سے؟

حضورؐ نے فرمایا:۔ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

"فرمایا اسلام یہ ہے۔ کہ گواہی دے تو یہ کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور گواہی دے کہ محمدؐ بھیجے ہوئے اللہ کے ہیں۔ اور پڑھے تو نماز (اچھی طرح سنت کے مطابق) اور دے تو زکوٰۃ۔ اور روزے رکھے رمضان کے۔ اور حج کرے خانہ کعبہ کا، اگر طاقت رکھے تو اس کی طرف راستے کی۔"

اس جواب پر اس شخص (سائل) نے کہا۔ صَدَقْتَ۔ سچ کہا تو نے۔

(یعنی بالکل ٹھیک جواب دیا تو نے)۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے تعجب کیا اس شخص پر۔ کہ (عجیب سائل ہے) سوال کرتا ہے اور ساتھ ہی تصدیق کرتا ہے حضورؐ کی !!

پھر اس شخص نے پوچھا :-

فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ ۔ خبر دیجئے مجھ کو ایمان سے ؟

قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ ۔

حضورؐ نے فرمایا ۔ یہ کہ ایمان لائے تو ساتھ اللہ کے۔ (عقیدہ توحید کے ساتھ) اور اس کے فرشتوں کے، اور اس کی کتابوں کے، اور اس کے رسولوں کے، اور دن آخرت کے، اور ایمان لائے تو ساتھ تقدیر کے اس کی بھلائی اور اس کی برائی کے۔"

پھر اس شخص نے پوچھا۔

فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ۔ خبر دیجئے مجھ کو احسان سے (یعنی نیکی کیا ہے)۔

قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ۔

حضورؐ نے فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ عبادت کرے تو اللہ کی گویا کہ تو دیکھتا ہے اس کو۔ پس اگر نہیں دیکھ سکتا تو اس کو (تو اتنا یقین تو کر) کہ وہ (بصیر) دیکھتا ہے تجھ کو۔"

پھر اس شخص نے پوچھا۔

فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ۔ خبر دیجئے مجھ کو قیامت سے ؟ (کہ کب آئے گی)

قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ۔

حضورؐ نے فرمایا۔ مسئول قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے۔ (یعنی میں اور تم، دونوں قیامت کے نہ جاننے میں برابر ہیں)۔

پھر اس شخص نے پوچھا۔

فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا ۔ خبر دیجئے مجھ کو قیامت کی نشانیوں سے ؟

قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَ اَنْ تَرَی الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ ۔

حضورؐ نے فرمایا۔ نشانی قیامت کی یہ ہے۔ کہ جنے گی لونڈی اپنے مالک کو۔ اور دیکھے گا تو ننگے پاؤں والوں کو۔ ننگے بدن والوں کو، مفلسوں کو، بکریاں چرانے والوں کو، فخر کریں گے عمارتوں میں "

حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ پھر وہ شخص (سائل) چلا گیا ــــ اور میں دیر تک حضورؐ کے پاس ٹھیرا رہا۔ (اس خیال سے کہ حضورؐ بتائیں کہ یہ عجیب سائل کون تھا)۔

پس فرمایا حضورؐ نے اے عمرؓ! کیا جانتا ہے تو کہ کون تھا سائل؟

— میں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اور (اللہ کے بتانے سے) اس کا رسول زیادہ جاننے والا ہے۔

قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِیْلُ اَتٰکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ ۞

(صحیح مسلم شریف۔ کتاب الایمان)

"حضورؐ نے فرمایا۔ وہ شخص جبرئیل تھا۔ وہ تمہیں تمہارا دین سکھانے آیا تھا"

اسلام کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو لوگوں کو دین کی تعلیم دینے کی خاطر بھیجا۔ اس نے لوگوں کی مجلس میں حضورؐ سے سوال کئے اور حضورؐ نے سب کے روبرو جواب دیئے۔ ان جوابات سے نہ صرف ایمان کا مطلب ہی واضح ہوا۔ بلکہ اسلام کے اور بہت سے اصول بھی روشن ہوئے۔

اقرار توحید و رسالت

ارشاد نبویؐ کی روشنی میں اسلام یہ ہے۔ کہ دل کی تصدیق کے ساتھ زبان سے اقرار کرنا۔ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کسی کے لئے سجدہ، قیام، رکوع، طواف، اعتکاف، نذر نیاز جائز نہیں۔ وہی حاجت روا، مشکل کشا، عالم الغیب، حاضر ناظر ہے۔ قولی بدنی، مالی عبادت کا تنہا وہی حقدار ہے۔ لاچاریوں، بے بسیوں مصیبتوں اور بلاؤں کو وہی ٹالنے والا، اور دور کرنے والا ہے۔ کوئی اس کی ذات اور صفات میں شریک نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کو عقیدۂ توحید کے ساتھ ماننا۔

توحید خداوندی کے ساتھ اس بعد از خدا بزرگ ہستی کو اللہ کا

رسول ماننا۔ جنہوں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی صدا بلند کرکے دنیا میں توحید خالص پھیلائی۔ شرک کا قلع قمع کرکے صرف ذات واحد کے آگے خلقت کو جھکایا۔ وہ ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم!

نماز پنجگانہ

توحید و رسالت کے اقرار کے بعد نماز پنجگانہ کا سنت کے مطابق ادا کرنا۔ یہ یاد رہے۔ کہ ہر عمل کی قبولیت کے لئے عمل کا اسوۂ رسولؐ کے عین مطابق ہونا شرط ہے ہو بہو سنت کے مطابق ہوگا۔ تو قبول ہوگا۔ ورنہ میزان میں رکھا ہی نہ جائے گا۔ لہذا نمازیں بڑے اطمینان، آرام سے ٹھیر ٹھیر کر ادا کرنی چاہئیں۔ رکوع۔ سجدہ۔ قومہ۔ جلسہ۔ نماز کے ارکان ہیں اور فرض ہیں۔ ان کو آرام سے ٹھیر ٹھیر کر ادا کریں۔ اور جو شخص نماز ہی نہیں پڑھتا۔ اس کا اسلام کالعدم ہے۔ صحیح حدیث میں حضورؐ نے فرمایا ہے۔ نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز قائم کی۔ اس نے دین کو قائم کیا۔ اور جس نے نماز چھوڑ دی۔ اس نے دین کو گرا دیا۔ یہاں تک ارشاد نبویؐ ہے۔ کہ جس نے عمدًا نماز ترک کی۔ وہ کافر ہو گیا۔"

زکوٰۃ دینا

تیسری چیز حضورؐ نے زکوٰۃ بتائی۔ صاحب نصاب آدمی کو اپنے مال سے زکوٰۃ ضرور نکالنی چاہئے کہ زکوٰۃ فرض ہے۔ رحمتِ عالمؐ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے کچھ انکار کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اُن سے جہاد اور قتال کیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ راہِ راست پر آ گئے۔ اور زکوٰۃ ادا کردی۔ جہاد اور قتال کافروں سے کیا جاتا ہے۔ سمجھ لیں۔ کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمان نہیں رہتے۔ اسی لئے خلیفہ برحق نے ان کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ کہ ان کو

مسلمان نہ سمجھا تھا۔

روزۂ رمضان

چوتھی چیز اسلام کی بنیاد — روزہ فرمایا۔ روزہ فرض ہے۔ اس کا تارک دوزخ کے لائق ہے۔ جو روزہ نہیں رکھتا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کیا ہے؟ کے جواب میں حضورؐ نے روزہ رکھنا بتایا۔ معلوم ہوا۔ دوسرے ارکان کی طرح روزہ بھی اسلام کا رکن اور بنیاد ہے۔ پس عدم روزہ کو عدم اسلام لازم ہے۔

حجّ کی فرضیت

پانچویں چیز حجّ ہے۔ حج کے لئے راستہ کی استطاعت شرط ہے۔ یعنی حج کا خرچ فراغت کے ساتھ میسّر ہو۔ مرض حابس نہ ہو — راستے کا امن ہو۔ جو پیچھے رہیں۔ ان کو دو تین ماہ کا خرچ دیا جائے۔ جب یہ سب باتیں یا شرطیں پوری ہوں۔ تو پھر جو شخص حج نہ کرے۔ اس کے لئے حضورؐ نے فرمایا ہے مرے وہ یہودی یا نصرانی۔ یعنی دیدہ دانستہ سب شرطیں پوری ہوتے ہوئے پھر جو کوئی حج نہ کرے۔ وہ اسلام پر نہیں ہے۔ غیر اسلام زندگی گزارتا ہے۔

یہ پانچوں باتیں جب جمع ہوں۔ تو اس کا نام اسلام ہے۔ جس میں یہ پانچ باتیں موجود ہیں۔ وہ مسلمان ہے۔ یہ ہے عملی اسلام۔ اللہ تمام مسلمانوں کو نصیب کرے۔

ایمان کی تفصیل

ایمان کی تعریف اور تشریح یہ بتائی۔ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ اس کی ازلی، ابدی، حی، قیوم ہستی کو اس طرح مانو۔ کہ کوئی اس کی ذات اور صفات

میں شریک نہیں۔ اور فرشتوں کو بھی ماننا ہے۔ کہ اللہ کے فرماں بردار نورانی بندے ہیں۔ اور منزّل من اللہ کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ کہ وہ اللہ کا کلام قدیم ہے۔ اللہ نے وہ کتابیں اپنے رسولوں پر اتاریں۔ ان سب میں قرآن مجید افضل ہے۔ اور سب کتابیں ایک سو چار (۱۰۴) ہیں۔ چار تو مشہور ہیں۔ جو بڑی ہیں۔ تورات۔ انجیل۔ زبور۔ اور قرآن، ــ اور سَو اور چھوٹی۔ یعنی صحیفے ہیں۔ جو مختلف پیغمبروں پر نازل ہوئے تھے۔

اور رسولوں پر بھی ایمان لائیں۔ کہ اللہ نے ان کو خلقت کی ہدایت کے لئے اپنے پیغامات دے کر بھیجا تھا۔ وہ گناہوں سے پاک تھے۔ جن کی نبوت اور رسالت قرآن اور حدیث سے ثابت ہو۔ ان کو مانیں۔

اور یوم آخر۔ یعنی قیامت کے دن پر بھی ایمان لائیں۔ کہ قیامت کا انکار کفر ہے۔ اور جو کچھ قیامت کے احوال کے بارے میں قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ سب کو مانیں عذاب قبر۔ بعث۔ حشر۔ نشر میزان۔ حوض۔ صراط۔ حساب کتاب۔ جنت۔ دوزخ۔ جنت کی نعمتیں۔ اور دوزخ کے عذاب ــ سب کو حق یقین کریں۔ اور تقدیر پر بھی ایمان لانا لابدی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ روز ازل کو اپنے علم غیب سے لکھ دیا ہے۔ اور اللہ کے اسی لکھے کے مطابق ہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ نیکی اور بدی بھی لوح میں مرقوم ہے۔ جس جس طرح خیر اور شر نے ظہور پذیر ہونا ہے۔ اس کا اللہ کو علم ہے۔ اس علم کے مطابق سب نیکی اور بدی قلم نے لکھ دی

ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ نیکی سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ اور بدی سے ناراض۔ کیونکہ اس نے اوامر کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور نواہی سے اجتناب کرنے کا۔ اور بندہ کو کرنے اور نہ کرنے میں دخل ہے۔ نیکی کرنے پر اپنے فضل سے ثواب اور اجر دے گا۔ اور بدی کے ارتکاب پر عدل فرمائے گا۔ خوب یاد رکھیں۔ کہ تقدیر کا منکر مسلمان نہیں۔ حدیثِ مشکوٰۃ میں رحمتِ عالم ؐ نے فرمایا ہے۔ تقدیر کے منکر کی نہ عیادت کرو۔ مرجائیں۔ تو ان پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھو۔

احسان کا مفہوم

اور احسان یہ ہے۔ کہ عبادت کرے تو اللہ کی گویا کہ دیکھتا ہے تو اس کو۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اتنی محبت کرے۔ کہ ہر وقت اس کا خیال۔ دل میں رہے ـ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، اللہ کے دھیان میں ایسا غرق ہو جائے۔ کہ سوائے ذاتِ حق کے کچھ نظر نہ آئے۔ عبادت میں وہ رنگ جمے، کہ فانیات ناپید ہو کر باقی ذات آنکھ میں سمائی ہو رحمتِ عالم ؐ کے ارشاد کَاَنَّکَ تَرَاہُ سے یہ مقصود ہے کہ عبادت میں نہایت اخلاص اور حد درجہ خضوع و خشوع ہو۔

پھر جس کو یہ مقامِ مشاہدہ اور استغراق نصیب ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت و خشیت، اور عظمتِ و جلال کی بارش ہوتی ہے اور بندہ حضوری ہو جاتا ہے۔ وحدۃ الشہود کا یہ بلند درجہ انبیاء اور اولیاء اللہ کو میسّر آتا ہے۔ ؎

جمالِ یار جب پیشِ نظر ہو!
تو اس دل میں کسی کا کب گزر ہو

دوسری صورت رجوع الی اللہ کی (یعنی احسان کی) حضورؐ نے یہ بتائی۔ کہ اگر تو (آفاق و انفس کے آئینہ میں) اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ مرتبہ تجھ کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو کم از کم اتنا تو کر کہ۔ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔ یعنی وہ حاضر ناظر ہے۔ اس کی نظر تیرے دل اور تیرے اعمال پر ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی تو اس کی خبر، اور نظر سے اوجھل نہیں۔ وہ ہر وقت تیرے ساتھ ہے۔ جب تیرے ایمان کی یہ کیفیت ہو جائے گی۔ تو پھر اللہ کا ڈر اور ہیبت تجھے ہر وقت لرزہ بر اندام رکھے گی۔ اور تو تمام حرکات و سکنات میں نہایت محتاط رہے گا۔ عبادت میں بھی خلوص و خشوع ہو گا۔ اور نافرمانیوں سے بھی بچے گا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اسلام۔ ایمان۔ احسان۔ اسلام میں احکام اور اعمال کا ذکر ہوتا ہے۔ اور ایمان کا عقائد سے تعلق ہوتا ہے۔ اور احسان سے خضوع خشوع اور معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے۔ تو خدا رسی کے لئے عقیدہ۔ عمل۔ اور خلوص و خشوع ضروری ہیں۔

یاد رہے۔ کہ اگر عقیدہ درست نہ ہو۔ یعنی عقیدہ شرکیہ ہو۔ تو تمام اعمال بے کار و بے سود ہیں۔ جب اعمال بے سود ہوئے تو خلوص و خشوع یعنی احسان بے معنی ہوا۔

ارشاد نبویؐ۔ کہ "جنے گی لونڈی اپنے مالک کو" مطلب یہ ہے کہ لونڈی جو بچہ جنتی تھی۔ وہ اس کا وارث اور مالک ہوتا تھا۔ الحمد للہ! کہ اسلام نے لونڈیوں کی خرید و فروخت کو رفتہ رفتہ ختم کر دیا۔ ننگے

پاؤں، ننگے بدن، مفلس اور بکریاں چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے۔ اور فخر کریں گے۔ یہ آثارِ قیامت سے ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم پر کروڑوں درود و سلام، آپ اللہ کے سچے رسول تھے۔ ان کی زبان سے حق ہی نکلا ہے؛

دیکھ لیجئے۔ ننگے پاؤں اور ننگے سروالے، بکریاں چرانے والے، غریب اور حد درجہ مفلس عرب آج بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنا کر ان میں شاہانہ طور سے رہ رہے ہیں۔ کویت، بحرین، اور دوسری متعدد عرب ریاستوں میں محلات میں رہنے والے عربوں کا حالِ تعیش ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ سعودی عرب میں وہ عرب جو نانِ شبینہ کے محتاج ہوتے تھے۔ آج سر بفلک عمارتوں میں رہائش پذیر ہیں۔ مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فلک بوس عمارتیں، اور ہوٹل تو ہم اپنی آنکھ سے دیکھ آئے ہیں۔ مسجد الحرام سے قریب ہی شبرا ہوٹل متعدد منزلوں میں آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ یہ سب کچھ عربوں کی تعمیر و ترقی کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ ایسے ہی اور بہت سے مکانات، اور ہوٹل مکہ مکرمہ، اور منیٰ شریف میں بھی موجود ہیں۔ معلّموں کے محلات بھی قابلِ دید ہیں۔ جن لوگوں کی یہ سب نظر فریب عمارتیں، اور خوب صورت محلات ہیں — یہ، یا ان کے آباء ہی تو تھے — جو بوجہ افلاس و غربت تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہ رکھتے تھے۔ ننگے سر اور ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے، بڑے مفلس بکریاں چرانے والے تھے۔ پر آج ان کی مال و دولت کا شمار مشکل ہے صدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سچ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے، کہ حفاۃ۔ عُراۃ۔ عالہ۔ رعاء الشاء بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے،

اور فخر کریں گے۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے اپنے ہاں لوگوں کو دیکھا ہے۔ جو بڑے تنگ دست، مفلس اور مفلوک الحال تھے۔ لیکن آج کویت۔ بحرین اور سعودی عرب گئے ہوئے ہیں۔ اور لاکھوں پتی ہیں۔ اور وطن میں انکی کوٹھیاں اور بنگلے، رحمتِ عالم ﷺ کی زبان کی صداقت کی گواہی دے رہے ہیں۔

قیامت کا کسی کو علم نہیں

پھر سائل نے پوچھا۔ حضورؐ! خبر دیجئے مجھ کو قیامت سے؟

حضورؐ نے فرمایا۔ قیامت کے نہ جاننے میں مسئول، سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ یعنی قیامت کے قائم ہونے کا نہ مجھے علم ہے۔ نہ تجھے۔ ہم دونوں نہیں جانتے۔ کہ قیامت کب آئے گی۔

پانچ غیب کی باتیں

قرآن مجید میں قیامت کے علم کے علاوہ چار اور باتوں کا ذکر بھی ہے۔ کہ ان سب کا علم سوائے اللہ تعالٰے کے اور کسی کو نہیں ہے۔ سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (پ ۲۱ ع ۱۳)

"بیشک اللہ ہی ہے جس کو قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی (ایک مقرر وقت پر جس کو سوا اس کے کوئی نہیں جانتا) مینہ برساتا ہے۔ اور (نر مادہ) جو کچھ (ماؤں

کے) پیٹ میں ہے (وہی) اس کو جانتا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا۔ کہ (وہ خود) کل کیا کرے گا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا۔ کہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ ہی (سب باتوں کا) جاننے والا، باخبر ہے"

۱۔ قیامت کب آئے گی ؟
۲۔ بارش کب ہو گی ؟
۳۔ ماؤں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ ؟
۴۔ کوئی کل کیا کرے گا ؟
۵۔ کوئی کس زمین میں مرے گا ؟

ان پانچوں باتوں کو سوائے اللہ کے اس کی تمام مخلوق میں سے کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ یہ غیب کی باتیں ہیں۔ اور غیب کا علم اللہ کا خاصّہ ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ پانچ باتیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر حضورؐ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔

بخاری شریف میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا یہ پانچ غیب کی کنجیاں ہیں۔ جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا

مسئلہ غیب کے متعلق قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (پ۲۰ ع۱)

"اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ان میں غیب (کی بات) کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا۔ کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ پھر جو شخص یہ کہے۔ کہ پیغمبر یا اولیاء غیب جانتے ہیں۔ وہ قرآن کو جھٹلانے والا ہے۔ کیونکہ قرآن کے صریح خلاف کہتا ہے۔

رحمتِ عالمؐ بھی غیب نہیں جانتے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس سے بڑھ کر کوئی اللہ کا مقرب نہیں ہے۔ درجے اور مرتبے میں آپ جیسی ہستی نہ اللہ نے بنائی۔ اور نہ بنائے گا۔ آپ کی شان جیسا نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی ماں نے جنا ہے۔ ان ہی رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ و سلم کی زبان اقدس سے اللہ اقرار کرواتا ہے۔ کہ کہہ دیجئے، کہ میں غیب نہیں جانتا۔ ارشاد خداوندی ہے:-

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۷ ع ۱۱)

"کہہ (اے پیغمبرؐ) میں نہیں کہتا تم سے، کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اسی (حکم)

پر چلتا ہوں۔ جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ کہہ (اے پیغمبرؐ) کیا اندھا اور دیکھنے والا (دونوں) برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سوچتے"

اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:۔

(۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں۔

(۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے۔

(۳) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرشتہ نہیں ہیں۔

(۴) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صرف وحی کی پیروی کرتے ہیں۔

(۵) نابینا اور بینا دونوں برابر نہیں ہیں۔

(۶) ان باتوں پر غور و فکر کرو۔

سرورِ عالمؐ کے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں

اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے اقرار کروایا۔ کہ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ۔ کہہ دیجئے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔

مطلب واضح ہے۔ کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں، کہ تمہیں مالا مال کردوں۔ مال۔ دولت۔ خزانے۔ رزق، اناج۔ کپڑا۔ ہر چیز کے خزانے اللہ کے پاس ہیں۔ اور وہ اپنی مرضی سے جتنا جتنا چاہتا ہے۔ لوگوں کو دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ

اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (پ۱۴ ع ۲)

"اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے خزانے ہیں مگر ہم ایک اندازۂ معلوم کے ساتھ ان کو (مخلوقات کے لئے) بھیجتے رہتے ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے۔ کہ ہر ایک چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں۔ ہم ان میں سے جتنا جتنا مناسب سمجھتے ہیں۔ لوگوں کو دیتے رہتے ہیں۔ تو رسولِ رحمت ﷺ کی زبان سے اللہ نے سچ نکلوایا۔ کہ کہہ دیجئے۔ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں۔ ثابت ہُوا۔ کہ ہر چیز کے خزانے صرف اللہ کے پاس ہیں۔ حضورؐ کے پاس نہیں۔ پھر یہ عقیدہ سراسر قرآن کے خلاف ہے۔ کہ حضورؐ رزق تقسیم کرتے ہیں۔ یا کسی کو گنج بخش کہنا سراسر آیت مذکورہ کے برعکس ہے۔ حضور پُرنورؐ کے متعلق تو خدا نے فرمایا ہے:۔

وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ○ (پ۳۰ ع ۱۸)

"اور پایا (اللہ نے) تجھ کو مفلس پس غنی کیا۔"

صاف ارشاد خداوندی ہے۔ کہ اے میرے پیارے رسولؐ! اللہ نے تجھ کو فقیر، مفلس پایا۔ پس اس نے تجھ کو غنی کر دیا۔ ثابت ہُوا کہ خزانے صرف اللہ ہی کے پاس ہیں۔ حضورؐ کے پاس نہیں۔ کیونکہ جس کے پاس خزانے ہوں۔ وہ عائل، یعنی مفلس نہیں ہوتا۔

پس ہر نعمت، اور ہر قسم کی نعمت صرف اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔ شکم مادر سے لے کر اس وقت تک تمام ضروریاتِ زندگی صرف اللہ ہی بخشتا ہے۔ اور اس کی عطا، اور بخشش میں کوئی شریک

نہیں۔ وہ تنہا عطا کرتا ہے۔

رحمت للعالمینؐ پر اللہ کا فضل

وصولِ رحمتؐ کے پاس بھی جتنی روحانی، جسمانی، اور مادی نعمتیں تھیں۔ سب کی سب صرف اللہ کی عطا کردہ تھیں۔ خدا نے فرمایا ہے:۔

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (پ۵ ع ۱۴)

"اور تجھ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔"

پس اللہ کے فضل عظیم سے ہی آپ نبوت کے عظیم الشان مرتبہ پر پہنچے۔ اس کے فضل نے ہی ختم نبوت کا ہیرا، تاجِ رسالت یں جڑا۔ محض فضلِ الٰہی سے ہی آپ کو رحمتیں، برکتیں، بزرگیاں، اور تبلیغی کامیابیاں حاصل ہوئیں، ہر قسم کی نعمتوں کے پھل بھی حضورؐ نے اللہ ہی کے فضل کے ہاتھوں کھائے۔ پیدائش مبارک سے لے کر رفیق اعلیٰ کی ملاقات تک حضورؐ اللہ کے فضل و کرم، اور عطا اور بخشش کے سمندر میں نہاتے رہے۔ تمام زیست اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا چتر آپ کے سر پر سایہ فگن رہا۔ ایک ثانیہ کے لئے بھی سرورِ کائنات اللہ تعالیٰ کی احتیاج سے مستغنی نہ ہوئے۔

دین میں غلو کی ممانعت

یاد رکھیں۔ کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ سے متعلق ایسے عقیدے نہیں گھڑنے چاہئیں۔ اور نہ خود ساختہ شانیں۔ اور درجے انہیں دینے چاہئیں۔ جو قرآن اور حدیث کے خلاف ہوں۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ (پ۶ ع ۳)

"اپنے دین میں غلو نہ کرو۔"

یہود نے محبت کی ترنگ میں حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔ اور نصاریٰ نے جوش عقیدت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کا درجہ دے دیا۔ اور بعض نے کہا۔ کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ اللہ نے فرمایا۔ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ۔ اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ ایسی زیادتیاں نہ کرو۔ تو مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ وہ حضورؐ اور دیگر اولیاء اللہ کے بارے میں غلو نہ کریں اور گھڑلیو شانوں اور درجوں سے ان کو نہ نوازیں۔ کیا اللہ نے ان کی شان میں کمی رکھی تھی۔ جو یہ پوری کرتے ہیں۔

تو یہ سراسر غلو ہے۔ کہ حضورؐ غیب جانتے ہیں۔ اللہ نے صاف فرما دیا ہے۔ کہ آسمانوں، اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اور خود حضورؐ کی زبان مبارک سے کہلوا دیا ہے وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ اور میں غیب نہیں جانتا۔ پھر یہ کہنا۔ کہ حضورؐ غیب جانتے ہیں۔ سراسر قرآن کے خلاف ہے۔ بلکہ قرآن کی تردید ہے۔

پھر غالی یہ بھی کہتے ہیں "اللہ ہے معطی اور آپ ہیں قاسم۔ دینے دلاتے سبھی کو یہی ہیں" یعنی اللہ نے آپ کو سب رزق عطا کر دیا ہے۔ اور حضورؐ سب کو تقسیم کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی سراسر قرآن کے خلاف ہے۔ آپ پیچھے آیت پڑھ آئے ہیں۔ کہ ہر چیز کے خزانے اللہ کے پاس ہیں۔ اور اللہ بقدر معلوم ان میں سے اتارتا ہے یعنی جتنا جتنا مناسب سمجھتا ہے۔ اتنا اتنا مخلوق کو دیتا ہے۔ تو دین میں غلو نہ کریں۔ غلو سے اللہ ناراض ہوتا ہے، اور اللہ کی ناراضی سے ڈرنا چاہیئے۔ یہود و نصاریٰ نے دین میں غلو کیا۔ ان کا انجام

دیکھیں۔ اور عبرت پکڑیں۔ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور رزق صرف اللہ ہی اپنی مرضی سے جتنا چاہیے۔ بندوں کو دیتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کے خزانے اس کے پاس ہیں۔ ان پر کوئی غیر اللہ مختار نہیں۔

اللہ جتنا چاہے علم غیب دیتا ہے

یہ بات قرآن سے ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جتنا چاہے۔ علم غیب نبیوں کو عطا کرتا ہے۔ اس عطائے علم غیب سے کسی کو انکار نہیں۔ تو جس کو علم غیب بتایا جائے۔ وہ عالم الغیب نہیں کہلاتا۔ اللہ نے جتنا چاہا۔ حضور سرورِ کائنات ؐ کو غیب کا علم بتایا۔ اور جو نہ چاہا نہ بتایا۔ کیوں بتایا اس لئے کہ وہ نہ جانتے تھے۔ اگر وہ غیب کا علم جانتے ہوتے۔ تو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ — سورۃ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے:۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

"ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر بہت اچھی طرح بیان کرنا۔ اس طرح سے کہ وحی کیا ہم نے تیری طرف یہ قرآن، اور تحقیق تھا تو پہلے اس سے البتہ غافلوں سے۔"

یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے قرآن کے ذریعہ تجھ کو حضرت یوسف علیہ السلام کا سارا حال بتایا ہے۔ اور ہمارے بتانے سے قبل تو غافل تھا۔ بے خبر تھا۔ تو بتایئے۔ کہ جو غیب جانتا ہو۔ وہ بے خبر یا غافل ہو سکتا ہے۔ نہیں؟ معلوم ہوا۔ حضورؐ غیب نہیں جانتے تھے۔

اللہ نے بذریعہ وحی حضورؐ کو یہ غیب بتایا۔ خوب یاد رکھیں کہ اللہ کے بتانے سے جو غیب جانے۔ وہ غیب جاننے والا نہیں ہو سکتا نہ عالم الغیب کہلا سکتا ہے۔

اسی طرح قرآن اور حدیث میں، اور بہت سے واقعات ایسے ہیں جو صرف اللہ کے بتانے سے حضورؐ نے جانے ہیں۔ بغیر اللہ کے بتائے آپ نہیں جانتے تھے۔ ثابت ہُوا۔ کہ ذاتی غیب صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا۔ عطائے غیب پر کسی کو غیب جاننے والا نہیں کہتے۔ کسی درویش نے خوب کہا ہے۔ ؎

علم غیبی کس نمی داند بجز پروردگار
ہر کہ گوید من بدانم تو ازو باور مدار
مصطفٰی ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرئیل
جبرائیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

تیسری بات آیت مذکور میں یہ ہے۔ کہ "میں نہیں کہتا۔ کہ میں فرشتہ ہوں" یعنی حضورؐ فرشتہ نہیں۔ بلکہ بشر ہیں۔ سید البشرؐ ہیں۔ رسول ہیں۔ سید الرسلؐ ہیں۔ سید ولد آدم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

چوتھی بات یہ ہے۔ کہ "حضورؐ صرف وحی کی پیروی کرتے ہیں" یعنی جو باتیں وحی سے معلوم ہوتی ہیں۔ ان چلتے ہیں۔ اور لوگوں کو بھی چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ اسی آیت میں جو باتیں اوپر مذکور ہیں۔ وہ وحی ہے؛ اور اس وحی پر عمل کرنا یعنی ان پر ایمان لانا قرآن پر ایمان لانے کے مترادف۔ اور ان کے خلاف کہنا قرآن کا خلاف ہے۔

نابینا اور بینا برابر نہیں

پانچویں بات یہ ہے۔ کہ " نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔" مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن اور حدیث کی دلیل سے بات کرتا ہے۔ وہ بینا ہے۔ اور جو بلا دلیل، رطب و یابس سناتے جاتا ہے۔ وہ نابینا ہے۔ تو جس طرح اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہیں۔ اسی طرح آیت کی سند سے بات کرنے والا، اور بلا دلیل قرآن بولنے والا ــــ برابر نہیں ہیں۔ ایک بینا ہے دوسرا نابینا۔

چھٹی چیز آیت میں یہ ہے۔ کہ " ان باتوں پر غور کرو"۔ یعنی پانچ باتیں جو اوپر آیت میں مذکور ہیں۔ ان پر غور کرو۔ ان کی صداقت پر ایمان لاؤ۔ اور ان کی تردید نہ کرو۔ ان کے خلاف نہ کہو، کہ ایمان برباد ہو جائے گا۔

حلاوتِ ایمان

حضرت انس رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ثَلٰثٌ مَّنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ بِھِنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوٰھُمَا ط

" تین چیزیں ہیں۔ جس میں یہ ہوں۔ پایا اس نے بسبب ان کے مزہ ایمان کا۔ وہ شخص کہ ہو اللہ اور اس کا رسول بہت محبوب طرف اس کی اس چیز سے کہ سوا ان دونوں کے ہے۔"

وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ ط

" اور وہ شخص کہ دوست رکھے کسی بندے کو۔ مگر

واسطے اللہ کے۔"

وَمَنْ يَّكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ ط (بخاری۔ مسلم)

"اور وہ شخص کہ ناخوش رکھے پھر جانا کفر میں، پیچھے اس کے کہ نکالا اس کو اللہ نے اس کفر میں سے، جیسا ناخوش رکھتا ہے۔ گرنا آگ میں۔"

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو دوست رکھنا ہر چیز سے بڑھ کر حلاوتِ ایمان کا موجب ہے۔ اور ان کی دوستی اور محبت کا عملی ثبوت یہ ہے۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے روبرو ہر ماسواھما گرد راہ ہو جائے۔ قرآن اور حدیث پر عمل کرنے کی راہ میں کوئی روک نہ بن سکے۔ اللہ کی محبت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ کسی صورت بھی قرآن کا خلاف نہ ہو۔ اور رسولِ رحمت کی محبت یہ چاہتی ہے۔ کہ کبھی بھی حدیث کے مقابلہ میں کسی کی نہ مانی جائے۔

دوسری بات حلاوتِ ایمان کی یہ ہے۔ کہ جس کو دوست رکھے۔ صرف اللہ کے لئے رکھے۔ محبت لِلّٰہ ہو۔ دُنیوی اغراض کے باعث دوستی نہ ہو۔

تیسری بات ایمان کے مزے کی یہ ہے۔ کہ مسلمان ہو چکنے کے بعد کفر میں پھر جانا اتنا بُرا سمجھے۔ کہ جتنا آگ میں گرنے کو برا سمجھتا ہے۔ توحید پر جم جانے کے بعد شرک سے بچے۔ سنت کو اپنانے کے بعد بدعت سے گریز کرے۔ اسلام کے ہر حکم، ہر امر، ہر نیکی کے مقابلہ میں ہر غیر اسلامی چیز سے نفرت کرے۔

رحمتِ عالمؐ نے چھ باتوں کی بیعت لی

حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کے گرد صحابہؓ کی جماعت تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا:۔

بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَ لَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ وَ لَا تَاْتُوْا بِبُھْتَانٍ تَفْتَرُوْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَ اَرْجُلِکُمْ وَ لَا تَعْصُوْا فِیْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰی مِنْکُمْ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَعُوْقِبَ بِہٖ فِی الدُّنْیَا فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا ۔ ثُمَّ سَتَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَھُوَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْہُ وَ اِنْ شَآءَ عَاقَبَہٗ فَبَایَعْنَاہُ عَلٰی ذٰلِکَ ؀

(بخاری مسلم)

"بیعت کرو مجھ سے (یعنی پختہ عہد کرو) اس بات پر، کہ نہ شریک کرو ساتھ اللہ کے کسی کو۔ اور نہ چوری کرو۔ اور نہ زنا کرو۔ اور نہ مار ڈالو اولاد اپنی کو (محتاجگی کے ڈر سے) اور نہ اٹھاؤ بہتان کہ باندھ لیا ہو تم نے اس کو درمیان ہاتھوں اور پاؤں اپنے کے (یعنی دل سے) اور نہ نافرمانی کرو نیک چیزمیں۔ پس جو پورا کرے تم میں سے یہ عہد، پس اجر اس کا اللہ پر ہے۔ اور جو پہنچا ان میں سے کسی چیز کو (یعنی گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھا سوائے شرک کے) پھر سزا دیا گیا بسبب اس کے دنیا میں (جیسے حد لگی۔ یا بیمار ہوا وغیرہ)

پس وہ کفارہ ہے واسطے اس کے۔ (یعنی پاک ہو جاتا ہے گناہ سے) اور جو کہ پہنچا ان میں سے کسی چیز کو پھر ڈھانکا، اس کو اللہ نے (یعنی دنیا میں اس کا گناہ ظاہر نہ ہوا)۔ پس وہ سپرد ہے اللہ کی طرف۔ اگر چاہے بخشے اس سے، اور اگر چاہے سزا دے اس کو۔ (صحابہؓ کہتے ہیں)۔ پس بیعت کی ہم نے حضرت سے ان چیزوں پر۔"

ایمان کی صحت اور سلامتی کے لئے مذکورہ باتوں کی سخت پابندی کریں۔ حضورؐ نے ان گناہوں سے بچنے کے لئے صحابہؓ سے بیعت لے کر در اصل تمام امت سے بیعت لی ہے۔ اور جس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صدق دل سے پڑھا ہے۔ اس نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ پس خبردار! — آبگینہ ایمان کو کبائر کے پتھروں سے بچائیں، ایمان کے دودھ میں یہ نجاست نہ گرائیں۔ اور کلمہ پڑھ کر جو عہد آپ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے باندھا ہے، اس پر کاربند رہیں۔ کہ تازیست شرک نہ کریں۔ کہ شرک، اللہ سے بغاوت ہے۔ بدترین گناہ ہے۔ شرک کو اللہ ہرگز ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ خواہ کلمہ پڑھنے والا شرک کرے۔ ابدًا جہنم میں رہے گا۔ مشرک مومن کی نہ نماز قبول ہے۔ نہ روزہ، نہ زکوٰۃ، نہ حج، نہ کوئی نیکی۔ یہ شرک ہی تو ہے۔ جس کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تیرہ برس مکہ میں، اور دس برس مدینہ میں مشرکوں کے ساتھ نبرد آزما رہے۔ پس اللہ کی ذات اور صفات، اس کی قولی، بدنی، مالی، عبادات میں کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ شرک سے بچنے کے بعد۔ زنا، چوری،

سے گریزاں رہیں۔ کفار محتاجگی کے ڈر سے اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اس لیئے صحابہؓ سے حضورؐ نے اقرار لیا۔ کہ مسلمان ہو جانے کے بعد، اب اولاد کو نہ مارنا۔ اگرچہ آج کل دورِ جاہلیت کی طرح تو اولاد کو نہیں مارتے تاہم یہ خیال عام ہے۔ کہ دو سے زیادہ بچے ہوئے۔ تو کھائیں گے کہاں سے۔ اس لئے یا تو لوگ اسقاط کے درپے ہوتے ہیں۔ یا اپریشن سے بچہ دان کو بے کار کرا رہے ہیں۔ حدیث مذکورہ کی روشنی میں ایسا کرنا بھی درست دکھائی نہیں دیتا۔

بہتان کبیرہ گناہ ہے۔ اس سے بھی دست کش رہیں۔ مومن کی عزت بہت بڑی چیز ہے۔ بہتان لگا کر اسے برباد نہ کریں، قیامت کے روز بہتان باز کو جہنم کے پُل پر گرفتار کر لیا جائے گا۔ صراط سے گزرنے نہ دیا جائے گا۔ جب تک بہتان لگانے کی سزا کا فیصلہ نہ ہو چکے گا۔ اور یہ بات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوداؤد میں فرمائی ہے۔

چھٹی چیز جس کی آپ نے بیعت لی ہے۔ وہ ہے معروف میں نافرمانی نہ کرنا۔ یعنی جس نیک کام کا اللہ نے، یا اس کے رسولِ برحق نے حکم دیا ہے کہ کرو۔ اس کو ہر قیمت پر کرو ہی۔ ضرور ہی کرو۔ خبردار! ـــ نافرمانی نہیں کرنی۔ پھر جو شخص مذکورہ باتوں کو پورا کرے گا۔ عہد پر قائم رہے گا۔ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ـــ تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ وہ پورا پورا ثواب دے گا ـــ اور جس شخص نے عہد توڑ کر سوائے شرک کے۔ کسی گناہ کا ارتکاب کیا۔ زنا کر لیا۔ یا چوری کی۔ یا بہتان لگایا۔ اور پھر دنیا میں اس گناہ کی سزا پا گیا۔ حد لگ گئی، یا کوئی بیماری آ گئی۔ یا کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ یا کوئی اور صدمہ پہنچ گیا۔ تو

یہ تکلیف اس کے لئے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ جو گناہ کر چکا ہے۔ اس سے پاک ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا نہیں ہوا۔ یعنی گناہ کر چکا۔ اور اللہ نے پردہ ڈال دیا۔ ظاہر نہیں ہوا۔ نہ حد لگی۔ تو اس صورت میں اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے۔ چاہے معاف کرے، چاہے سزا دے؛

تو اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے مذکورہ گناہوں سے بال بال بچیں۔ اور کسی معروف میں نافرمانی نہ کریں۔ اے اللہ! جو عہد ہم نے تیرے رسولؐ برحق سے کیا ہے۔ ہمیں اس پر ثابت قدمی کی توفیق دے۔ اوامر پر چلا۔ نواہی سے بچا۔ اور ایمان کی بہار دکھا۔

ے

آنسو ہوں، کہکشاں ہوں، ستارے ہوں، پھول ہوں
کوئی بھی تیری یاد سے غافل نہیں ملا!

(ثمر)

توکّل کی ضوریزیاں

وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ

"اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں ہم۔"

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے
ہم نے جانا دو جہاں سے گئے

توکّل کا مفہوم و مطلب

وکل، وکول، اور وکالت کے معنے ہیں۔ چھوڑنا کام کا کسی پر، اور توکل کہتے ہیں۔ اپنے عجز کا ظاہر کرنا اور اعتماد کرنا غیر پر۔ اور شریعت میں اس کا مطلب یہ ہے، کہ بندہ اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ اس پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ کرے۔ اور بے زار ہو جائے اپنے حول اور قوت سے۔

توکل سب کاموں میں کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کا اکثر استعمال، رزق سے متعلق ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رزق کا ضامن، اور کفیل جانے، اور اس کی ضمانت اور کفالت پر زبردست اعتماد اور

بھروسہ کرے۔ اسی طرح جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی سپرد کرے۔ زبردست یقین کرے۔ کہ اللہ تعالےٰ اس کام کی سپردگی سے عہدہ برآمد ہوگا۔

بھروسہ صرف اللہ پر چاہیئے

توکل کا لفظ جتنا مشہور، اور معروف ہے۔ اس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے دنیا کی مثالوں پر ذرا غور کریں۔ کہ ہم اپنے کاموں میں ایک دوسرے پر بالااسباب بھروسہ کرتے ہیں۔ بس میں سوار ہوتے ہیں۔ تو جانتے ہیں کہ ڈرائیور کو انجن کی مشینری کا پورا پورا علم ہے۔ اور اس نے ڈرائیوری کا فن اچھی طرح پڑھا اور سیکھا ہے۔ اور وہ تجربہ کار ہے۔ اس بنا پر ہم ڈرائیور پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کہ وہ باون جانوں کو جو بس میں سوار ہیں۔ بعافیت منزل تک لے جائے گا انشاء اللہ۔ یہی حال ٹرین، ہوائی جہاز اور تمام سواریوں میں دورانِ سفر مسافروں کے مدنظر ہوتا ہے۔ کہ سب کو ڈرائیوروں پر اعتماد ہوتا ہے۔ اور اسی اعتماد پر تمام جانیں خوشی خوشی سفر پورا کرتی ہیں۔ لیکن یہی ڈرائیور ہی تو ہیں۔ جن کے ہاتھوں بسیں کھڈوں اور گڑھوں میں گرتی ہیں اور جانیں ہلاک ہوتی ہیں۔ ہوائی جہاز کو بھی پائلٹ کی مہارت حادثوں کا شکار کرا دیتی ہے۔ اسی طرح اور کاموں میں بھی ہمارے بھروسے پوری طرح کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوتے، اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ تمام انسانوں ان کی عقلوں، تدبیروں، کوششوں، مہارتوں، مشقتوں۔ اور ہر قسم کے اسباب کا خالق اللہ تعالےٰ ہے۔ اور سب کا کنٹرول اور ضبط اسی واحد القہار کے ہاتھ میں ہے۔ جہاں تک وہ چاہتا ہے، دماغ، تدبیریں،

اور اسباب کام دیتے چلے جاتے ہیں۔ جہاں وہ نہیں چاہتا۔ نوشتۂ تقدیر آڑے آکر اسباب و عقول، اور تدابیر و مساعی کو درہم برہم کر دیتا ہے۔

لیکن جو کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ اسے سونپا جائے۔ جس امر کے بارے میں اللہ پر بھروسہ کیا جائے۔ وہ بات یا امر سو فیصد کے آخری درجہ تک صحت و سلامتی سے ہم کنار ہوگا۔ کیونکہ یہاں انسانی عقل و کاوش، اور اسباب نے کام نہیں کرنا۔ بلکہ ان سب چیزوں کے خالق نے بھروسے کی لاج رکھنی ہے۔ جو اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ اس لیے حقیقی طور پر بھروسے کے لائق صرف اللہ کی ذات ہی ہے۔ بے شک اسباب کو اختیار کرنا چاہیے۔ مثلاً بیماری میں دوا ضرور کھانی چاہیے۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے۔ تداووا یا عباد اللہ۔ اے بندگانِ خدا (بیماری میں) دوا کیا کرو"۔ ساتھ ہی حضورؐ نے فرمایا ہے۔ اذا اصیب دواءُ الداء برء باذن اللہ ۔" جب دوا مرض کو پہنچتی ہے۔ شفا اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ) مطلب یہ کہ دوا مؤثر بالذات نہیں۔ دوائی میں شفا نہیں۔ بلکہ شفا اللہ کے حکم میں ہے۔ وہ چاہے۔ تو دوا سے فائدہ ہو۔ نہ چاہے تو نہ ہو۔ پس اسباب ضرور اختیار کرنے چاہئیں۔ لیکن بھروسہ اسباب پر نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اللہ پر کرنا چاہیے۔

کسب اور سبب

اللہ کے توکل کا یہ مطلب نہیں کہ اسباب سے لاپروا ہو کر خدا پر بھروسہ کرو ۔۔۔ مولانا رومؒ ایک حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

گفت پیغمبر بہ آوازِ بلند!
بر توکل زانوئے اشتر ببند

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے بہ آوازِ بلند فرمایا ــــ کہ "توکل پر اونٹ کا زانو باندھو" ــ یعنی اونٹ کو رسی ڈال کر باندھ کر پھر خدا کی سپرد کرو ــ توکل کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ رات کو اونٹ کو کھلا چھوڑ کر کہو۔ یا اللہ تیری سپرد۔

بلکہ توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے۔ کہ اونٹ کو باندھ کر سپردِ خدا کرو۔ اسی طرح برتن ڈھانپ کر، چراغ بجھا کر، دروازے بند کر کے، اللہ پر چھوڑو۔ باہر جاؤ۔ تو دروازہ کو تالا لگا کر اللہ کے حوالے کرو ــ حاصل کلام ــ کہ عقل و فکر سے کام لینا، کوشش اور محنت کرنا، خدا کے پیدا کردہ اسباب سے کام لینا۔ توکل کے منافی نہیں ہے۔ البتہ اپنی کوششوں اور کاوشوں، اور اسباب دنیوی پر بھروسہ کرنا۔ اور انہیں کامیابی کی گارنٹی قرار دینا عقیدۂ توحید کے خلاف ہے۔ یاد رکھیں۔ کہ جب تک رب الارباب اور مسبب الاسباب نہ چاہے گا۔ مساعی و اسباب دھرے رہ جائیں گے، اور ساعی ہاتھ ملیں گے۔ تو کسب و سبب پر اعتماد ہرگز نہ کریں۔ بلکہ خالق کسب و سبب پر کریں۔ سبب ہو، پر نظر مسبب پر ہو۔

رزق کے بارے میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (پ۱۲ع۱)

"اور نہیں کوئی چلنے والا زمین میں۔ مگر اوپر اللہ کے ہے رزق اس کا۔"

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے بندوں کے رزق و روزی کی ضمانت دی ہے۔ پھر جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت اور وعدے پر بھروسہ نہ کرے۔ یا ور نہ کرے۔ تو اس میں کہاں ایمان ہوگا۔ اور اس کی عبادت کیا ہوگی۔ اس آیت کا مقتضا توکل کے لعلِ گرانمایہ سے یوں روشنی بکھیرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے کام کا وکیل، اور ضامن جان کر اس پر پورا اعتماد کریں۔ اس پر بھروسہ کرکے یقین کریں۔ کہ وہ ضرور روزی پہنچائے گا۔ مردِ مومن کو چاہیئے۔ کہ دنیا کے مال و اسباب، اور اکتساب کو محض سبب جانے۔ اور رزاق صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔ اس کے سوا کسی کو رزاق نہ مانے، وہ بے کسب و کسب بھی رزق پہنچاتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ (پ۲۸ ع ۱۷)

"اور جو کوئی ڈرے اللہ سے، کرے گا واسطے اس کے راہ مشکل سے نکلنے کی۔ اور رزق دے گا اس کو اس جگہ سے کہ نہیں گمان کرتا۔ اور جو کوئی، توکل کرے اللہ پر، پس وہ کفایت کرتا ہے اس کو"

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے متوکل سے وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ اسے رزق کے بارے میں کفایت کرنے والا ہے۔ بلکہ اللہ اسے اس جگہ سے رزق دے گا۔ جہاں سے گمانِ رزق نہ ہوگا۔ پس اس آیت میں کامیابی کا نکتہ صرف توکل علی اللہ ہی ہے۔ کاش ہمیں اللہ

پر توکل کرنا آجائے۔

اگر وعدہ الٰہی پر یقین و اعتماد ہو۔ اس کی ضمانتِ رزق کے مہر نیمروز کی شعائیں دلِ حزیں کو روشن کریں، تو بندہ باور کرے گا کہ بغیر کسب کے بھی اللہ تعالےٰ روزی پہنچائے گا۔ مومنوں کو ارشاد ہے۔

وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ (قرآن)

"اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ اگر ہو تم ایمان والے۔"

معلوم ہوا۔ کہ جو شخص اللہ تعالےٰ پر بھروسہ نہیں کرتا۔ یا اسے اللہ پر بھروسہ کرنا نہیں آتا۔ تو اس کا ایمان یا معرضِ زوال میں ہے۔ یا عدم کے پالنے میں ہے۔

اے اللہ! ایمان، یقین، اور توکل تیری عظیم الشان نعمتیں ہیں تو ہی عطا کرے تو نصیب ہوں ــــ ان کا حصول ہمارے بس میں نہیں۔ تو ہی قوی ایمان اور جان دار توکل عطا فرما۔

درجہ تسلیم پر فائز اولیاء اللہ اپنے تمام امور اللہ تعالےٰ کی سپرد کر دیتے ہیں۔ اور ذرہ بھر تردد، یا تذبذب ان کے دل میں نہیں رہتا۔ ایسے اللہ والے اس کے توکل کے ہاتھوں، میٹھے پھل کھاتے، اور یقین و ایمان کے مواج دریا میں نہاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ٥ (قرآن)

" اور اللہ ہی پر چاہئے۔ پس بھروسہ کریں۔ بھروسہ کرنے والے۔"

توکل کے بارے میں خوب یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اگر دل کا اعتماد

کسب، اور سبب پر ہوا۔ تو یہ شرک خفی ہے۔ ہاں اللہ کے بھروسہ پر کسب کرنے والا ضرور متوکل ہے۔

پرندوں کا اللہ پر توکل

حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ سنا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم سے۔ فرماتے تھے:۔

لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَّ تَرُوْحُ بِطَانًا ط (ترمذی۔ ابن ماجہ)۔

"(اے لوگو!) اگر تحقیق تم توکل کرو اللہ پر حق توکل کا۔ تو البتہ روزی دے تم کو (اللہ) جیسے روزی دیتا ہے پرندوں کو، نکلتے ہیں پرندے صبح کو بھوکے اور پھرتے ہیں شام کو اپنے گھونسلوں میں پیٹ بھرے ہوئے"

مُلاحَظہ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے کیسی اچھی اور سچی مثال دے کر سمجھایا ہے۔ کہ اگر تم اللہ پر توکل کرو اور توکل کرنے میں حق توکل پورا کرو۔ تو اللہ تمہیں پرندوں کی طرح رزق دے۔ جو اللہ کے بھروسے پر صبح کو بھوکے، اپنے آلہنوں سے۔ نکل جاتے ہیں۔ اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

توکل کا حق

یاد رہے۔ کہ توکل کا حق یہ ہے۔ کہ اس بات پر پختہ یقین کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل حقیقی نہیں ہے۔ اور تمام موجودات اور رزق، موت، حیات، مرض، صحت، فقر، غنا، نفع، ضرر، عطا، منع وغیرہ سب اللہ فعال لما یرید کی طرف سے ہیں۔ بندہ کے خیال، تصور، ذہن، ارادہ، ہاتھوں،

پاؤں، آنکھوں، کانوں، زبان، اس کے تمام اعضا ر اور احشار، اور بدن کے رواں رواں پر اللہ کا حکم جاری ہے۔ آدمی کی ہر ہر حرکت مشیت کے ماتحت ہے۔ اس یقین کے ساتھ یہ ایمان بھی دل میں جمائے کہ حق تعالیٰ اس کے رزق کا ضامن ہے۔ اور اس بات میں ذرہ بھی شک یا شبہ نہ کرے۔ اگر اس کی ضمانتِ رزق میں ذرہ بھی شک یا شبہ کریگا۔ تو ایمان کا دیوالہ نکل جائے گا۔ اور توکل کا جنازہ اٹھ جائے گا۔ جب یہ یقین پختگی کی معراج کو پالے گا۔ کہ اللہ نے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے اور وہ روزی کا ضامن ہے۔ تو پھر اچھے طریق سے روزی کے لئے سعی کرے۔ کسبِ معاش کے لئے تگ و دو، اور جد و جہد کرے۔ اس کے فضل سے ضرور ضرور رزق حلال میسر ہوگا۔ اور وہ، اور اس کے اہل و عیال پیٹ بھر کر کھائیں گے۔

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (پ ۲۷ ع ۷)

"نہیں ہے واسطے آدمی کے مگر جو کوشش کی اس نے"

یعنی آدمی کو سعی و کوشش کا ہی پھل ملتا ہے۔ اس ارشادِ الٰہی کے پیشِ نظر آدمی کو تمام امور میں ضرور کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن بھروسہ اللہ پر رکھنا چاہئے۔ کوشش کو اپنا فرض جانے، اور کوشش کا نتیجہ اللہ سے چاہے — جو اللہ جانوروں، اور پرندوں کو روزی دیتا ہے۔ کیا وہ اشرف المخلوقات انسان کو نہ دے گا؟ — ضرور دے گا۔ اور دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ متوکل کے لئے کافی ہے حضرت ابی ذرؓ روایت کرتے

ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ بے شک میں ایک آیت جانتا ہوں۔ اگر عمل کریں لوگ اس پر، تو البتہ کفایت کرے یہ ان کو۔ (مشکوٰۃ باب التوکل)

وہ آیت یہ ہے:۔

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝ (پ ۲۸ ع ۱۷)

"اور جس نے اللہ سے تقویٰ اختیار کیا۔ تو اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی راہ نکال دیتا ہے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے۔ کہ وہ گمان نہیں کرتا تھا۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے۔ تو وہ اس کو کافی ہے۔ البتہ اللہ تعالےٰ اپنے کام کو پہنچنے والا ہے۔ تحقیق اللہ نے ہر چیز کے لئے اندازہ مقرر کیا ہے۔"

مُلاحظہ:۔ جناب رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت کے متعلق فرمایا۔ کہ "اگر لوگ اس پر عمل کریں تو البتہ کفایت کرے یہ ان کو۔"

یعنی تمام افعال، اور اوراد و وظائف سے کفایت کرے۔ نیز تمام مصائب و حوائج، آفات و بلیات اور مہمات الامور میں کافی ہو۔ یوں کہئے۔ کہ دین و دنیا کے ہر امر میں کفایت کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ جس نے اللہ سے تقویٰ اختیار کیا۔ یعنی

جس بندے نے اوامر و نواہی پر عمل کیا۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی شاہراہ پر گامزن ہوا۔ جس نے ہمیشہ طاعت کی صبوحی پی۔ جو شرک کے خار زار سے دامن سمیٹ کر گزر گیا۔ اور توحید کے مرغزار میں جا بسا۔ جو شب و روز خوفِ خدا سے لرزہ بر اندام رہا۔ ایسے متقی پرہیزگار کے لئے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے غموں سے چھٹکارے کی راہ نکال دیتا ہے، اس کے ہر کام میں کشائش، اور کارسازی فرماتا ہے۔ مشکلیں آسان کرتا۔ ھمّ و غم کے بحرِ ظلمات سے نجات دیتا ہے، اور وہ ایسے تقوٰی شعار کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے۔ کہ جہاں سے رزق ملنے کا اسے گمان نہ تھا۔

متوکل تازیست بے خوف رہتا ہے

امام احمد کی روایت میں ہے۔ کہ حضرت ابوذر رض نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے مجھے یہ ہدایت پوری سنائی۔ پھر فرمایا۔ کہ اگر سب لوگ اس آیت کو لیتے۔ تو سب کو کفایت کرتی ــــ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم اس کو بار بار تلاوت فرماتے۔ اور یہی نصیحت فرماتے۔ یہاں تک کہ میں اونگھ گیا۔ پھر فرمایا۔ کہ اے ابوذر رض! تو اس وقت کیا کرے گا۔ جب مدینے سے نکالا جائے گا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ آسائش و راحت کی طرف نکل جاؤں گا۔ اور مکے کے کبوتروں سے ایک کبوتر ہو جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ پھر جب تو مکے سے نکالا جائے گا۔ تو کیا کرے گا؟ــ میں نے کہا کہ ملک شام و زمین مقدس میں چلا جاؤں گا، آپؐ نے فرمایا۔ کہ پھر کیا کرے گا۔ جب شام سے نکالا جائے گا؟ میں نے کہا۔ تب تو واللہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اپنی تلوار اپنے کاندھے پر رکھوں گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ یا اس سے بہتر طریقہ اختیار

کرے گا۔ میں نے کہا۔ ہاں اس سے بہتر جو طریقہ ہو اختیار کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ حاکم کی بات سنیو۔ اور اطاعت کیجیو۔ اگرچہ تجھ پر کوئی حبشی غلام حاکم ہو۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوذر رضؓ کو بنی امیہ کے ہاتھوں یہ تکلیف پہنچی تھی کیونکہ ان کا یہ مذہب تھا۔ کہ جو کوئی خلاف سنت عمل کرتا ہو۔ اس کو لاٹھی سے مارتے تھے۔ رضی اللہ عنہ!

تفسیر امام ابن کثیر میں ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ فرماتے تھے۔ کہ قرآن میں سب سے زیادہ جامع آیت یہ ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ ج یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۱۴ ع ۱۹)

"تحقیق اللہ تعالیٰ عدل، احسان، اور اہل قرابت کو دینے کا حکم کرتا ہے۔ اور بے حیائی، اور نامعقول بات، اور سرکشی سے منع کرتا ہے تمہیں سمجھاتا ہے شاید تم نصیحت پکڑو۔"

اور سب سے زیادہ کشائش والی آیت یہ ہے:۔

وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔

استغفار خوف الٰہی کا نتیجہ ہے

حضرت ابن عباس رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے استغفار[۱] بہت پڑھا۔ تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے ہر فکر سے

[۱] اس استغفار کے الفاظ حضورؐ نے یہ فرمائے ہیں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ ط (مشکوٰۃ)

کشائش عطا فرماتا ہے۔ اور ہر ضیق سے چھٹکارا دیتا ہے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے۔ جہاں سے اس کا گمان بھی نہ تھا۔

(رواہ الامام احمد)

واضح ہو۔ کہ توبہ اور استغفار وہی کرتا ہے۔ جس کے دل میں خوف خدا سمایا ہو۔ اور اس نے تقویٰ اختیار کیا ہو۔ تو یہ استغفار والی حدیث آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ۔ الخ کی شرح ہی ہوئی۔ کہ اللہ سے ڈرنے والے کے لئے اللہ کشائش عطا کرتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے۔ جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔

الحاصل ۔۔ جو شخص بصد جان اوامر الٰہی پر عمل کرتا، اور نواہی کے میلے سے جان بچاتا ہے۔ اور اللہ کے ڈر سے اس کے رونگٹے کھڑے رہتے ہیں۔ اس متقی کے لئے اللہ ہر قسم کی تنگی، دنیا اور آخرت کی ضیق سے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے۔ اور جہاں امید و گمان نہ تھا وہاں سے رزق دیتا ہے۔

مشکل سے چھٹکارا مل گیا

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ کہ حضرت عوف اشجعی رضی اللہ عنہ کے لڑکے حضرت سالم رضؓ جب کافروں کی قید میں تھے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ ان سے کہلوا دو۔ کہ بکثرت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھتا رہے۔ ایک دن ۔۔ اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی قید (یعنی رسی جس سے بندھے ہوئے تھے) کھل گئی۔ اور یہ وہاں سے نکل بھاگے۔ ان لوگوں کی ایک اونٹنی تھی۔ جس پر سوار ہو لئے۔ راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے۔ یہ انہیں اپنے ساتھ ہنکا لائے۔ وہ لوگ پیچھے دوڑے۔ یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔

بلکہ سیدھے گھر آ گئے۔ اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ باپ نے آواز سن کر فرمایا۔ خدا کی قسم یہ تو سالم ہے۔ ماں نے کہا۔ ہائے وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا۔ اب دونوں ماں، باپ اور خادم، دروازے کی طرف دوڑے۔ دروازہ کھولا۔ تو دیکھا۔ کہ ان کے لڑکے حضرت سالم رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور تمام انگنائی اونٹوں سے بھری پڑی ہے۔ پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ تو فرمایا۔ اچھا ٹھیرو میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں ۔ حضورؐ نے فرمایا۔ وہ سب مال تمہارا ہے۔ جو چاہے کرو۔ اور یہ آیت اتری۔ کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل خدا آسان کر دیتا ہے۔ اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے۔ (ابن کثیر)

مسند احمد میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ گناہ کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔ تقدیر کو لوٹانے والی چیز صرف دعا ہے۔ اور عمر میں زیادتی کرنے والی چیز صرف نیکی اور خوش سلوکی ہے۔

ابن ابی حاتم میں حدیث ہے۔ جو شخص ہر طرف سے کھنچ کر اللہ ہی کا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل میں اس کی کفالت کرتا ہے اور بے گمان روزیاں دیتا ہے۔ اور جو اللہ سے ہٹ کر دنیا ہی کا ہو جائے اللہ بھی اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے

ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رہے

مسند احمد میں ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، آپ کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے

فرمایا۔ بچے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں۔ سنو! ۔ تم اللہ کی یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ تم اللہ کے حکم کی حفاظت کرو۔ تو اللہ کو اپنے پاس، بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب کچھ مانگنا ہو۔ تو اللہ ہی سے مانگو۔ جب مدد چاہنی ہو۔ تو صرف اسی سے چاہو۔ (سنو!) کہ تمام امت مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے۔ اور اللہ کو منظور نہ ہو۔ تو ذرا سا نفع بھی نہیں پہنچا سکتی۔ اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں۔ تو بھی نہیں پہنچا سکتے۔ اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو۔ قلمیں اٹھ چکیں، اور صحیفے خشک ہو گئے۔

مسند احمد میں ایک اور حدیث میں حضورؐ فرماتے ہیں۔ جسے کوئی حاجت ہو۔ اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے۔ تو بہت ممکن ہے۔ کہ وہ سختی میں پڑ جائے۔ اور کام، اور مشکل ہو جائے۔ اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے۔ تو اللہ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے۔ یا تو جلدی اس دنیا میں ہی۔ یا دیر کے بعد، یا موت کے بعد۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے قضا اور احکام کو جس طرح اور جیسے چاہے، اپنی مخلوق میں پورا کرنے اور اچھی طرح جاری کرنے والا ہے۔

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو خلافت کا متولی کیا ہے۔ آپ بھی مجھے اس میں سے کسی کام پر متولی فرمائیے۔ (یعنی نوکری دیجئے) آپ نے فرمایا۔ کیا تو نے قرآن پڑھا ہے۔ اس نے کہا۔ میں نے تو نہیں پڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم ایسے شخص کو متولی نہیں کرتے۔ جس نے قرآن نہ پڑھا ہو۔ پس اس نے جا کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ اور بڑی کوشش کی۔ تا کہ حضرت عمرؓ مجھے متولی کریں

لیکن جب قرآن پڑھ گیا۔ تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں آنا چھوڑ دیا۔ ایک روز راستہ میں آپ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ کہ اے برادر! کیا تو نے ہم سے ملنا چھوڑ دیا ہے؟ اس نے عرض کیا۔ جی نہیں۔ میں چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ لیکن کتاب الٰہی کی ایک آیت نے مجھے اس امید سے مستغنی کردیا۔ جو میں آپ کے دروازے پر لایا تھا۔ آپ نے حال پوچھا۔ تو اس نے یہ آیت پڑھی۔ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر تم لوگ اللہ تعالےٰ پر توکل کرو۔ جیسے توکل کرنا چاہیئے۔ تو تم کو رزق دیا جائے۔ جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے۔ کہ صبح کو خالی کوکھ جاتے ہیں۔ اور شام کو بھرے پیٹ آتے ہیں۔

(رواہ احمد۔ والترمذی۔ و ابن ماجہ)

مال حلال کمانا چاہیئے

چڑیاں بھی تلاش رزق کے لئے نکلتی ضرور ہیں اس سے یہ نکلا۔ کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ دنیا میں جو اسباب پیدا کئے گئے ہیں۔ اُن کو عمل میں لائے۔ اگر کوئی شخص ظاہری اسباب کو عمل میں نہ لایا۔ تو یہ توکل نہیں بلکہ اتکال ہے۔ اور یہ کوئی مقام نہیں۔ بلکہ پست ہمتی اور فرومایگی ہے ایسا پست ہمت اور کاہل شخص چاہتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ مقررہ کو مٹائے۔ کیونکہ اس نے دنیا میں عالم اسباب رکھا ہے۔ اور جہد و سعی کا حکم دیا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا۔ کہ گزرے زمانے میں مال ناگوار رکھا جاتا تھا۔ اور آج کے زمانے میں وہ مومن کے واسطے ڈھال ہے۔ اور فرمایا۔ کہ

اگر یہ دینار نہ ہوتے۔ تو یہ امرا ہم کو مندیل بناتے۔ اور فرمایا۔ کہ اس مال سے جس کے پاس کچھ ہو۔ اس کو چاہیئے۔ کہ اس کی اصلاح و درستی کیے کیونکہ یہ زمانہ ایسا ہے۔ کہ اگر وہ محتاج ہوا۔ تو سب سے پہلے جو چیز وہ خراب کرے گا۔ اس کا دین ہوگا۔ اور فرمایا۔ کہ مال حلال اس لائق نہیں۔ کہ اس میں فضول خرچی کی جائے۔ (شرح السنۃ)۔

اس بات میں کوئی شک نہیں۔ کہ دنیا کی زندگی میں مال کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دینی ضروریات کے لیئے بھی مال ازبس ضروری ہے۔ جہاد۔ قتال۔ تعمیر مساجد، امور رفاہِ عامہ، فقرا، مساکین، مدارس دینیہ، تبلیغ اور اشاعتِ دین؛ اور خود اپنی ضروریات حیات۔ نفقۂ اہل و عیال، بچوں کی تعلیم و تربیت، سختی، نرمی، بیماری وغیرہ۔ سب چیزیں صرف مال سے ہی انجام پاتی ہیں۔ قرآن مجید نے مال کے متعلق فرمایا ہے:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔ (پ ۴ ع ۱۲)

"اور نہ دو مال اپنے بے وقوفوں کو جو اللہ نے تمہاری گزران ٹھیرائے ہیں۔"

معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مالوں کو ہماری گزران، اور معیشت کا باعث بنایا ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ مال حلال خوب خوب کمانا چاہیئے۔ اور مال کمانا توکل کے خلاف نہیں۔ اس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط

" اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کو کافی ہے"۔

یعنی دنیا اور دین کے کاموں کی اچھی انجام پذیری کے لئے اللہ کافی ہے۔ کیونکہ ۔ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ۔ "بے شک اللہ تعالےٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہتا ہے"۔ تو جو جو کام بھی ہم اللہ کی سپرد کریں گے۔ اللہ ان کو مشیت کے ماتحت پورا کر کے رہے گا۔

بھروسے کے بارے میں یہ حدیث کتنی ایمان افروز ہے:۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب جہاد کیا، اور واپس ہو کر دوپہر کو ایک وادی میں ٹھیرے۔ جس میں خار دار درخت بہت تھے، صحابہ رضؓ سایہ کے لئے درختوں کے نیچے متفرق ہوئے۔ اور عمدہ سایہ دار درخت کے نیچے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بستر کر دیا۔ آپؐ نے اپنی تلوار لٹکا دی۔ ہم لوگ خفیف نیند سوتے تھے کہ ناگاہ چونکے۔ دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو پکارتے ہیں، جلدی گئے۔ تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک اعرابی خاموش بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے آ کر میری تلوار کھینچ لی۔ اور کہنے لگا۔ کہ اب تجھے کون بچائیگا؟ میں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی۔ ناگاہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اور میں نے اٹھالی ۔ تو میں نے کہا۔ کہ اب تجھے کون بچائے گا؟ ۔ اس نے مجھ سے کہا۔ کہ آپ بھلائی لینے والے ہو جائیں۔ (یعنی مجھے نہ ماریں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ اعرابی نے کہا۔ کہ میں یہ گواہی تو نہیں دیتا۔ لیکن عہد کرتا ہوں۔ کہ کبھی آپ سے نہ لڑوں گا۔ اور نہ ایسی قوم کے ساتھ شریک ہوں گا۔

جو آپ سے لڑے۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس پہنچا۔ تو کہنے لگا۔ کہ میں تمہارے پاس ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ جو بے شک روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

جس اللہ کے بھروسے پر حضورؐ سوئے تھے۔ اس نے آپ کی پوری پوری حفاظت فرمائی۔ حدیث عمرو بن عاص سے ثابت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ آدمی کے قلب سے ہر وادی کی طرف شاخیں پھوٹی ہیں۔ تو جس کسی نے اپنے نفس کی تابعداری کی، سب وادیوں میں گھسا۔ تو اللہ تعالیٰ کو پروا نہیں ہے۔ کہ کس وادی میں تباہ ہوا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔ اللہ تعالےٰ اس کو سب وادیوں سے کفایت فرماتا ہے۔ (ابن ماجہ)

ے تیری نظرِ مہر جو ہو ربِّ کریم
ذرہ ابھی خورشید درخشاں ہو جائے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندے کو جس طرح موت طلب کرتی ہے۔ اسی طرح رزق طلب کرتا۔ (مشکوٰۃ)

یعنی جس طرح کسی کو موت سے مفر نہیں۔ موت ضرور آنی ہے۔ اسی طرح بندے کو رزق سے چھٹکارا نہیں۔ رزق ضرور ملتا ہے۔ پھر اللہ کے بھروسے پر کچھ ہاتھ پاؤں ہلانے چاہئیں۔ رزق مقدر ہے۔ ضرور پہنچ کر رہے گا۔ رزق کے پیچھے ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔

حدیث ابن مسعود میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں وحی ڈالی۔ کہ کوئی جان نہیں مرتی۔ جب تک اپنا

رزق پورا نہ کرلے۔ پس تم لوگ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ رکھو۔ اور خوب صورت طریقے سے طلب کرو۔ اگر تمہارا رزق تم کو دیر سے پہنچے۔ تو یہ امر تم کو نہ ابھارے۔ کہ تم خدا کی نافرمانیوں کے طریقوں سے تلاش کرنے لگو۔ (شرح السنہ)

توکل اور صبر کا اعجاز

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ صحابہ میں سے ایک شخص اپنے گھر گیا۔ اور جب اس نے ان کی (گھر والوں کی) محتاجی اور فاقہ دیکھا۔ تو گھر سے نکل کر جنگل کو چلا گیا۔ (کہ اللہ سے تضرع کرے) جب اس کی عورت نے یہ حال دیکھا۔ (کہ اس کا خاوند بوجہ تنگ دستی گھر سے چلا گیا ہے) تو چکی کے پاس گئی۔ اور اوپر کا پاٹ نیچے کے پاٹ پر رکھا۔ اور تنور کے پاس گئی۔ اور اسے گرم کیا۔ پھر بولی۔ الٰہی ہم کو رزق عطا کر۔ (تیرے در کے سوا ہمارے لئے کہیں رزق نہیں)۔ پھر اس نے نظر اٹھائی تو دیکھا۔ کہ ناگہاں چکی کا گرانڈ آٹے سے بھرا ہوا تھا۔ اور پھر گئی تنور کی طرف تو پایا اس کو بھرا ہوا روٹیوں سے پھر اس کا شوہر واپس آیا۔ (بعد دعا کرنے کے) اور کہنے لگا۔ کیا تم نے میرے بعد کچھ پایا ہے۔ عورت نے کہا۔ ہاں! ہم نے اپنے رب عزوجل سے پایا ہے۔ (یہ دیکھو گرانڈ چکی کا آٹے سے بھرا ہوا۔ اور تنور روٹیوں[1] سے پُر) پھر مرد نے کھڑے ہو کر چاہا۔ چکی کو دیکھے۔ (چنانچہ اس نے چکی کا پاٹ اٹھا کر دیکھا۔) پھر یہ حال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا:۔

---

[1] ۔ صفحہ ۱۷۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اَمَا اِنَّهٗ لَوْ لَمْ يَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (مشکوٰۃ شریف)

"آگاہ رہو۔ کہ اگر یہ شخص چکی نہ اٹھاتا۔ تو برابر قیامت تک اسی طرح چلتی رہتی"

یہ ہے صبر اور توکل کی اعجاز فرمائی۔ اور صبر اور توکل کا حق۔ ادا کرنے والے صابروں، اور متوکلوں کی کرامت۔ اور اللہ کے وعدوں کی صداقت کا زندہ ثبوت۔ کہ

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ نمبر ۱۷۴) ۔ لہ کوئی صاحب اس بات پر تعجب نہ کریں یا انکار نہ کریں۔ کہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ گرانڈ آٹے سے بھر گیا۔ اور تنور میں خود بخود روٹیاں کہاں سے آگئیں، یاد رکھیں۔ پیغمبروں کے معجزات من جانب اللہ برحق ہیں۔ اور صالحین کی کرامت بھی باذن اللہ حق ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب مریمؑ کے پاس حسب معمول گئے۔ تو اس کے پاس رزق (میوے۔ پھل) دیکھے۔ پوچھا! اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۔ یہ کہاں سے آگئے۔ تو مریمؑ نے جواب دیا۔ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ وہ اللہ کے پاس سے آتے ہیں۔ یہ حضرت مریمؑ کی کرامت تھی۔ تو اللہ تعالےٰ کے کام پر نہ تعجب چاہیے نہ انکار معجزوں اور کرامتوں سے روحانیت کا ثبوت ملتا ہے۔ اور تعلق باللہ کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ ولی کے لئے کرامت شرط نہیں۔

جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔

پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے مطابق وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ (اور ہم اسی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں) ہم سب کو اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ کہ اسی کے بھروسہ پر زندگی، اور کارہائے زندگی رواں دواں رہیں۔

یہ تزئین گلستاں اور نظروں کی پذیرائی
ترے آنے سے گلشن میں بہارِ جاوداں آئی

———— (ثمر)

شرِّ نفس سے پناہ لینے کی جگہ

وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

"اور ہم اس کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی بدیوں سے۔

وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا

اور اپنے عملوں کی برائیوں سے۔"

عمر بھر کوئی ہوا ہم سے نہ سرزد کارِ نیک
کون سے برتے پہ ہم جائیں خدا کے سامنے

نفسِ امّارہ

نفس تین قسم کے ہیں:۔
نفس امّارہ۔ نفس لوّامہ۔ نفس مطمئنہ۔
قرآن مجید میں نفس امّارہ کا ذکر اس طرح آیا ہے:۔
وَ مَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہ (پ۱۳ ع ۱)
"اور میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا۔ بے شک سب سے

بڑھ کر بدی کی راہ سمجھانے والا ہے۔ سوائے ایسے شخص کے جس پر رحم کرے رب میرا۔ بے شک رب میرا بڑا غفور و رحیم ہے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں تھے۔ بادشاہ نے ان کو بلانے کے لئے ایلچی بھیجا۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ چلئے آپ کو بادشاہ نے بلایا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ لوٹ جاؤ۔ اپنے آقا کے پاس، اور اس کو میرا پیغام دو۔ کہ کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا۔ کہ جس بات کے سبب یوسف قید خانے میں ہے۔ سچ بتاؤ۔ کہ وہ کیا قصہ ہے؟

ان عورتوں نے عرض کیا۔ کہ اے بادشاہ! ہم نے یوسف میں کوئی بدی نہیں پائی۔ اور نہ ہمیں اس کے متعلق کسی برائی کا علم ہے! وہ بالکل پاک اور بے گناہ ہے۔ اس دوران زلیخا نے بھی کہہ دیا۔ کہ اے بادشاہ! سچی بات تو یہ ہے۔ کہ میں نے ہی یوسف کو لبھایا تھا۔ اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی طرف سے ہرگز کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ بے شبہ پاک باز اور سچا ہے۔ بادشاہ کا ایلچی پھر یوسفؑ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ بادشاہ نے سب عورتوں کو بلا کر پوچھا ہے۔ کہ یوسف کا کیا معاملہ ہے۔ اصل حالات بتاؤ۔ ان عورتوں نے سارا قصور اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور آپ کو بالکل پاک اور بے گناہ بتایا ہے۔ بلکہ زلیخا نے تو صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے۔

کہ میں نے ہی یوسف کو بھرمایا اور لبھایا تھا۔ یوسف نہایت نیک اور پاک باز ہے۔ ایلچی نے کہا۔ کہ جب آپ سچے اور بے گناہ ہیں۔ تو پہلی بار ہی بادشاہ کے بلانے پر آپ میرے ساتھ کیوں نہ چلے گئے۔ اس تفتیش کی کیا ضرورت تھی؟

یوسف علیہ السلام نے کہا۔ میں نے اس معاملہ کی تفتیش اس لئے کرائی ہے۔ کہ وہ شخص جس نے مجھے بطور فرزند پرورش کیا تھا۔ اور وہ وہاں بادشاہ کے پاس وزارت پر مامور ہے۔ اگر میں جاتا تو ضرور اس سے میرا سامنا ہوتا۔ اور اسی نے مجھے قید کیا ہوا ہے میں نے چاہا۔ کہ وہ میرے پیٹھ پیچھے جان لے۔ کہ میں نے ہرگز اس کی خیانت نہیں کی تھی۔ جس کا الزام عورتوں نے مجھ پر لگایا اور قید کرایا۔ اور اللہ تعالےٰ خائنوں، اور دغا بازوں کا فریب نہیں چلنے دیتا۔

جب یوسف علیہ السّلام نے خیانت کی مذمت بیان کی۔ اور فرمایا۔ کہ خیانت کرنے والوں کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔ تو ہو سکتا ہے لوگ یہ خیال کرتے۔ کہ یہ خود ستائی اور اپنی تعریف ہے۔ اس لئے یوسف علیہ السّلام نے کہا۔

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي۔ "اور میں نے اپنے نفس کی برأت نہیں کی ہے" ۔ یعنی اس بات سے میری غرض یہ نہیں ہے۔ کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کروں۔ اور پرہیزگاری جتاؤں! ۔ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ ۔ "یقیناً نفس تو سب سے بڑھ کر برائیوں کی راہ چلانے والا ہے" ۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس پر اعتماد کرے۔ اور

اس کے کہنے پر چلنے لگے۔ تو وہ اس کو کثرت سے برائیوں کی طرف لے جائے گا۔ کیونکہ نفس کا کام ہی بدیوں اور برائیوں کی راہ دکھانا ہے۔ بدکام کا حکم کرنا ہے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۔ "سوائے اس شخص کے، جس پر رحم کرے رب میرا" یعنی جس پر اللہ رحم فرمائے۔ اس کو یا تو نفس مطمئنہ ملتا ہے۔ کہ وہ بدی کا حکم نہیں کرتا۔ جیسے انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ یا اللہ اپنے فضل خاص سے بندہ کو اپنی پناہ میں لے کر بچا لیتا ہے۔ اور نفس مقہور ہو جاتا ہے۔

نفسِ امّارہ بڑی بلا ہے

معلوم ہوا۔ کہ نفس امارہ بہت بڑی بلا ہے۔ اس سے انسان بچ نہیں سکتا۔ اس کی شرارتوں اور برائیوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ شیطان بھی دیکھے تو گھبرا جائے۔

سچی بات یہ ہے۔ کہ نفس کی برائیوں سے سوا اللہ کی پناہ کے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں ہے۔ اللہ ہی اپنی پناہ میں لے لے، تو اس سے تحفّظ ہو سکتا ہے۔ غور فرمائیں۔ کہ خدا کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام صاف صاف اقرار کرتے ہیں۔ کہ نفس تو بدیوں کا حکم کرنے والا ہے۔ اس کے داؤ اور فریب سے ہرگز بچا نہیں جا سکتا۔ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ "مگر وہی بچ سکتا ہے۔ جس پر اللہ رب العزت رحم فرمائے۔ اور اپنی پناہ میں امن دے۔

یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں حسن ادب کو ہر حال میں مرعی رکھا۔ اور اپنی صفائی، اور پاک دامنی پیش کرنے کے بعد

اپنے نفس کی خوبی بیان نہیں کی۔ بلکہ زلیخا کے چنگل سے نجات پانا محض اللہ کے فضل، اور اس کی رحمت سے جانا۔ اور یہ ہو بھی نہیں سکتا۔کہ نفس کی شرارت سے انسان محفوظ رہے۔سوائے اللہ کے فضل کے، اسی لئے اللہ نے فرمایا۔ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔" اپنے نفسوں کی پاکیزگی نہ بیان کرو" کیونکہ نفس ہمیشہ بدی کا حکم کرتا ہے۔

یہ بھی یوسف علیہ السّلام نے کہا۔ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔۔۔۔ "تحقیق میرا رب غفور و رحیم ہے" یعنی وہ بخشتا بھی ہے اور رحمت بھی فرماتا ہے۔

بسا اوقات انسان بدی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بوجہ غفور ہونے کے محض ارادہ کرنے پر مواخذہ نہیں فرماتا۔ بلکہ بخش دیتا ہے۔ اور بخشنے کے علاوہ اس پر رحمت کرتا ہے۔پس انسان اپنی ذاتی جبلت کے لحاظ سے اللہ کی بخشش کا محتاج ہے۔یہی وہ نفس ہے جس کا ذاتی اقتضا برائی ہے۔ البتہ عصمت، اور حفاظت من جانب اللہ ہے۔جو انبیاء علیہم السّلام کے لئے بالکلیہ ہے۔ اور عوام امت کے لئے درجہ بدرجہ ہے۔

اللہ نے یوسفؑ سے بدی کو پھیرا

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے "حادثہ" پر ہی غور کریں۔کہ اس عورت نے یوسف علیہ السّلام کو اپنے عشق کے جال میں پھنسایا۔ اور ایک مکان میں لے جاکر تمام دروازے بند کرکے ہاتھا پائی تک نوبت پہنچا دی۔ اور بدی کے لئے حد کر دی۔ لیکن یوسف علیہ السلام بھاگ کر باہر آ گئے۔ اور بدی سے بال بال بچ گئے۔خود بچ

گئے۔ نہیں! بچائے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (پ۱۲ع۱۳)

"اسی طرح کیا ہم نے (یوسف کو بچانے کے لئے) تاکہ پھیر دیں،

ہم اس سے برائی اور بے حیائی۔"

معلوم ہوا۔ کہ برائی۔ اور بے حیائی یعنی زنا کو اللہ نے یوسف سے پھیر دیا۔ ذات لایزال نے اس سے فحشار کو ہٹایا، دور کیا۔ اللہ کے فضل اور رحمت نے حضرت یوسف ؑ کو سوء اور فحشار سے بچایا۔ اُن کی اپنی کوئی بہادری اور ہمت نہ تھی۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے خود اقرار کیا۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ

"اور نہیں پاک کرتا میں نفس اپنے کو، بے شک نفس بدی کا

حکم کرنے والا ہے۔ مگر جو رحم کرے رب میرا"

یعنی میرے رب کی رحمت نے سوء و فحشار کو مجھ سے دفع کیا۔ اس کے فضل نے اس وبال کو مجھ سے پھیرا۔ اللہ نے نفس کی چلنے نہیں دی۔ کہ اللہ نے پیغمبر کی عصمت کی ضمانت دی ہوتی ہے۔

نفس کیا ہے

اور نفس کیا ہے۔ اس کی تعریف کیا ہے؟ واضح ہو۔ کہ نفس کی حقیقت کے بارے میں بڑی طویل بحث ہے۔ اور اتنی پیچیدہ، گہری اور عمیق ہے۔ کہ ہر شخص کی عقل کی رسائی وہاں تک سخت مشکل ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ نفس نہ شیطان ہے نہ قلب ہے۔ نہ فرشتہ ہے۔ نہ عقل ہے۔ اور نہ کوئی عین خارجی چیز ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ نفس ہوئے ہے۔ یعنی خواہش و شہوات — بعض طبیعت کو نفس کہتے ہیں۔ اور بعضے بشریت کو، جس کا میلان

بجانب شہوات و ہوئے ہو۔ (انبیاء کی بشریت معصوم ہوتی ہے)۔
اللہ تعالٰے نے تمام ممنوعات سے انسانوں کو آگاہ کر دیا ہے اور دنیاوی زینت و آرائش کو اس فریب گاہ کا ایک دل فریب مشغلہ قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی نص سے ثابت ہے۔ کہ دنیا کی تمام چیزیں مزیّن بہ تزئینِ امتحانی ہیں۔ اور عہد الٰہی میں خیانت کرنے، اور معصیت کے ارتکاب میں سراسر عذاب ہے۔ اور یہ بھی سب جانتے ہیں۔ کہ موت سر پر کھڑی ہے۔ پھر باوجود اس علم کے لوگ نواہی کے خار زار میں قدم رکھتے، اور معصیت سے مدہوش ہوتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں۔ جن کا انجام غضب الٰہی، اور عذابِ آخرت ہے۔
اب غور کرنے کی بات یہ ہے۔ کہ انسان میں وہ کون چیز ہے۔ جو دیدہ دانستہ اس کو عذاب میں گرفتار ہونے پر راغب کرتی ہے؟
تو یہ چیز ہوئے ہے۔ جو ہر انسان کی طبیعت کو قہریات کے قبول کرنے پر حرکت دیتی اور مستعد کرتی ہے، اور قہریات ان امور الٰہیہ کو کہتے ہیں۔ جن کا انجام اللہ کے غضب، اور عذاب کی طرف ہوتا ہے۔ پس کسی کو یہ مجال اور طاقت نہیں۔ کہ نفس کی گرفت سے نکل سکے۔ مگر وہی جس پر لطف خداوندی، اور رحمت ایزدی سایہٗ فگن ہو۔ ذوق مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا

اگر کسی نے نہنگ یعنی مگرمچھ مار دیا۔ تو کوئی بڑا بہادری کا کام نہ کیا۔ اگر اژدہا یعنی بہت بڑا سانپ ہلاک کر دیا۔ تو پھر بھی کوئی قابلِ تعریف کام نہیں کیا۔ اور اگر شیر ببر مار ڈالا۔ تو یہ بھی کوئی دلیری اور بہادری کا کام نہ کیا۔ ہاں اگر نفس امارہ کو مار لیا اسے خدا کے احکام کے آگے جھکا لیا۔ تو سب سے بڑے موذی کو مارا۔ دنیا میں جتنا بڑا موذی نفس ہے۔ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ تو نفس کو مارنا سب سے بڑا بہادری کا کام ہے۔ اور سب سے بڑے دشمن کا قلع قمع کرنا ہے۔ لیکن قرآن مجید سے تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس موذی کو مارنا انسان کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ اس کے شر سے تو سوائے رحمت خداوندی کے کوئی پیغمبر بھی نہیں بچ سکتا۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔" اور نفس کی بدیوں سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں" کہ اللہ کی پناہ (REFUGE) کے بغیر اس کے شر سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ ہی پناہ میں رکھے، وہی بچائے تو ہم بچ سکتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ظہور قہر ازل ہے۔ جو ہوا و ہوس، اور شہوت و مستی کی دنیا لئے۔ نفس کے نام سے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپا بیٹھا ہے۔ اور اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ دل کو لبھانے اور فریفتہ کرنے، اور عروس دنیا کے حسن و جمال، اور تزئین و آرائش کی فلمیں دکھاتا رہتا ہے۔ اور عملاً بھی طبائع بشری کو قہریات کی پُر فریب وادیوں میں لے جاتا۔ اور حرص و آز کی ماہ وشوں کا پرستار بناتا ہے۔ ساری فلمی دنیا اسی نفس ہی کے اشاروں پر رقص

کناں ہے۔ اور دنیا جہان کے معاشقے اور عشق کے چرچے اسی کے رہینِ منت ہیں۔ بڑے بڑے علماء ربانی، صوفیائے کرام، اور اولیاء اللہ ساری زندگی نفس کے ساتھ جہاد کرتے ہی گزار گئے۔ اور اس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ مانگتے رہے۔

نفس کے ساتھ جہاد کرنا

جہاد بالنفس کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:۔

وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ۔ (مشکوٰۃ کتاب الایمان)

"اور کامل جہاد کرنے والا وہ ہے۔ جس نے جہاد کیا اپنے نفس سے اللہ کی بندگی میں"

نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا بہت بڑا اجر ہے۔ ایک جہاد تو میدانِ جنگ میں کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ جہاد تو اسی وقت ہی ہوسکتا ہے۔ جب کافروں کے ساتھ جہاد کا موقعہ ملے۔ لیکن نفس کے ساتھ جہاد تو شب و روز بلکہ ہر حین و آن جاری ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے مسلمان کو دائمی مجاہد بنا کر دائماً جہاد کے ثواب کا حق دار بنا دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جہاد بالنفس کا ثواب جہاد بالکفار کی مانند ہے۔ سوچئے۔ کہ ایک خوبصورت جوان جب بھرپور جوانی میں ہو۔ اور قوت اور طاقت کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ اسے ایک نہایت حسین و جمیل۔ ماہ وش نوجوان لڑکی جنسی تسکین کے لئے دعوت دے۔ اور یہ جوان اس کے پاس جا کر یہ کہہ کر چلا آئے۔

— اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ —"میں اللہ سے ڈرتا ہوں"

آپ غور فرمائیں۔ کہ اس نوجوان کا نفس کے ساتھ یہ جہاد کرنا کتنا

بڑا جہاد ہے! ایسے مجاہد کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"جس آدمی کو ایک خوب صورت مال دار عورت (بہ نیت بدی) بلائے۔ اور وہ یہ کہہ کر لوٹ آئے۔ کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو حشر کے دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیگا۔ جس دن نہیں سایہ ہوگا سوائے سایہ عرش کے۔ (مشکوٰۃ)

اس شخص کو قیامت کے دن اللہ اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا۔ کتنا بڑا اجر اور کتنا بڑا ثواب ہے۔ اور یہ ثواب اس لئے عظیم الشان ہے۔ اور اس لئے سایہ عرش میں جگہ ملے گی۔ کہ اس جوان نے اپنی بے پناہ شہوت اور خواہشِ نفس کو اللہ کے ڈر سے دبایا ہے۔ اسے خوفِ خدا سے زیر کیا ہے۔

اسی طرح نفس کے خلاف جہاد جاری رکھنا چاہئے۔ جو شخص اس جہاد کو جاری رکھے گا۔ اس کی زندگی شب و روز جہاد میں گزرے گی، اور جہاد کا ثواب پاتا رہے گا۔ شب و روز جہاد کرنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ جو خواہش بھی قرآن اور سنت کے خلاف اٹھے۔ نفس جو بات بھی معصیت کی بتائے۔ نفس کی مخالفت کرکے اسے اللہ کی اطاعت، اور بندگی میں جھکا دے۔ اس طرح نفس کو ہر وقت اللہ کے حکم کے آگے پامال کرتا رہے۔

نفس کو شہوانی خواہشوں سے روکنا

ارشادِ خداوندی ہے:-

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ

هِیَ الْمَاْوٰی ○ (پ ۳۰ ع ۴)

" اور جس شخص نے اپنے رب کے مقام سے خوف کیا۔ اور نفس کو (شہوانی) خواہش سے روکا۔ تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے"

مطلب یہ ہے۔ کہ جس نے مقام رب سے خوف کیا۔ مقام کھڑا ہونا۔ اور کھڑے ہونے کی جگہ۔ یعنی بندے نے اللہ تعالیٰ سے کفر نہیں کیا۔ بلکہ اس کی الوہیت کو پہچانا۔ اور قیامت کے دن اس کے حضور میں کھڑے ہونے سے خوف کیا۔ کہ مالکِ یوم الدین اس کے بارے میں کیا حکم دے گا۔ دنیا کی زندگانی کا حساب دیتے وقت کیا بیتے گی۔ اور کیا نتیجہ نکلے گا۔ اور اس خوف و دہشت سے اس نے نفس کو دنیا کی ذلیل خواہشوں، اور دیگر ممنوعات سے روکا۔ تو اللہ کے فضل سے جنت ہی اس کا دائمی گھر ہوگا۔ جہاں وہ شاہانہ اعزاز و اکرام سے رہے گا۔

یعنی قیامت کے روز فیصلہ حق کے واسطے سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔ تو جس نے اللہ کے مقامِ عظمت و جلال سے خوف کیا۔ اور منہیات سے نفس کو روکا۔ تو اس کا ماویٰ جنت ہی ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ اس آیت میں جنت کا وعدہ خوفِ مقامِ رب، اور منع ہوائے نفس پر دیا گیا ہے۔

اللہ کی پہچان اور معرفت

اللہ تعالیٰ سے خوف کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ پہلے اس کو پہچانیں جب پہچانیں گے۔ تو پھر اس سے خوف بھی کریں گے۔ غور کریں۔ کہ پولیس

کے سپاہی کو، یا تھانے دار کو، یا ایس۔پی کو پہچاننے پر ہی اس کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔ ڈی۔سی کا حکم صرف پہچان پر ہی بخوف مانا جاتا ہے۔ بادشاہ کی معرفت ہی ساری رعایا کو اس کے احکام پر عمل کراتی اور ڈراتی ہے۔ اسی طرح دنیا میں ہر شخص کی حیثیت معلوم کر کے ہی اس کے مطابق اس سے سلوک کیا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ، بزرگانِ دینؒ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، صحابہؓ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ جنابِ رحمت للعالمین۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سب کو جان پہچان کر ان کی درجہ بدرجہ عزت و تکریم، اور احترام و تعظیم، اور ارشادات کی تعمیل کی جائے گی۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ سے تب ہی ڈرا جائے گا۔ اسی صورت میں اس کا خوف پیدا ہوگا۔ جب اس ذات لایزال کو پہچانیں گے۔ اس کی معرفت حاصل کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ۔

"اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں"

یعنی اللہ کو پہچانتے ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدس ایسی اعلےٰ و اجلّ ہے۔ کہ بندے کی معرفت وہاں تک ہیچ ہے۔ لیکن کم از کم اتنی معرفت تو ضرور ہونی چاہئے۔ کہ آدمی اس کی حمد و ثنا اور عبادات اس کے ڈر کے سبب ضرور ضرور بجا لائے۔

اپنے رب متعال کی تھوڑی سی پہچان تو کریں۔ کہ یہ ہوا جو ہم بذریعہ سانس اندر لے جاتے ہیں۔ اور پھر باہر نکال دیتے ہیں۔ اور اسی طرح

زندگی رواں دواں رکھتے ہیں۔ اگر اس ہوا کو معدوم کر دے۔ یا اس سے آکسیجن سلب کرلے۔ تو تمام انسان (بلکہ ہر ذی روح) ہلاک ہو جائیں۔ کوئی زندہ نہ رہے۔ ہم نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں اللہ کی پہچان کرانے کے لیئے حاضرین کو کہا۔ کہ ایک منٹ تک سانس بند کرلو۔ انہوں نے سانس بند کرلیا۔ لیکن ایک منٹ سے قبل ہی انہوں نے سانس لینا شروع کر دیا۔ ہم نے کہا۔ کہ دیکھ لو۔ یہ ہے اللہ رب تمہارا۔ کہ جس کی ہوا اگر تم کو نہ ملے۔ تو تم دو ایک منٹ تک راہی ملک عدم ہو جاؤ۔ تمہارا دم گھٹ جائے۔ تو تمام آسمانوں اور زمین کی مخلوق مل کر بھی دم جاری نہیں کر سکتے"۔ کوئی ہوا پیدا نہیں کر سکتا۔ کوئی آکیجن نہیں لا سکتا۔ تو ہوا اور نسیم لا کر تمہیں زندگی بخشنے والا ہی اللہ ہے رب تمہارا۔ پہچان لو۔ اور ڈرو اس سے۔ یہی عبادت کا حق دار ہے۔

یہ پانی جو تم روز پیتے ہو۔ اگر اللہ تعالےٰ اسے زمین میں خشک کر لے۔ تو تم سب پانی نہ ملنے کی وجہ سے ضرور مرجاؤ۔ تو پانی سے ہر چیز زندہ رکھنے والا ہی اللہ رب العالمین ہے۔ اس سے ڈرو اور اس کی ہی عبادت کرو۔

ایسے ہی اگر وہ رزق زمین سے نہ اگائے۔ تو سب مخلوق بھوکوں مرجائے۔ تو رزق اگانے، بخشنے والا ہی رب کریم، معبود برحق ہے۔ بتائیے تو ہے

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب (اقبالؒ)

پہچان لو! — یہی اللہ ہے رب تمہارا۔ پس اس کی عبادت کرو۔ اور اس سے لرزو۔ جس تنہا ذات نے بغیر کسی کی مدد کے ہم کو پیدا کیا۔ قرارِ مکیں سے لے کر تا ایں دم — جس ذاتِ اقدس نے ہماری ربوبیت فرمائی۔ ہاتھ پاؤں۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ آنکھیں۔ اعضاء۔ احشاء اور معلومات کا خزانہ۔ حواسِ خمسہ جیسی نعمتیں عطا کیں۔ اور پھر صحت و سلامتی بخشی۔ اور بیماریوں کے دفعیہ کے لئے جڑی بوٹیاں پیدا کیں۔ اگر قبض ہو جائے۔ پاخانہ نہ آئے۔ تو بیدا انجیر اور دوسری بہت سی روئیدگیاں پیدا کر دیں۔ جس سے قبض دور ہو کر صحت عود کر آتی ہے اگر اسہال شروع ہو جائیں۔ تو دافع اسہال بوٹیاں پیدا کیں۔ گرم امراض کے لئے سرد ادویہ۔ اور سرد امراض کے لئے گرم ادویہ زمین سے نکالیں۔ اپنے علم و حکمت اور قدرت سے تمام امراض کے لئے تیر بہدف علاج مہیا فرمائے۔ ہماری صحت، سلامتی، اور حیات فانی کی بقا کے لئے بے شمار اسباب میسر کئے۔ جس نے ہر انسان کی صورت جدا۔ رنگ جدا۔ آواز جدا۔ طبائع، امزجہ، اور بولیاں جدا جدا پیدا کیں۔ ربوبیت کے تمام اسباب اور زندگی کی ہر چیز بخشی۔ یہی اللہ ہے رب تمہارا۔ پس اس سے خوف کھاؤ۔ اور اس کی ہی عبادت کرو! بغیر شرکتِ غیرے۔

پھر پہچانو اس واحد القہار کو ۔ کہ جس کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری موت اور حیات ۔ ہمارا دانہ اور پانی ۔ سونا اور جاگنا ، چلنا اور پھرنا ۔ اٹھنا اور بیٹھنا ۔ کھانا اور پینا ، جینا اور مرنا ، صحت اور مرض ۔ سننا ۔ تکھنا ۔ چھونا ۔ ٹٹولنا ۔ سونگھنا ۔ سوچنا ۔ سمجھنا ۔ توفیق خیر ۔ پناہِ شر، آمد و شدِ نفس ، عقل ، دانائی ، فہم ، شعور ، تمیز ، نطق ، گویائی ، ہوش ، حواس ، جان ، روح ، ہمت ، سکت ، قوت ، طاقت ، دین اور ایمان ! ۔ پہچان لو یہ ہے اللہ معبودِ برحق ۔ جس کی خالص عبادت کا زلال پینا چاہیئے ، اور اس کے خوف سے لرزتے رہنا چاہیئے ۔ ؎

پھندے سے تیرے جاتے کیونکر نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا

تو کیا پیغمبر ، کیا امتی ۔ کیا شاہ ، کیا گدا ، کیا امیر ، کیا غریب ۔ کیا اعلےٰ کیا ادنیٰ ۔ کیا کہہ کیا مہہ ۔ مذکورہ امور میں سب ہی اللہ کے محتاج ، اور زندگی میں ہر لمحہ اس کے در کے فقیر ہیں ۔ قرآن فرماتا ہے :۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۔ (پ ۲۲ ع ۱۵)

" اے لوگو ! تم سب اللہ کی طرف محتاج اور فقیر ہو "

یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔ (پ ۲۷ ع ۱۲)

" مانگتا ہے اللہ سے جو کوئی آسمانوں میں ہے ، اور زمین میں ہے "

پہچان لیجیئے ۔ کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے ۔ کہ جس کے دروازے پر تمام اولادِ آدم کاسۂ گدائی لیے حاضر ہے ۔ ہر کوئی اس کے در کا محتاج اور فقیر ہے ۔ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اللہ کے در سے

مانگتی ہے۔سب اس کے در پر سوالی ہیں۔

جب پہچان لیا ہم نے اللہ کو۔کہ اگر وہ رزق، پانی، اور ہوا بند کرلے۔تو نہ کوئی پیغمبر زندہ رہے۔ نہ امتی۔ نہ بادشاہ، نہ فقیر، سب مخلوق فنا ہو جائے۔تو پھر ڈرنا چاہیئے۔اللہ تعالیٰ سے۔اور حکم ماننے چاہئیں اس کے، اور بچنا چاہیئے اس کی نافرمانی سے۔

اگر ایک لمحہ بھی وہ ہماری ربوبیت سے دست کش ہوجائے۔ تو دوسرے لمحہ ہی ہماری زندگی موت میں تبدیل ہو جائے۔اگر بول ہی بند ہو جائے۔یا براز امعاء میں رُک جائے۔اور اللہ حکم شفا نہ بخشے۔تو ہفت اقلیم کا بادشاہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر جان دیدے۔تو پھر اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔اور خوفِ مقامِ ربّ سے امتثالِ اوامر، اور اجتنابِ نواہی پر کاربند ہونا چاہیئے۔

حضرت عیسیٰؑ اور خوف مقامِ ربّ

اب جب کہ آپ نے اللہ کو کچھ پہچان لیا ہے۔کہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق، تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اس کے قبضہ میں ہر چیز مسخر و منقاد ہے۔کوئی اس کے آگے دم نہیں مار سکتا۔ اگر چاہے تو زمین و آسمان اور ساری کائنات کو چشم زدن میں فنا کر دے۔ وہ خالق کُل، مالکِ یوم الدین ہے۔ حشر کو تمام انبیاء اپنی امتوں کو لے کر اس کے حضور حاضر ہونگے۔ ہر کوئی اس کے سامنے لرزہ بر اندام ہوگا۔حضرت عیسٰے علیہ السّلام کو اللہ واحد القہار قیامت کے دن پوچھے گا۔

ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (پ ۷ ع ۶)

"کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا۔ کہ پکڑو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے۔"

اس سوال پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ہر بُنِ مُو سے خون جاری ہو جائے گا۔ اور وہ غش کھا کر گر پڑیں گے۔ فرشتے ان کو اٹھا کر عرش کے سایۂ میں لے جائیں گے، جب ہوش آئے گا۔ تو پھر داورِ محشر کے سامنے حاضر ہو کر یوں عرض کریں گے:۔

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (پ ۷ ع ۶)

"کہیں گے (عیسٰی علیہ السلام) پاک ہے تو۔ نہیں ہے لائق مجھ کو کہ کہوں میں وہ چیز کہ نہیں (سزاوار) واسطے میرے اگر میں نے یہ کہا ہوگا اُن کو۔ پس تحقیق تو جانتا ہوگا اس کو، جانتا ہے تو جو کچھ میرے جی میں ہے۔ اور نہیں جانتا میں جو کچھ تیرے جی میں ہے۔ بے شک تو ہی جاننے والا ہے غیبوں کا۔ (میرے پروردگار) نہیں کہا تھا میں نے ان

کو مگر (وہی)، کہ حکم کیا تھا تو نے مجھ کو ساتھ اس کے، (اور میں نے یہی کہا تھا)، کہ عبادت کرو اللہ کی (جو) پروردگار ہے میرا۔ اور پروردگار ہے تمہارا۔ اور میں ان پر شاہد رہا۔ جب تک کہ رہا میں ان میں۔ پس جب قبض کیا تو نے مجھ کو، (دنیا میں نہ رہا) تھا تو نگہبان اُن پر۔ اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔"

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے ساتھ قیامت کے روز جو معاملہ پیش آنا ہے۔ آپ نے اوپر پڑھ لیا ہے۔ یہ ہے داورِ محشر کے حضور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی پیشی۔ یہی ہے **مقامِ ربّ** — اور ہیبتِ ذوالجلال سے ان کے ہر بُنِ مُو سے خون جاری ہونا۔ اور ان کا غش کھانا — یہ ہے **خوفِ مقامِ ربّ**!

ہماری اللہ کے حضور پیشی ہوگی

اب ہم سب کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ ہر شخص کی اللہ کے سامنے پیشی ہوگی — حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیشی کو سامنے رکھ کر اپنی پیشی پر نظر کریں۔ کہ ہمارا کیا بنے گا — عیسٰی علیہ السّلام — رُوحُ اللہ — تو اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر دہشتِ پروردگار سے تھرتھر کانپیں گے۔ ان کے ہر بال کی جڑ سے خون کی نہریں بہ نکلیں گی۔ وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑیں گے۔ حالانکہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ معصوم ہیں۔ اور بے قصور مسئول ہیں۔ دنیا میں توحید باری تعالیٰ کے علم بردار تھے۔ لوگوں کو اللہ کی الوہیت، اور ربوبیت کا درس دیتے تھے۔ اور سب کو اسی کے در پر جھکاتے تھے۔

وحی، اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ۔ ان کے مشن کی جان، اور تبلیغ کی روح و رواں تھی۔ انھوں نے رسالت کے فرائض پوری طرح انجام دیئے تھے۔ محشر میں صرف یہ جان کر کہ دنیا میں نصاریٰ نے ان کو رفع کے بعد الٰہ بنایا تھا۔ مارے خوف کے لرز اٹھیں گے۔ اور دہشت سے اوسان گنوا لیں گے۔ یہ خیال کر کے کہ کہاں اللہ تعالیٰ معبود برحق، اور کہاں اللہ کا غلام مرزوق، اور مربوب ابن مریم۔ جاہلوں اور نابکاروں نے غلام کو خدائے لایزال کے برابر کر دیا تھا۔ کانپ کانپ جائیں گے حضرت عیسےٰؑ کے خوفِ مقامِ ربّ کے سامنے ہمیں مقامِ ربّ سے ڈرنا چاہیئے اور خوفِ مقامِ ربّ سے نفس کو منہیات و ممنوعات سے روکنا چاہیئے۔

خوفِ مقامِ ربّ

جب اللہ تعالیٰ کی معرفت، اور پہچان حاصل ہوتی ہے۔ تو پھر بندہ اس سے ڈرتا ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا۔ کہ میں تم سب سے بڑھ کر اللہ تعالےٰ کو پہچاننے والا ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر اس سے ڈرنے والا ہوں۔ پھر فرمایا۔ اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں۔ تو کم ہنستے، اور بہت روتے۔ اور کبھی عورتوں سے بستر پر نہ ملتے۔ اور نکل کر ٹیکروں پر اللہ تعالےٰ سے پناہ اور نجات مانگا کرتے۔ اور تم کو زندگی گوارا نہ ہوتی۔ (جامع البیان)

پس صاف معلوم ہوا۔ کہ مقامِ ربّ سے ڈرنا اسی بندہ مومن کا کام ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کو پہچانتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ڈرنے والوں سے

متعلق فرمایا ہے:۔

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (پ۲۷ ع ۱۳)

"جو شخص اپنے پروردگار کے آگے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے۔ اس کے لئے دو بہشتیں ہیں"

بے شک جو شخص اپنے رب کے مقام سے ڈرتا ہے۔ اس کے حضور کھڑے ہو کر زندگی کی جواب دہی سے لرزتا ہے (اور دنیا میں اوامر و نواہی پر کار بند رہتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا کرے گا۔ اور بے پناہ انعام و اکرام سے نوازے گا۔

آخرت میں اللہ کے وعدہ کے مطابق اگر ہم جنت کے طلب گار ہیں۔ نجات اور عافیت چاہتے ہیں۔ تو جو شرط اللہ نے عائد کی ہے۔ اس کو پورا کرنا چاہیئے۔ کہ نفس کو ہوائے باطلہ سے روکیں۔ جس نے نفس پر قابو پا لیا۔ اسے خوفِ خدا کی لگام سے رام کر لیا۔ اور ہر معصیت، ہر منکر، اور ہر باطل خواہش کی شراب نفس کو نہ پلائی۔ تو سمجھ لے کہ اس نے اپنا گھر جنت میں بنا لیا۔

شرِ نفس سے پناہ کی دعا

چونکہ نفس کی قہرمانی خو بدی پر مجبول ہے۔ اس لئے اس کی بدی اور برائی سے بچنا سراسر محال ہے۔ سوائے اس کے، کہ خالقِ نفس ہی بچائے۔ تو بچ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نفس کے شر سے بچنے کے لئے ہمیشہ اللہ کی پناہ چاہی ہے۔ اور سب کو یہی تعلیم دی ہے۔ کہ اللہ ہی سے پناہ مانگو۔

ایک دفعہ دانائے سبل، حضرت ختم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم نے

عمران کے باپ حصین سے ان کے اسلام لانے سے قبل پوچھا۔ کہ آج تم کتنے معبودوں کی بندگی کرتے ہو؟ ۔ اس نے کہا سات معبودوں کی۔ چھ زمین میں۔ اور ایک آسمان میں ۔ حضورؐ نے پوچھا۔ سب سے زیادہ کس پر امید رکھتا ہے۔ اور سب سے زیادہ کس سے ڈرتا ہے؟ اس نے کہا۔ وہ ذات جو آسمان میں ہے! (یعنی اللہ تعالیٰ)

حضورؐ نے فرمایا۔ اے حصین! اگر تم اسلام قبول کرتے۔ تو میں تم کو دو ایسے کلمے سکھاتا۔ جو تجھے فائدہ دیتے۔ جب حصینؓ مسلمان ہوا۔ تو اس نے حضورؐ سے عرض کیا۔ جن دو کلموں کا آپ نے وعدہ کیا تھا۔ اب مجھ کو سکھلایئے ۔ حضورؐ نے فرمایا۔ (کہو):-

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَ اَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ ط

"اے اللہ میری ہدایت میرے جی میں ڈال دے ۔ اور میرے نفس کی برائی سے مجھے پناہ میں رکھ!"

رسولِ رحمت ؐ نے حصینؓ کو یہ دعا سکھلا کر ہدایتِ خداوندی کا سمندر کوزہ میں بند کر دیا۔ اور قطرہ میں قلزم کی جلوہ نمائی کا اعجاز دکھایا۔ غور کریں کہ پہلے کلمہ میں تو دعا ہے۔ کہ اے اللہ! میری ہدایت میرے جی میں ڈال دے۔ فرض کیجئے۔ کہ ایک شخص کو ہدایت سوجھ گئی ہے ۔ اور اس پر حق روشن ہو گیا ہے۔ دل نے سیدھے راستے کو دیکھ لیا ہے ۔ لیکن نفس کہتا ہے۔ کہ خبردار! اس حق کو زبان سے نہ نکالنا۔ اقرار نہ کرنا ۔ کیا منہ دکھائے گا تو برادری کو ۔؟ ۔ تیرے آباؤ اجداد کا جو عقیدہ اور عمل تھا۔ اس سے انحراف کر کے اپنے خاندان کی آبرو مٹی میں نہ ملانا۔ چنانچہ وہ شخص نفس کے ورغلانے پر نہ احقاقِ حق

کرتا ہے۔ " ابطالِ باطل۔ حالانکہ اس کا دل مانتا ہے۔ کہ یہ بات حق ہے۔ پس رازدانِ وحی الٰہی نے دوسرے کلمہ میں یہ دعا بھی بتادی وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ۔ اور (اے رب برتر) مجھے میرے نفس کی برائی سے پناہ میں رکھ۔"

یعنی میری ہدایت میرے دل میں ڈال۔ اور اس ہدایت پر عمل کرنے سے مجھے نفس کی شرارتوں، بدیوں، برائیوں، مکروں، فریبوں سے بھی بچا کیونکہ جب تک نفس کے ورغلانے اور بہکانے سے تحفظ نہ ملے، ہدایت کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ پس اللہ کے آگے ہدایت طلبی کی دعا بھی ہے۔ اور ساتھ ہی شرِّ نفس سے امان کی التجا بھی ہے۔ دیکھئے۔۔۔ ایسے فائدے اور حکمت کی باتیں سوائے خاتم النبیین صلے اللہ علیہ و سلم کے اور کون بتا سکتا ہے؟

ابوطالب کا واقعہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے واقعہ پر غور کریں۔ کہ حضرت رحمتِ عالم وفات کے وقت اس کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں ابوجہل اور عبد اللہ بن امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے چچا! یہ کلمہ کہو۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تاکہ میں اس کلمہ کے ذریعہ تمہارے واسطے اللہ کے حضور میں حجت پیش کروں۔ ابوجہل اور عبد اللہ بن امیہ نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ اے ابوطالب کیا تم ملتِ عبد المطلب سے منہ موڑتے ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم برابر یہ کلمہ پیش کرتے۔ اور وہ دونوں مشرک اپنا مقولہ دہراتے تھے۔ یہاں تک کہ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ابوطالب نے آخر کہا۔۔۔ "کہ میں عبد المطلب کی ملت پر ہوں۔" اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے

انکار کیا۔

اور ابوہریرہ رضؓ کی روایت میں ہے۔ کہ ابو طالب نے کہا کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا۔ کہ قریش مجھے عار دلائیں گے۔ کہ موت کی گھبراہٹ سے ابوطالب نے یہ کلمہ کہا۔ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو میں (اے محمدؐ)۔ تیری آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے واسطے یہ کلمہ کہہ دیتا۔ اور یہ کلمہ تو میں اسی غرض سے کہتا۔ کہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر ابوطالب نے انتقال کیا۔

(بخاری شریف۔ ترمذی شریف)

پس ابوطالب، عبدالمطلب کے دین پر مرگیا۔ اسے عار لے ڈوبی۔

معلوم ہوا۔ کہ اگر دل میں رشد آ بھی جائے۔ تو وہ اسی صورت میں مفید اور بار آور ہو سکتی ہے۔ جب کہ نفس خرابی پیدا نہ کرے، ابوطالب کے احساسِ رشد کو شرِّ نفس نے برباد کر دیا۔ پس نفس کی شرارت سے سوائے اللہ کی پناہ کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

نفس لوّامہ

نفس لوامہ کے معنے ہیں۔ ملامت کرنے والا نفس۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ٥ (پ۲۹ ع۱۷)

"میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی، اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔ کیا انسان خیال کرتا ہے۔ کہ ہم کبھی اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت کی اور نفس لوامہ کی

قسم کھا کر کہا ہے۔ کہ کیا انسان خیال کرتا ہے۔ کہ ہم اس کی ہڈیاں (مرنے کے بعد) جمع نہ کریں گے۔

بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ٥

"کیوں نہیں (ہم ضرور جمع کریں گے) درحالیکہ ہم قدرت والے ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور ٹھیک برابر کریں"

تو نفس لوامہ کیا ہے۔ جس کی اللہ نے قسم کھائی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے۔ کہ نفس لوامہ۔ نفس مومن ہے۔ واللہ ہم مومن کو جب دیکھتے ہیں۔ تو یہی دیکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ اپنے نفس سے کہتا ہے۔ کہ اس کھانے میں تیری کیا نیت تھی۔ اور اس کلمہ سے تیری کیا مراد تھی۔ اور اس شخص سے باتیں کرنے میں تیری کیا نیت تھی۔ اور فاجر کا یہ حال ہے کہ وہ بے فکر قدم قدم چلا جاتا ہے۔ کبھی اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتا۔

ابن ابی حاتم میں ہے۔ کہ حضرت عکرمہ سے یہ آیت پوچھی گئی۔ تو فرمایا۔ کہ نفس لوامہ وہ ہے۔ جو بھلائی و برائی پر ملامت کرے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ بھلائی کے بعد ملامت کرے کہ اس نیکی میں کیوں خامی رہ گئی ہے۔ تو نے کیوں کوتاہی کی۔ اور عمدگی سے اس نیک کام کو کیوں نہیں کیا۔ مثلاً نماز کا اول وقت ٹال کر نماز پڑھی۔ تو ملامت کرے۔ کہ حدیث میں آتا ہے۔ افضل الاعمال الصلوٰۃ فی اول وقتھا۔ نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا افضل عمل ہے۔ تو نے اول وقت کو کیوں ترک کیا۔ نماز کے ارکان کو تعدیل سے ادا نہ کرنے پر ملامت کرے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کو طمانیت اور

تعدیل سے ادا کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔ اسی طرح ہر نیکی اور بھلائی اچھی طرح سنت کے مطابق بجا نہ لانے پر ملامت، افسوس اور شرم محسوس کرے اور اگر کسی کارِ خیر میں ریا، اور نمود پائے۔ تو سخت ملامت کرے۔ بلکہ خوب روئے۔ کہ ایسے ریا کارانہ اعمال سے قیامت کو خاک بھی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ الٹا رسوائی، اور ذلت کا موجب ہوں گے۔ پھر آیندہ ریاکاری سے سخت بچے۔

ایسے ہی تمام نیکیوں کی خامیوں پر پچھتائے۔ اور جس جس نیکی اور بھلائی کا موقعہ ہاتھ سے نکل جائے۔ ان پر کفِ افسوس ملے۔ اور آیندہ ہوشیار رہے۔ ہاں اگر کوئی گناہ ہو جائے۔ تو بھی ملامت کرے غم اور افسوس کھائے۔ چھوٹے چھوٹے گناہوں پر بھی اپنے آپ کو جھڑکے۔ ہر چھوٹی بڑی غلطی پر سرزنش کرے۔ شریعت میں جتنی نواہی ہیں۔ ہر نہی کے ارتکاب پر اپنے آپ کو ملامت کرے۔ بلکہ ہر ہر قصور پر اپنی مذمت کرے۔ حتیٰ کہ وقت ضائع کرنے پر بھی پشیمان ہو۔

معلوم ہوا۔ کہ اس طرح خامیوں، کمیوں، کوتاہیوں، عیبوں، گناہوں غلطیوں اور گناہوں پر نادم، شرمندہ، شرمسار ہونے والا۔ اور اپنے آپ کو ملامت اور مذمت کرنے والا۔ نفس لوامہ نفس مومنہ ہے۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو نفس لوامہ رکھتے ہیں۔ ہر غلط قدم پر ملامت اور توبہ کرنے والا نفس۔

نفس مطمئنہ لفظ مطمئنۃ اطمینان سے مشتق ہے۔ اطمینان کے معنے ہیں جماؤ۔ اور ٹھہراؤ۔ اور اطمینان کی کیفیت چند طریق پر ہے۔

(۱) یہ کہ حق پر اس کو خوب یقین ہو۔ بالکل مطمئن، ٹھہرا ہوا، ثابت اور قائم ہو۔ کسی طرح کا شک وشبہ نہ رکھے۔ جس سے مضطرب ومشوش ہو۔

(۲) یہ کہ مطمئنہ وہ ہے۔ کہ اس میں گھبراہٹ۔ خوف اور اندوہ نہ ہو۔ بلکہ پورا پورا امن اور سکون ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ٥ (پ۲۴ ع ۱۸)

"جن بندوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔ پھر اس پر ٹھیک جمے رہے۔ تو ان پر (بوقت موت) فرشتے اترتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے کہ خوف نہ کرو۔ اور (دنیا چھوڑنے سے) غمگین نہ ہو۔ اور جنت کی خوش خبری لو۔ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

(۳) نفس مطمئنہ وہ ہے۔ جو اللہ کی یاد میں ہو۔ ارشاد رب العالمین ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ٥ (پ۱۳ ع ۱۰)

"وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور اطمینان پاتے ہیں دل ان کے ساتھ یاد اللہ کے۔ خبردار! اللہ کی یاد سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔"

امام ابن کثیرؒ نے فرمایا۔ نفس مطمئنہ وہ ہے جو نجاست شرک

سے پاک ہو۔ اور اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر جما ہو۔

حسن بصریؒ نے فرمایا۔ نفس مطمئنہ وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور دار آخرت پر موافق ہدایتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کے یقین رکھتا ہو۔ اور اس یقین پر جما ہو۔ اس سے کہا جائے گا:۔

" یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِ اے نفس مطمئنہ لوٹ چل اپنے رب کی طرف۔ یعنی اس کے جوارِ قدس میں ثواب و نعمت بے مثل، اور جنت میں چل۔ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ تو اپنے رب سے راضی ہے۔ اور اللہ تیری بندگی سے راضی ہے۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ۔ پس تو میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ اور میری جنت میں داخل ہو "

یہ بشارت عظمےٰ نفسِ مطمئنہ کو ایک دفعہ مرنے کے وقت سنائی جائے گی۔ اور دوسری مرتبہ قبر سے اٹھنے کے وقت، اور تیسری دفعہ آخرت میں بشارت دی جائے گی۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے بسند جیّد روایت کی۔ کہ سعید بن جبیر نے کہا۔ کہ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے تھے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ الخ۔ تو حضرت ابوبکرؓ صدیق پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! یہ کیا اچھی بشارت ہے۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکرؓ! وہ وقت قریب آتا ہے۔ (یعنی موت کا وقت) کہ تجھ سے بھی کہا جائے گا۔

پس نفس مطمئنہ کی تعریف، پہچان اور صفت یہ ہے۔کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اور الوہیت پر سختی سے جما ہوتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے وہ ذات لایزال سے صرفِ نظر نہیں کرتا، وہ ہر غیر اللہ سے مایوس و ناامید، اور صرف اللہ تعالیٰ پر توکل اور امید رکھتا ہے۔ وہ دنیا ومافیہا سے بے نیاز، اور رب الارباب کے دروازہ کا فقیر ہوتا ہے۔ اوامر کی شرابِ طہور سے ہر وقت سرشار رہتا ہے۔ اور نواہی کی مسموم اور متعفن فضا میں ایک سانس لینا بھی گوارا نہیں کرتا۔ ہر معروف اس کی جان، اور ہر منکر اس کے لئے سوہانِ روح ہے۔ بیماری اور صحت، خوشی اور غمی، عسر اور یُسر، فراخی اور تنگی — خواہ کوئی حالت ہو۔ وہ راضی بہ رضا ہوتا ہے۔ اللہ کی عبادت اور ذکر سے ہر وقت وہ چین میں رہتا ہے۔ دنیا سے رخصت ہوتے وقت ملائکہ رحمت اس کو بہشت کی خوش خبری دیتے ہیں — اور رضامندیِ حق تعالیٰ کا مژدہ سناتے ہیں۔ تو راضی بہ رضا نفس بہ ہزار راحت و فرحت جسدِ خاکی کو خیرباد کہہ کر — جوارِ اقدس میں پہنچ جاتا ہے۔ ؎

خود آگہاں کہ ازیں جہاں بروں رفتند
طلسمِ مہر و سپہر و ستارہ بشکستند

پس جنابِ رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنے خطبہ میں فرمانا وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ ”کہ ہم اپنے نفس کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں“ — عین حق ہے۔ اور ایمان کے خزانہ کے لئے مضبوط قلعہ ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے نفس امارہ کی بدیوں اور برائیوں سے ہم سب کو بچائے۔ اور اپنی پناہ میں رکھے۔

اللہ! ۔ نفس امّارہ کو نفس لوّامہ سے بدل دے۔ اور لوّامہ کو مطمئنہ بنا دے! ؎

اَے خالقِ کل اپنے خلیفہ کو سنوار

عملوں کی بُرائی سے امان

وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۔ ”اور (پناہ مانگتے ہیں ہم اس کی) اپنے عملوں کی برائی سے“

عملوں کی برائیوں کے لئے بھی اللہ تعالےٰ کی پناہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بدیوں سے بچنا، اور نیکیاں کمانا۔ اللہ کی توفیق اور مدد کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے بندے کو ہر حال اور ہر صورت میں اللہ کی طرف ہی راغب کیا ہے۔ اور اسی کی توفیق اور مدد کا محتاج بتایا ہے۔ چنانچہ فرمایا جنابِ رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ و سلم نے :۔

لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

”نہیں ہے پھرنا گناہوں سے، اور نہیں طاقت عبادت پر۔ مگر ساتھ مدد اللہ کے“

یعنی عملوں کی برائیوں۔ تمام گناہوں سے ہم پھر نہیں سکتے۔ بچ نہیں سکتے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد اور محافظت کے۔ اور اسی طرح ہمیں کوئی طاقت نہیں ہے عبادت پر۔ مگر ساتھ توفیق اور مدد الٰہی کے۔ حضرت ابی ہریرہ رض روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:۔

لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ دَوَاءٌ مِنْ تِسْعَۃٍ وَّ

تِسْعِيْنَ دَآءً اَيْسَرُهَا الْهَمُّ۔ (مشکوٰۃ شریف)

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ دوا ہے ننانوے بیماریوں کی۔ ادنیٰ ان میں سے غم ہے۔"

حضرت ابی ہریرہ رض ہی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَسْلَمَ عَبْدِىْ وَاسْتَسْلَمَ ۞ (دعواتِ کبیر)

"کیا نہ بتاؤں میں تجھ کو (اے ابی ہریرہؓ) ایک کلمہ کہ اترا ہے عرش کے نیچے سے بہشت کے خزانہ سے۔ (وہ کلمہ یہ ہے) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ جب یہ کہتا ہے بندہ تو فرماتا ہے اللہ تعالےٰ تابعدار ہوا بندہ میرا۔ اور بہت فرماں بردار ہوا!"

تو یہ کلمہ یعنی "لاحول ولا قوہ الا باللہ۔ ہر بندے سے تقاضا کرتا ہے۔ کہ وہ خود کو ایک مشتِ خاک جانے۔ بے حس و حرکت سمجھے۔ اور یقین کرے۔ کہ اس کا حرکت کرنا۔ بولنا چالنا۔ اٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ اس کا نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا۔ تہجد۔ تسبیح۔ اشراق۔ قولی۔ بدنی، مالی، عبادات، اور ہر نیکی صرف اللہ کی مدد اور نصرت سے انجام پاتی ہے۔ محض اس کی توفیق اور کرم و بخشش سے عمل پذیر ہوتی ہے۔ اور جتنے گناہ، اور معاصی ہیں۔ ان سے تقویٰ کرنا، اور بچنا بھی اللہ ہی کی مدد و معونت سے

ہے۔ انسان لا شئے ہے۔ ہیچ ہے۔ اللہ ہی کی رحمت کے سہارے یہ نیک ہے۔ اور اسی کے تحصّن و تحفظ سے یہ بدی سے امان میں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام دورانِ تبلیغ قوم کو کہتے ہیں:۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ (پ۱۲ ع ۸)

" نہیں ارادہ کرتا ہوں میں مگر اصلاح کا جب تک کر سکوں میں۔ اور نہیں توفیق میری مگر ساتھ اللہ کے، اسی پر توکل کیا میں نے، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں "

خدا کا پیغمبر کہتا ہے کہ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔ اور نہیں ہے توفیق میری مگر ساتھ اللہ کے۔ یعنی صرف اللہ ہی کی توفیق، اور مدد سے میں تبلیغ کرتا ہوں۔ اسی کی مدد سے ہی تمام ذمہ داریاں نبوّت کی سرانجام دیتا ہوں۔ پس ہر انسان کسبِ خیر، اور حفظِ شرّ میں پورے طور پر اللہ کا محتاج ہے۔ اس کی اعانت، اور پناہ کے بغیر شرورِ اعمال سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ پاک میں ایک واقعہ ہوا کہ ایک انصاری کی زرہ جو آٹے میں رکھی ہوئی تھی۔ چوری ہوگئی۔ صبح آٹے کا نشان لوگوں کو ایک شخص کے گھر تک لے گیا۔ جس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا۔ اس کے گھر کی تلاشی لی۔ تو وہاں زرہ نہ نکلی۔ آٹے کا نشان آگے بھی جاتا نظر آیا۔ جو ایک یہودی کے گھر تک چلا گیا تھا۔ یہودی کے گھر سے زرہ نکل آئی۔ اس یہودی نے کہا۔ کہ یہ زرہ مجھے طعمہ بن ابیرق نے بطور امانت دی ہے۔ طعمہ سے پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ کہ

ہیں نے کوئی زرہ یہودی کو نہیں دی۔ چور وہی ہے ــ طعمہ کی برادری نے رات کو مشورہ کیا۔ کہ سب چل کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دیں۔ کہ چور یہودی ہے۔ اور طعمہ بری ہے۔ حضورؐ ہماری حمایت کریں گے۔ چنانچہ وہ حضورؐ کے پاس آکر قسمیں کھا کر طعمہ کی برأت ظاہر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرما کر طعمہ کو مجرم، اور یہودی کو بے گناہ قرار دیا۔ اور ساتھ ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے فریب سے بچا لیا۔ ارشاد خداوندی ہے

وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَ رَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ۝ (پ۵ ع ۱۴)

"اور (اے پیغمبرؐ!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو ان میں سے ایک گروہ تم کو بہکانے کا ارادہ کر ہی چکا تھا۔ اور یہ لوگ بس اپنے ہی تئیں گمراہ کر رہے ہیں اور تم کو (یہ لوگ) کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری ہے۔ اور تم کو، وہ کچھ سکھایا۔ جو تم نہ جانتے تھے۔ اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے"

پس اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی فریب دہی سے بچا لیا۔

نیک کاموں میں خلوص شرط ہے

نیک کام ــ اوامر خداوندی، اگر

خلوص نیت سے کئے جائیں۔ تو قیامت کو کام آئیں گے۔ اور بار آور ہوں گے۔ ورنہ نے ڈوبیں گے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کا حال بیان فرمایا ہے۔ جنہوں نے احکام الہٰی کی تعمیل کی۔ نیک کام انجام دیئے۔ لیکن نیت میں خلوص نہ ہونے کے باعث وہ کام برباد ہو گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قیامت کے دن ایک شہید اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ پھر فرمائے گا کیا عمل کیا تو نے ان میں؟ وہ کہے گا۔ لڑا میں تیری راہ میں، یہاں تک کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ فرمائے گا۔ جھوٹا ہے تو۔ ولیکن لڑا تو (اس نیت سے) کہ کہا جائے کہ بہادر ہے۔ پس تحقیق کہا گیا۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر ایک عالم اور قاری کو لایا جائے گا۔ اللہ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ پھر فرمائے گا۔ کیا عمل کیا تو نے ان میں؟ وہ کہے گا۔ سیکھا میں نے علم، اور سکھایا اس کو۔ اور پڑھا میں نے قرآن تیری راہ میں۔ اللہ فرمائے گا۔ جھوٹ بولا تو نے۔ ولیکن سیکھا تو نے علم کہ کہا جائے۔ تحقیق تو (بڑا) عالم ہے۔ اور پڑھا تو نے قرآن۔ کہ کہا جائے کہ تو (بڑا) قاری ہے۔ پس تحقیق کہا گیا۔ (یعنی تیری نیت پوری ہو گئی) پھر اسے بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر ایک مالدار آدمی پیش ہو گا۔ اللہ اس کو نعمتیں یاد دلائے گا۔

اور کہے گا۔ کہ کیا عمل کیا تو نے ان میں؟ وہ عرض کریگا۔ میں نے تیری خوشی کی جگہوں میں بہت مال خرچ کیا تھا۔ اللہ فرمائے گا۔ تو جھوٹا ہے۔ ولیکن خرچ کیا تو نے کہ تجھے سخی کہا جائے۔ پس کہا گیا تجھ کو۔ پھر اسے بھی دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

غور کریں۔ کہ خدا کی راہ میں شہید ہونا کتنا بڑا نیک کام ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا اور علم سکھانا، اور قرآن پڑھنا پڑھانا کتنے ثواب کے کام ہیں لیکن ریاو نمود کے سبب یہ کام، نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بن گئے۔ کوئی اجر نہ ملا۔ بلکہ سزا ملی۔ برے اعمال تو برائیوں کا موجب ہوتے ہی ہیں۔ دیکھئے یہ نیک اعمال بھی برائیوں پر منتج ہو گئے۔ تو اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ برے عملوں سے بھی اللہ بچائے اور نیک اعمال کی بھی خلوصِ نیت سے توفیق دے۔ بیشک برائی سے ہاتھ دے کر بچا لینا، اور اعمال خیر کی پُرخلوص توفیق دینا صرف اللہ رب العالمین کا کام ہے۔ امّہات المومنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ (پ ۲۲ ع ۱) ـــ "سوائے اس کے نہیں۔ کہ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کہ دور کرے تم سے پلیدی، اے گھر والو! (پیغمبرؐ کی بیبیو!) اور پاک کرے تم کو خوب پاک کرنا۔"

سبحان اللہ! رحمتِ عالمؐ کی ازواج مطہرات کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے گناہ کو آنے ہی نہیں دیا۔ پاک پاک رکھا۔ ؎

انہیں جلوتوں میں سنائیے کبھی سوزِ درد کی داستاں
وہ قریب ہیں رگِ جاں سے بھی انہیں خلوتوں میں پکاریئے

(ثمر)

شجرِ ہدایت کی ثمرباریاں

مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ

"جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں"

زمیں کے ذرّوں نے تاروں کا رُوپ دھارا ہے

قدم قدم پہ نشاط آفریں اجالا ہے

ہدایت کے دو معنی ہدایت کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک ایسی رہنمائی کو کہتے ہیں۔ جیسے کسی نے دوسرے کو بادشاہی مسجد کا راستہ بتایا۔ کہ دیکھو تم اس طرح فلاں فلاں نشانات پر چلے جاؤ۔ یہ بازار سیدھا جاتا ہے۔ راستے میں فوارہ آئے گا۔ اس سے ذرا آگے گھنٹہ گھر آئے گا۔ وہاں سے دائیں طرف ایک کھلا بازار ہے۔ اُدھر مڑ جانا۔ پھر سیدھے چلتے چلتے مسجد آجائے گی۔ راہ چلتے ہوئے خیال رکھنا۔ کہ جیب کترے بھی بہت ہیں۔ راہی کو باتوں میں لگا کر اپنا کام کر جاتے ہیں۔

ہدایت رسولؐ اسی طرح رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی راہِ

آخرت کے بارے میں ہدایت ہے۔ کہ حضورؐ نے لوگوں کو جنت کا راستہ بتایا ہے۔ اس راہ پر قدم رکھنے والوں کو عقائد، اور ارکانِ اسلام اور عملی زندگی کے پورے پورے اسباق از بر کرائے ہیں، جن کاموں اور طریقوں سے راستہ آسانی سے طے ہوتا ہے۔ سب کچھ اپنے عمل کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔ اور ساتھ ہی راستے کے تمام خطروں، شیاطین جن و انس، اور ابلیس کی خبیث وغیرہ، ان کے حملوں اور داؤں، اور مکر و فریب سے خوب آگاہ کر دیا ہے، کہ راہی ہوشیار رہیں۔ یہ ہے ارار الطریق۔ راستہ دکھانا۔ رسولِ رحمتؐ کی ہدایت۔

اللہ کی ہدایت

اور دوسرے معنی ہدایت کے ہیں۔ ایصال الی المقصود۔ یعنی مقصود تک پہنچانا۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اسی لئے پانچوں نمازوں اور سنن و نوافل میں اللہ تعالےٰ سے منزل مقصود تک لے جانے والی ہدایت مانگی گئی ہے۔ یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

صراط مستقیم ایسے راستہ کو کہتے ہیں۔ جس میں ذرا کجی نہ ہو، اور یہ راستہ دنیا سے شروع ہو کر جنت الفردوس میں چلا جاتا ہے۔ جو شخص توحید و رسالت پر ایمان لا کر اس راستہ پر قدم رکھتا ہے۔ اور پھر اعمالِ صالح کی سواری پر راستہ طے کرتا جاتا ہے۔ ہادیِ مطلق کی دست گیری اسے آگے آگے لئے جاتی ہے۔ اور اس راہ کا راہی برابر دعا کئے جاتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ دکھا ہم کو راہ سیدھی۔ یعنی جتنی راہ چل آئے ہیں۔ اس سے آگے سیدھی راہ دکھا۔

پھر اس سے آگے دکھا۔ ہر گھنٹہ، ہر منٹ کے بعد دکھاتا جا ـــ مولا! زندگی میں کوئی وقت ایسا نہ آئے۔ کہ راہ گم ہو جائے۔ یا نظر نہ آئے، یا راستہ سے اتر جائیں۔ وفات تک سیدھی راہ دکھاتا ہی چلا جا۔ اگر اللہ کی دستگیری شامل حال نہ ہو۔ اس کی ہدایت ساتھ نہ دے۔ تو ہم راستہ بھول جائیں۔ صراطِ مستقیم سے اتر جائیں۔ شاہراہ سے پگ ڈنڈیوں کا رخ اختیار کر لیں۔

یاد رکھیں۔ کہ سیدھی راہ ایک ہی ہے۔ جسے رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرورِ حیات سے متعین کر دیا ہے۔ اللہ کی وحی کی روشنی میں اس کی نشان دہی فرما دی ہے۔ اور تمام امت کو حکم دیا ہے۔ کہ اس سیدھی راہ پر چلو۔ یہ راہ تم کو جنت میں لے جائے گی۔ جو شخص اس راہ پر چلتا ہے۔ یعنی کتاب و سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ اسے بے شمار خطرات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے ـــ اس شاہراہِ خیر الوریٰ کے دائیں اور بائیں بے شمار پگ ڈنڈیاں ہیں۔ جہاں بے شمار انسانی اور جنّی شیاطین صراطِ مستقیم کے راہیوں کو اغوا کرنے کے لئے کھڑے ہیں۔ اور انہیں ورغلا کر راستے سے اتارنے کے لئے گھات میں ہیں شرک جلی، اور خفی کے ہزارہا سنہری جال، بدعات کے جاذبِ نظر لبادے اللہ تعالیٰ کی نواہی کی خیرہ کن صناعیاں، فحاشی اور عیاشی کے مسحور کن نغمات، آرائشِ دنیا کی ماہ وشوں کے نظارے ـــ راہِ آخرت کے جادہ پیماؤں کے لئے زبردست فتنے ہیں۔ یہاں اگر اللہ، بندے کا ہاتھ پکڑے ذاتِ لم یزل اسے منزلِ مقصود تک پہنچانے کا ارادہ کرے۔ ایزد متعال اس کی دستگیری فرمائے۔ تو راہی جنت الفردوس تک پہنچ جائے گا۔

یہ ہے اللہ کی ہدایت۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو بندوں کو اللہ کا راستہ بتا دیا۔ اور اپنی سنن ھدیٰ کے چراغ قدم قدم پر جلا کر راہ کو روشن کر دیا۔ ہدایت مصطفویؐ کے اجالوں سے صراطِ مستقیم جگمگا اٹھا۔ اب یہ اللہ کی ہدایت کا کام ہے۔ کہ اس جگمگاتے راستے کے راہروؤں کو بے شمار شیطانی، اور انسانی فتنوں سے بچا کر بہ سلامت تمام منزل پرلے جاتے، اسی لئے شب و روز اللہ کے آگے دعا کرنے کا حکم ہے۔ کہ اے اللہ! اس راستے پر چلائے رکھنا۔ یہ راستہ دکھائے رکھنا۔ ہو سکتا ہے۔ کہ راہی اللہ کی قولی، بدنی یا مالی عبادات میں شرک کر بیٹھے۔ اللہ کی ذات یا صفات میں کسی غیر اللہ کو شریک کر دے۔ یا کوئی قرآن اور حدیث کے احکام میں کسی طرح کا شک کرے۔ یا کوئی شرک یا بدعت کا عقیدہ و عمل اپنا لے۔ یا فرائض کا عمدًا تارک ہو جائے، تو ایسی تمام صورتوں میں اگر اللہ کی دستگیری اس کو سنبھالا نہ دے گی۔ تو صراطِ مستقیم اس کو دکھائی نہ دے گا۔ شاہراہ سے کسی پگ ڈنڈی کی طرف چل پڑے گا۔ پس ہم ہر لمحہ اللہ کی ہدایت کے محتاج ہیں ــــ سچ فرمایا رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ۔ جس کو اللہ راہ دکھلائے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی صراطِ مستقیم پر چلتے جس کا اللہ ہاتھ پکڑ لے۔ اللہ جس کو راہ دکھانے لگ جائے۔ منزل تک پہنچانے کے لئے اللہ جس کی ذمہ داری لے۔ اسے کوئی راستے سے نہ اتار سکتا ہے۔ نہ ہٹا سکتا ہے۔ نہ راستہ بھلا سکتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ اللہ کے بندوں پر

شیطان کا کچھ زور نہیں۔

مشیتِ ایزدی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے سامنے دنیا جہان کو اسلام کا راستہ بتاتے رہے برسوں ان کے سامنے حضورؐ کی ہدایت کے دریا بہتے رہے لیکن ابوطالب نے نہ اسلام کے راستہ پر قدم رکھا۔ اور نہ دریائے ہدایت سے ایک گھونٹ پیا۔ ان کی وفات کے وقت بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ چچا! یہ کلمہ کہو۔ لا الٰہ الا اللہ۔ پر انہوں نے نہ کہا۔ پھر ابوطالب نے انتقال کیا۔ اور حضورؐ غمگین ہو کر وہاں سے چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ (پ۲۰ ع۹)

"تحقیق تم ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہو۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ راہ پر آنے والوں کو خوب جانتا ہے"

یعنی اللہ نے فرمایا۔ کہ اے پیغمبرؐ! تیری یہ شان نہیں ہے۔ کہ تو ہدایت دے۔ جس کو تو چاہے۔ بلکہ اللہ ہی کی شان ہے۔ کہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور وہی، ہدایت کے قابل لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

آیت کا مطلب واضح ہے۔ کہ ہدایت دینا رسول کا کام نہیں ہے۔ بلکہ رسول کی شان یہ ہے۔ کہ لوگوں کو پیغامِ الٰہی پہنچائے۔ اور یہ ضروری نہیں۔ کہ جس کو رسول ایمان کی دعوت دے۔ وہ ایمان لے آئے،

بلکہ رسول کی تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے موافق جس میں چاہتا ہے۔ ہدایت پیدا فرماتا ہے۔ کیونکہ بندوں کے افعال بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ایمان، اور تصدیق قلبی جو بندہ کا فعل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔ اور ہر چیز کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ، اور علم قاطع کے موافق رکھا ہے۔ یہ کسی اور کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت انورؐ کو فرمایا:-

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط

"لوگوں کی ہدایت تیرے اوپر نہیں ہے۔ ولیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے۔" (پ۳ ع ۵)

یعنی اے پیغمبرؐ! کسی کے دل میں ہدایت داخل کرنا، اسے ایمان دار بنا دینا تیرا کام نہیں۔ تیرا کام احکام الٰہی پہنچانا ہی ہے۔ تُو مبلّغِ وحی الٰہی ہے۔ دل میں ایمان پیدا کرنا، صرف اللہ کا کام ہے۔

اور فرمایا:-

وَ مَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ٥ (پ۱۳ ع ۵)

"اور بہتیرے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اگرچہ تو حرص کرے۔"

یعنی باوجود تیرے حرص کرنے کے، کہ سب لوگ ایمان لے آئیں۔ بہتیرے ایمان نہیں لاتے۔ کیونکہ مشیتِ الٰہی تمام مخلوق کے ایمان کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:-

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّدْخِلُ

مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (پ۲۵ ع ۲)

"اور اگر اللہ چاہتا۔ تو کرتا ان (سب آدمیوں) کو ایک ہی امت۔ ولیکن داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں۔ اور جو ظالم ہیں ان کے واسطے نہ کوئی دوست ہے، اور نہ مدد دینے والا۔"

ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (پ۲۱ ع ۱۵)

"اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دیدیتے۔ ولیکن ثابت ہوئی بات میری طرف سے کہ ضرور بھرونگا میں دوزخ کو جنوں اور آدمیوں سے اکٹھے۔"

پس یہ مشیت ایزدی ہے۔ اس کی حکمت کا ادراک محال ہے، کیونکہ علم خداوندی تمام آسمانوں اور زمین اور کل مخلوقات کو محیط ہے۔ اور من جملہ اس کی مخلوقات کے عقل انسانی ایک کمتر مخلوق ہے۔ پس اس کمتر اور حقیر شے (عقل) کو قطعاً یہ مجال نہیں ہو سکتی۔ کہ اپنے خالق کی حکمت کو احاطہ کرے۔ انسان کا فرض یہ ہے۔ کہ جو قانون اور دستور اللہ تعالےٰ نے آسمان سے نازل کیا ہے۔ اور اس قانون (قرآن) کی جو عملی صورت رحمتِ عالم ﷺ نے ہمیں دی ہے۔ اس پر عمل کریں۔ اور ہرگز ہرگز قانون شکنی نہ کریں۔ کتاب وسنت کی ہدایت میں لیل و نہار گزارتے جائیں۔ اور مشیت اور

تقدیر کے مسائل میں نہ الجھیں۔ کہ عافیت اسی میں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو راستہ بتایا ہے۔ اس پر چلنا چاہیے۔ کہ حضورم رستہ بتانے والے ہیں۔ اور اللہ رستے پر چلانے اور منزل پر پہنچانے والا ہے۔

اللہ نے ابوہریرہ کی ماں کا دل پھیر دیا

حضرت ابوہریرہ رض کہتے ہیں۔ کہ ایک دن میں نے اپنی مشرکہ والدہ کو اسلام کی دعوت دی۔ تو اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسی بات کہہ دی۔ جسے میں نے ناپسند کیا۔ پس روتا ہوا حضورؐ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! دعا مانگئے اللہ سے کہ ہدایت کرے ابوہریرہ رض کی ماں کو۔ حضورؐ نے کہا اَللّٰھُمَّ اھْدِ اُمَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ۔" اے اللہ! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت کر" پس حضورم کی دعا کے سبب میں خوش خوش آپ سے چلا۔ جب میں والدہ کے دروازے پر پہنچا۔ تو دروازہ بند پایا۔ میری والدہ نے، میرے پاؤں کی آواز سنی اور کہا۔ مَکَانَکَ یَااَبَا ھُرَیْرَۃَ۔ ابوہریرہ رض اپنی جگہ پر ٹھہرا (یعنی اندر نہ آ) میں نے پانی کی آواز سنی۔ کہ والدہ نے غسل کیا اور پہنا اپنا کرتہ، اور جلدی کی اوڑھنی سے (یعنی جلدی کے باعث اوڑھنی نہ اوڑھی) اور دوڑ کر دروازہ کھولا۔ پھر کہا اے ابوہریرۃ رض!۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

"میں گواہی دیتی ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے ہیں۔ اور اس کے رسول ہیں"

پھر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹ کر گیا۔

درحالیکہ میں مارے خوشی کے رو تا تھا۔ حضورؐ نے اللہ کی تعریف کی اور شکر کیا میری ماں کے اسلام لانے پر۔" (مسلم شریف)

غور فرمائیں۔ کہ ابو طالب کے حق میں حضورؐ کی جد و جہد بار آور نہ ہوئی۔ کیونکہ اللہ نے اس کے دل میں ہدایت پیدا نہ کی۔ اور ابوہریرہؓ کی والدہ کے لئے حضورؐ کی دعا اس کے اسلام کا پیغام لے آئی۔ کیونکہ مقلب القلوب نے اس کا دل اسلام کی طرف پھیر دیا۔ سچ فرمایا رحمت عالمؐ نے

مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ۔

"جسے اللہ راہ دکھائے، اسے کون بہکائے"

ہر نغمے نے انہی کی طلب کا دیا پیغام
ہر ساز نے انہی کی سنائی صدا مجھے

ازلی بدبختوں کی گمراہیاں

وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ

"اور جسے اللہ گمراہ کرے۔ اس کے لئے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔"

ہم سیاہ بخت ہیں شائستہ انوار نہیں

ورنہ فاران پہ خود ماہِ تمام آیا ہے

اللہ کے گمراہ کرنے کا مطلب

جسے اللہ گمراہ کرے۔ اس کے لئے کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ گمراہی، کفر، شرک، اور گناہوں سے ہرگز راضی نہیں ہے، یہ جو گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔ کہ وہ گمراہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ گمراہی کا خالق ہے۔ جس طرح کہ ہدایت کا خالق ہے۔ اگر کہیں۔ کہ ہدایت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور گمراہی کا خالق شیطان ہے۔ تو دو خالق ماننے گئے۔ اور یہ قطعًا غلط ہے۔

تفسیر حقانی میں اس مسئلہ کی تفہیم اس طرح بیان کی گئی ہے جو بہت خوب ہے۔ کہ جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ اس عالم کا وہی خالق ہے۔ تو اعیان و اعراض سب کچھ اسی کا مخلوق ہوگا۔ کس لئے کہ ممکن[1] کو دوسرا ممکن پیدا کرنے کی خواہ وہ جوہر[2] ہو خواہ عرض۔ قدرت مستقلہ نہیں۔ اور جو دو خالق مستقل ماننے پڑیں۔ کہ جس کی تسلیم میں سب سے بڑھ کر بے ادبی ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا۔ کہ بندہ کو اپنے افعال پر قدرت مستقلہ نہیں۔ ورنہ کبھی کوئی ناکامیاب نہ ہوتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ بندہ اپنے افعال ارادیہ میں پتھر اور لکڑی کی طرح مجبور بھی نہیں۔ اس کے ارادی کاروبار اس طرح سے بے خود سرزد نہیں ہوتے کہ جس طرح رعشہ میں بے خود ہاتھ ہلا کرتا ہے۔ تو ضرور یہ تسلیم کرنا پڑا۔ کہ نہ جبر محض ہے۔ نہ قدر محض۔ بلکہ خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ، اور کسی قدر اختیار بندہ کو بھی دیا ہے۔ خواہ وہ ارادہ ہو۔ یا کچھ اور ہو۔ مگر اس کی وجہ سے بندہ کو کاسب کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے بھلائی، برائی، اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور جزا و سزا پاتا ہے۔ ؎

چلا عدم سے میں ہستی کو' بول اٹھی تقدیر
بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا

---

[1] مخلوق — [2] جوہر اور عرض منطق کی اصطلاحیں ہیں۔ جوہر اس چیز کو کہتے ہیں۔ جو قائم بذاتہ ہو۔ اور عرض اسے کہتے ہیں۔ جو قائم بغیرہ ہو۔ جیسے کپڑا اور رنگ۔ کپڑا جوہر ہے اور رنگ عرض۔ یا کاغذ اور حرف۔ کاغذ جوہر اور حرف عرض ہے۔ تو جوہر بذاتِ خود قائم ہوتا ہے۔ برخلاف عرض کے۔ کہ عرض کا قیام جوہر کے وسیلے سے ہوتا ہے۔ (محمد صادق)

پس اس گمراہی وغیرہ افعال کو خالق ہونے کی وجہ سے خدا کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہیں۔ اور خالق ہونے میں کوئی برائی نہیں نہ اس برائی سے وہ متصف ہو سکتا ہے۔ مثلاً تلوار بنانے والے کا کوئی قصور نہیں۔ نہ اس کو قاتل کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ جس نے تلوار کو مارا (قاتل وہ ہے)۔ اسی طرح رنگریز کو اسود نہ کہیں گے۔ بلکہ اس کو جس پر (سواد) سیاہی قائم ہوئی۔ چونکہ بندہ کاسب ہے۔ بمقام ذم اس کی طرف بھی نسبت ہوگی۔ جس کی وجہ سے وہ برائی، بھلائی سے متصف ہوگا۔ اور چونکہ شیطان، یا اور گمراہ کرنے والا سبب ہوتا ہے۔ تو مجازاً فعل کو سبب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس طرح کہ شیطان کو اسی علاقہ سے مضل کہتے ہیں۔ اسی طرح قرآن یا نبی علیہ السلام کو ہادی ـــ اہل سنت کا اعتقاد ہے۔ کہ انسان کا ہدایت پانا، یا گمراہ ہونا سب اللہ کی طرف سے ہے۔ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے یہ سب امور ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ اس اعتقاد کو ایمان بالقدر کہتے ہیں۔" (تفسیر حقانی)

ازلی کافروں کا حال

اس مضمون کے لئے مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ فرمائیں:۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (پ۱ع۱)

"اللہ نے ان کو دلوں، اور کانوں پر مہر لگا دی۔ اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یہ وہی لوگ ہیں۔ جن کے متعلق حضورؐ کو ارشاد فرمایا گیا تھا :۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ○ (پ ۱ ع ۱)

"بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے۔ برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے"

واضح ہو۔ کہ کفر کی چار قسمیں ہیں۔

اوّل ــ کفر انکار۔ جو سرے سے اللہ کو نہ پہچانے

دوم ــ کفر جحود۔ جو جان بوجھ کر انکار کرے۔ جیسے ابلیس۔

سوم ــ کفر عناد۔ جو پہچانے اور اقرار کرے۔ مگر نہ مانے جیسے ابوطالب نے حضور انورؐ کی صدق نبوت جانی اور اقرار کیا۔ مگر ملامت کے خوف سے نہ مانی۔

چہارم ــ کفر نفاق۔

اس بات پر اجماع ہے۔ کہ جو شخص ان میں سے کسی کفر پر مرے۔ وہ دوزخی ہے۔ اور یہ اہل سنت سلف، اور خلف کا پختہ اعتقاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کے انجام اور مقدر سے آگاہ ہے۔ کیونکہ جہل اس کی شان پاک میں محال ہے۔ اسی علم قدیم کی بنا پر اللہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ جو لوگ کافر ہوئے ان پر برابر ہے۔ کہ تو ان کو ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

نیز ارشاد فرمایا :۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡهِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ○

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

"تحقیق جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہوئی۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ ہر قسم کا معجزہ ان کے پاس آئے۔ یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دردناک۔" (پ۱۱ ع ۱۵)

مزید ارشاد فرمایا:-

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ج (پ۲ ع ۱)

"اور اگر تو اہل کتاب کے پاس (صدق نبوت کا) ہر معجزہ لائے۔ تو بھی تیرے قبلہ کے تابع نہ ہوں گے۔"

ان لوگوں کے متعلق اللہ کے علم قدیم میں تھا۔ کہ یہ لوگ سرکشی و شقاوت کے باعث ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ان کا انجام جہنم ہوگا۔ سو وہ لکھا ہوا ان کے حق میں پورا ہوا۔ پس ان آیات میں حضورؐ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی۔ اور مومنوں کے واسطے معجزہ ہوا۔ کہ جن لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تفسیر وحی سے ازلی کافر ہونے کی خبر دی تھی۔ ان میں سے کوئی ایمان نہ لایا۔ اور وہ کفر پر ہی مر گئے۔ اور حضورؐ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر رہا۔ الحاصل کہ حضورؐ کو ارشاد خداوندی ہے۔ کہ آپ رسالت الٰہی پہنچاتے رہیئے۔ تبلیغ کرتے رہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کے لئے بندے پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے جو اہلِ سعادت ہیں۔ وہ قبول کریں گے۔ اللہ ان کے دلوں میں ہدایت پیدا کرے گا۔ اور جو اہلِ شقاوت ہیں۔ وہ سرکشی کریں گے۔ اور ایمان نہیں لائیں گے۔

کفر پہ مریں گے۔

اہل جنت اور اہل دوزخ کی نشانیاں

ابن ابی حاتم میں ہے۔ کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم سے عرض کیا گیا کہ ہم لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ تو اس کی آیات سے امیدوار ہوتے ہیں۔ پھر پڑھتے ہیں۔ اور بعض آیات آتی ہیں۔ کہ ہم مایوسی کے قریب ہو جاتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ کہ بھلا میں تم کو اہل جنت، اور اہل دوزخ بتلا دوں۔ ہم نے عرض کیا۔ جی ہاں ضرور فرمائیے۔ پس آپ نے الٓمٓ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ سے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھا اور فرمایا۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! ہم امیدوار ہیں۔ کہ ہم لوگ بھی انہیں میں سے ہیں۔ پھر حضورؐ نے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ سے عَذَابٌ عَظِیْمٌ تک پڑھ کر فرمایا۔ کہ یہ لوگ اہل جہنم ہیں۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ کہ اے اللہ کے رسولؐ۔ ہم تو یہ لوگ نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم لوگ ایسے نہیں ہو۔"

الحاصل اللہ تعالیٰ نے جو لوگ اپنے علم قدیم کے موافق جہنم کے واسطے پیدا فرمائے ہیں۔ ان کے قبیح حالات سے مومنوں کو آگاہ کر دیا۔ کہ تم ایسے نہ ہونا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ

بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ o (پ۹ ع ۱۲)

" اور البتہ تحقیق ہم نے جہنم کے واسطے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے۔ جن کے دل ایسے ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں ہیں۔ اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں ہیں۔ اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں ہیں۔ یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں۔ اور یہ لوگ وہی ہیں غافل "

مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فطرت سلیمہ عطا فرمائی۔ اور اپنی آیات قدرت دکھلائیں۔ اور سب سے بڑھ کر ان کا وجود ہے۔ کہ سن بلوغ کو پہنچا۔ تو اس نے اپنے آپ کو اپنے خالق برتر کا مخلوق پایا۔ اور خالق عز و جل نے اس پر بڑا احسان یہ فرمایا۔ کہ اس کو کتاب اور رسول کے ذریعہ ہدایت کا طریقہ بتایا۔ اور شیطان نے بھی اس کو دنیا کمانے اور اس میں منہمک رہنے کا قانون پڑھایا۔ پس اس نے ہدایت الٰہی سے منہ موڑ کر قانون شیطانی پر عزم کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت میں طرح طرح کے شکوک پیدا کئے یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے توفیق نصرت چھوڑ دی۔ یعنی اس کو انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ رحمت سے خارج کر دیا۔ کیونکہ اس نے اس سلسلہ کو

لہ دل، کان، اور آنکھیں اگر ازلی شقاوت سے دوچار ہوں۔ تو یہ تینوں عضو حق قبول کرنے سے محروم رہیں گے۔ نہ وحی کے تقاضوں کو دل سمجھے گا۔ نہ آوازِ حق کان سنیں گے۔ نہ دلائل و معجزات کو آنکھیں دیکھیں گی۔ تینوں جبلی کجروی اور طبعی تاریکی کے باعث کفر و معصیت کی موت مرجائیں گے۔ اور آدمی کو جہنم کا ایندھن بنا دیں گے۔

قبول نہ کیا۔ اور سلسلۂ غضبی کو قبول کیا۔ جس میں اللہ تعالٰے نے اپنی مخلوق ملعون شیطان کو مسلط کیا ہے۔ پس جو کچھ اس شخص نے اپنے حق میں اختیار کیا وہی اللہ تعالیٰ نے اس کو دے دیا۔

اور خوب جان لینا چاہیئے۔ کہ جس طرح سلسلۂ رحمت کے انبیاء علیہم السّلام کو ارشاد و ہدایت کا اختیار ہے۔ مگر کسی کے دل میں ہدایت پیدا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح سلسلۂ غضبی میں شیطان کو بہکانے اور وسوسہ دلانے کا اختیار ہے۔ اور کسی کے دل میں گمراہی پیدا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ لیکن جب کسی شخص نے جس کو اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کی راہ بذریعہ کتاب و رسول کے بتلائی۔ اور ساتھ ہی جہنم اور بالفعل عیش و شہواتِ دنیا جو اس کی راہ ہے۔ بذریعہ شیطان، اور اس کے وساوس کے بتلائی، پھر اس شخص نے دنیا، اور اس کے شہوات کو اختیار کیا۔ تو وہ ذرّیات ابلیس میں داخل ہو گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السّلام سے اس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ بشرطیکہ وہ علم الٰہی میں اسی حال پر مرے۔ جیسا کہ فرمایا۔

"مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر' اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ مومن نے جب کوئی گناہ کیا۔ تو اس کے دل میں، ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اس نے توبہ کی۔ اور گناہ سے باز آیا تو دل صاف اور صیقل ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس نے گناہ میں زیادتی کی تو نکتہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام قلب پر چھا جاتا ہے۔ اس کو

ران کہتے ہیں۔ جیسے اللہ نے فرمایا۔ بَلْ سَرَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن جریر)

مطلب یہ ہے۔ کہ دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔ بوجہ اعمال بد کے۔ اسی کو مُہر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ افعال کا خالق خدا تعالےٰ ہے اس لئے مُہر کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ یعنی لوگوں نے بُرے عملوں سے سیاہی پیدا کی۔ اسی سیاہی سے اللہ نے دل کالا کر دیا۔ گویا لوگوں کے کرتوتوں کے نتیجہ میں اللہ نے مہر لگا دی۔

یا مہر سے مراد جبلی کجروی اور طبعی تاریکی ہے۔ جس کی وجہ سے۔ آدمی کفر اور معصیت کی طرف دوڑتا ہے۔ اور امور فطرت سے نفرت کرتا ہے۔ جس طرح کربت کا کیڑا۔ کہ اس کو خوشبو سے نفرت ہوتی ہے۔ اور گندگی کی طرف رغبت۔ یوں سمجھئے کہ خوشبو کی طرف راغب ہونے سے اس کیڑے کے دل پر مہر ہو گئی ہے۔ اور اس کی آنکھوں پر قضا و قدر کے پردے پڑے ہیں۔ اس حالت کو اللہ نے استعارے کے طور پر مُہر اور پردہ سے تعبیر کیا ہے، اور کبھی اسی حالت کو طبع سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسے :۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ (پ۲۶ ع ۶)

"یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مُہر کی ہے۔"

لہ یہ آیت پ۳۰ ع ۸ میں ہے۔ اللہ نے فرمایا " بلکہ زنگ باندھا ہے ان کے دلوں پر اس چیز نے کہ وہ کماتے تھے۔" یعنی ان کی بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی وجہ سے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔ یہی مُہر ہے کہ دل سیاہ ہو گئے ہیں۔ پھر نیک و بد کچھ نہیں سوجھتا۔ گناہوں میں ڈوب گئے۔ ہدایت کی امید جاتی رہی۔

- اور کبھی اغفال سے، جیسے :-

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا - (پ۱۵ ع ۱۶)

"اور مت کہا مان اس شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کیا ہے۔"

- اور کبھی اقسار سے، جیسے :-

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً - (پ۶ ع ۷) قَسِيَةً ج

"اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔"

- اور کبھی قفل سے، جیسے :-

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا - (پ۲۶ ع ۷)

"کیا پس فکر نہیں کرتے قرآن میں - یا ان کے دلوں پر قفل ہیں ان کے۔"

ان آیات میں طبع، اغفال، اقسار، ختم اور ران، اور قفل سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ یہ سب جبلی امور قضا و قدر سے ہیں۔ اللہ کی ذات پاک پر کوئی عیب نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کاموں کا کاسب بندہ ہے۔ جس کو کسی قدر اس میں دخل اور اختیار ہے اور اسی لئے ان کی نسبت بندے کی طرف بھی کرتے ہیں۔ اور برائی کا بوجھ اس کے سر پر دھرتے ہیں۔ اور اسی لئے اتمام حجت کے لئے اس کے پاس انبیاء علیہم السلام بھی ہدایت کا پیام لے کر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اگر وہ قتل کرتا ہے۔ تو اسی کو سزائے موت دیتے ہیں۔ کہ اس کو قتل پر اختیار ہے۔ اور یہ کوئی نہیں کہتا۔ کہ مقتول کی موت کا وقت آیا ہوا تھا۔ اس کی تقدیر میں موت تھی۔ لہٰذا قاتل

کا کوئی قصور نہیں۔ اسے چھوڑ دو۔ آسے نہیں چھوڑیں گے۔ بلکہ اس کو اس کے کیئے کی سزا دیں گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں، اور کانوں پر سزائے کفر کے عوض مہر کر دیتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ۔ (پ۶ ع ۲)

"بلکہ مہر کی اللہ نے ان کے دلوں پر بسبب ان کے کفر کے"

حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے بعد عیسائیوں نے توحید چھوڑ دی۔ اور شرک کے عقیدے اور عمل اختیار کرلئے۔ حالانکہ یہ بدیہی باطل ہے۔ تو جب وہ لوگ دین توحید سے کج ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو کج کر دیا۔ ارشاد ہے:۔

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (پ۲۸ ع ۹) ۔ "پس جب وہ ٹیڑھے ہوگئے۔ تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیا"

تو دلوں پر مہر، کانوں پر مہر، آنکھوں پر پردہ، دلوں پر زنگ، دلوں پر تالے۔ دلوں کا سخت ہونا۔ دلوں کا غافل ہونا۔ دلوں کا ٹیڑھا ہونا۔ دلوں کا گمراہ ہونا ۔ ان سب کی نسبت اللہ کی طرف بوجہ خالقِ افعال ہونے کے ہے۔ بغاوت، طغیان، سرکشی، کفر، اور عناد ایسے افعال کی سزا میں اللہ اپنے دروازے سے دھتکار دیتا ہے۔ وہ صراطِ مستقیم جو اس کے حریم قدس میں پہنچاتا ہے۔ اس سے ہٹا کر گم راہ کر دیتا ہے۔ تو جس کو خدا گم راہ کرے، اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔ ؎

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سروِ کنارِ جُو کا!

توحیدِ الٰہی کی شہادت

وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

"اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"

وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ط

وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں"

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - اور ہم شہادت دیتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

شہادت کا مطلب شہادت کے معنے ہیں۔ گواہی۔ صحیح خبر۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر سچے دل سے اقرار کرنا۔ یہ جو کہتے ہیں۔

کہ آنکھوں دیکھی بات، یا چیز کا بیان شہادت ہے۔ غلط ہے۔ آنکھوں دیکھی بات یا واقعہ کو بیان کرنا شہادت رویت کہلاتا ہے۔ یعنی شہادت مقید بہ رویت۔ (EYE WITINESS) اور جب مطلق شہادت کا لفظ استعمال ہو۔ تو اس کا مطلب ہوتا ہے۔ کسی سچی بات کا دل کی تصدیق کے ساتھ زبان سے اقرار کرنا۔ تو اللہ کی توحید کی شہادت کے معنے یہ ہوئے۔ کہ میں سچے دل سے اقرار کرتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اللہ کی وحدانیت کی شہادت میں حضورؐ نے اَشْهَدُ۔ میں شہادت دیتا ہوں نہیں فرمایا۔ بلکہ نَشْهَدُ فرمایا ہے۔ کہ ہم شہادت دیتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ میں کی جگہ ہم فرما کر حضورؐ نے اس شہادت میں امت کو بھی شامل کر لیا ہے۔ یعنی میں مع امت کے گواہی دیتے ہیں کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں ہے۔ اس سے یہ نکتہ بھی واضح ہوا۔ کہ حضورؐ کی امت میں سے جو عقیدۂ توحید رکھتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھے گا۔ اس کی شہادت سچی ہے۔ اور وہ اس عقیدہ توحید کی برکت کے سبب آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کا صحیح امتی ہے۔ اور جو شخص شرکیہ عقائد و اعمال رکھتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ ہم شہادت دیتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی شہادت جھوٹی ہے۔ اور وہ شہادت میں حضورؐ کا ہم نوا نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ اس کا تعلق برائے نام ہے۔

شرکیہ عقیدے اور عمل

مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ط

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (پ۲۷ ع۱۷)

"اور وہ ساتھ ہے تمہارے جہاں ہو تم۔ اور اللہ (ہمہ وقت) تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔"

اس آیت سے ثابت ہُوا۔ کہ اللہ ہر جگہ موجود، اور حاضر و ناظر ہے۔ اور ہر وقت بندوں کے عملوں کو دیکھتا ہے۔ کوئی چیز اس کی خبر اور نظر سے اوجھل اور پوشیدہ نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی حاضر ناظر ہیں۔ تو اس نے حضورؐ کو اللہ کے ساتھ اس کے حاضر و ناظر ہونے میں شریک کر دیا۔ اس کی توحید کی شہادت سچی نہ رہی۔ بلکہ جھوٹی ہو گئی۔ ایسے ہی اگر کسی نے کسی مزار پر سجدہ کر دیا۔ مزار پر نذر نیاز چڑھائی۔ یا اولیاء اللہ کو مصائب و حوائج میں پکارا۔ تو اس نے یہ کام کرکے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ کہ سجدہ، نذر نیاز، اور دعا عبادت ہے۔ ایسے شخص نے اللہ کے سوا، اوروں کو بھی لائق عبادت جانا۔ اور ان کے عبادت کے کام بھی کر ڈالے۔ پھر اس کا یہ کہنا۔ کہ میں شہادت دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سچ نہیں ہے۔ بلکہ یہ جھوٹی شہادت ہے۔ تو جھوٹی شہادت دینے والا کس طرح حضورؐ کے نَشْهَدُ میں شریک رہ سکتا ہے؟ کس طرح آپ کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے میں شامل ہو سکتا ہے؟ اور مشرک ہو کر کیسے حضورؐ کا امتی کہلا سکتا ہے؟ — اسی طرح بہت سے شرکیہ عقیدے، اور عمل مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں، اور وہ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی کہتے جاتے ہیں۔ کہ ہم گواہی دیتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زبان سے تو انہیں اقرار ہے لیکن عمل اس کے خلاف ہے۔ لہذا یہ شہادت سچی نہ ہوئی بلکہ جھوٹی

گواہی ہوتی۔ پس جو شخص قیامت کے روز رحمت عالمؐ کا ساتھ چاہتا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ توحید کی شہادت دینے میں سچی شہادت دے۔

صحابہؓ سچے شاہد تھے

جس طرح رحمتِ عالمؐ نے اللہ کی وحدانیت کی شہادت دی تھی۔ اسی طرح صحابہؓ نے بھی حضورؐ کے ساتھ سچی شہادت دی۔ چونکہ صحابہؓ کو اللہ نے قرآن میں جنتی کہا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ فرما کر انہیں اپنی رضامندی کی سند سے نوازا ہے۔ اس لئے صحابہؓ کے عقائد و اعمال قرآن و حدیث کی سند سے قابل عمل ہیں۔ اس لئے تمام امت کا، تعاملِ صحابہؓ کی پیروی کرنا حضورؐ ہی کے اتباع کے مترادف ہے۔ آج کل جو مسلمانوں میں صدہا قسم کے شرکیہ عقائد و اعمال، اور بدعات مروّج ہیں۔ صحابہؓ میں ان چیزوں کا نام و نشان نہ تھا۔ بلکہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد آج بھی حرمین شریفین (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) میں ان چیزوں کا نہ نام ہے۔ نہ نشان ہے۔

کلمۂ توحید میں گواہی سچی دو

حضورؐ کو عالم الغیب، حاضر ناظر، حاجت روا، مشکل کشا، دافع بلا۔ وبا۔ قحط۔ مرض۔ الم ماننا۔ تصرف اولیاء اللہ کا عقیدہ رکھنا، نور بشر، قبروں پر عرس میلے، بزرگوں کی قبروں پر نذر نیاز چڑھاوے قبروں کو چومنا چاٹنا، دھو دھو کر پینا۔ قبروں پر قیام اور سجدے، ان کو مصائب، حوائج میں پکارنا۔ ان سے استمداد اور استنفاع۔ تیجہ، دسواں، چالیسواں۔ برسی۔ گیارہویں۔ کونڈے۔ نذر لغیر اللہ، اور دین

کے اندر بہت سے خود گھڑے ہوئے مسائل، اور نیک کام " کیا یہ امور صحابہؓ کے اندر تھے؟ ہرگز نہیں تھے؟ واللہ باللہ نہیں تھے۔ وہ پاک جنتی لوگ نہ ان شرکیہ اور بدعیہ کاموں کے ناموں کو جانتے تھے نہ عملی صورتوں کو۔ اس لئے ان کی توحید کی شہادت بالکل سو فیصد سچی تھی۔ انہوں نے نہ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک کیا تھا۔ نہ صفات میں۔ اور نہ کسی قسم کی عبادت میں۔ اور بدعات کے نام سے کانپتے تھے۔ پھر آج کل مسلمان ان شرکیہ اور بدعیہ عقیدوں، اور عملوں کو اپنا کر اور عمل میں لا کر کس منہ سے کہتے ہیں۔ ہم شہادت دیتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ کیا یہ شہادت سچی ہے؟

مسلمان بھائیو! اپنے عقیدوں اور عملوں کو صحابہؓ کے مسنون عقیدوں اور عملوں کی مانند بنا لو۔ اور یہ جو مروج عقاید و اعمال ہیں۔ جو اوپر مذکور ہوئے۔ ان کو اللہ کے ڈر سے ترک کر دو۔ اور حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت، اور حدیث کی سند سے جو عقائد و اعمال ثابت ہیں۔ ان کو اپنا لو۔ پھر آپ کی شہادت سچی شہادت ہوگی۔

اللہ تعالےٰ کو عقیدۂ توحید کے ساتھ ماننا چاہیے

آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی ہستی کے تمام مشرک قائل تھے۔ بلکہ مشرک کہتے ہی اس کو ہیں۔ کہ جو اللہ تعالیٰ کو بھی مانے۔ اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کی ذات یا صفات میں شریک کرے۔ تو مشرک اللہ کی ہستی کے ضرور قائل ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت انورؐ کو کہتا ہے۔ کہ مشرکین مکہ سے پوچھو:۔

مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥

"ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا کون مالک ہے۔"

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ٥ (پ۱۸ ع ۵)

"وہ فوراً کہیں گے۔ کہ اللہ ہی مالک ہے۔ تو کہہ (پھر غیروں کو اس کی خدائی میں شریک کرکے) ڈرتے نہیں ہو؟

رحمتِ عالم ؐ کا مشرکین مکہ سے تنازعہ اللہ کی ہستی کو منوانے کے لئے نہ تھا۔ بلکہ ما بہ النزاع مسئلہ توحید تھا۔ ویسے وہ لوگ خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ مسجد الحرام کی تعمیر کرتے۔ کعبہ کی عمارت بوسیدہ ہو جاتی۔ تو اس کو ازسرِنو بنیادوں پر کھڑا کرتے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے۔ عمرہ کرتے۔ حج کرتے، آب زمزم پیتے۔ اور لوگوں کو پلاتے، عرفات میں حج کے لئے جاتے۔ منیٰ میں قربانیاں کرتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ و خیرات کرتے تھے۔ لیکن با ایں ہمہ وہ غیراللہ کو اللہ کی ذات وصفات میں شریک بھی کرتے۔ عربوں میں جو نیک لوگ گزر چکے تھے۔ مثل لات وغیرہ کے۔ ان کے نام کے جانور ذبح کرتے۔ ان کی نذر نیاز دیتے۔ تاکہ وہ خوش ہوکر ان کو اللہ کا مقرب بنا دیں۔ اور اللہ سے سفارش کرکے ان کی مشکل آسان، اور حاجتیں پوری کرا دیں۔ اس شرک کی حمایت میں وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کے مخالف، معاند، اور دشمن بن گئے۔ کیونکہ رسولِ رحمت ان کو شرک سے روکتے، اور خالص توحید کی دعوت دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ کہو لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں۔ مشکل کشا نہیں۔ نفع ونقصان کا

مالک نہیں۔ کوئی دافع بلا و وبا، قحط و الم نہیں۔ کوئی منصرف الامور نہیں۔ اللہ کے کاموں پر کوئی مختار، وکیل اور گماشتہ نہیں، کوئی اس کی ذات و صفات میں شریک و شامل نہیں۔

وہ لوگ کہتے۔ کہ ہم اللہ کی ہستی کو مانتے ہیں۔ وہ سب سے بڑی طاقت اور مختار کل ذات ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ سوائے ان کے جن کو اس نے آپ اپنے اختیارات دے کر اپنا شریک بنایا ہے۔ یعنی اس نے اپنے پیارے بندوں کو خوش ہو کر اپنے کچھ اختیارات دئے ہوئے ہیں۔ جن کے سبب وہ کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔ اور اس کے حکم اور اختیارات سے حاجت روا، اور مشکل کشا ہیں۔ ان مشکل کشاؤں، اور حاجت رواؤں کو وہ الٰہ کہتے تھے۔ حضورؐ فرماتے۔ لا الٰہ۔ کوئی الٰہ نہیں۔ الا اللہ۔ مگر اللہ۔ وہ کہتے الٰہ ہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ جو آسمان میں ہے۔ باقی چھوٹے الٰہ ہیں، لات الٰہ ہے۔ ہبل الٰہ ہے۔ وَد الٰہ ہے۔ یعوق الٰہ ہے۔ یغوث، الٰہ ہے۔ اور بہت الٰہ ہیں۔ یہ سب الٰہ، اللہ کے ماتحت ہیں۔ اس سے اختیار یافتہ ہیں۔ تو حضرت رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے الٰہوں کی نفی کر کے ان کو خالص توحید کی دعوت دیتے۔ جسے وہ نہیں مانتے تھے۔ یہی توحید ان کی شرکیہ توحید سے تئیس برس تک نبرد آزما رہی۔ حتیٰ کہ مکہ فتح ہوا۔ اور قرآنی توحید کا پرچم بیت اللہ پر لہرانے لگا۔ اور شرک کی ظلمت سیماب پا ہو گئی۔

مسلمان بھائیوں کو سوچ سمجھ کر لا الٰہ الا اللہ کہنا چاہیئے، اور اس کلمہ کے مفہوم کو جان کر پھر اس کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔

یاد رکھیں۔ کہ جب تک خالص توحید عقیدے اور عمل میں نہ آئے گی۔ اس وقت تک دعویٰ اسلام بے کار و بے سود ہو گا۔ کوئی مومن کوئی مسلمان بن نہ سکے گا۔

خالق برتر ہی وحدانیت اور عبادت کے لائق

ارشاد خداوندی ہے:۔
یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ج فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۱ ع ۳)

"اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے۔ تاکہ تم (دوزخ سے) بچ جاؤ۔ (وہ خالق) جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا۔ اور آسمان کو چھت۔ اور اتارا آسمان سے پانی۔ پس نکالا ساتھ اس کے پھلوں سے رزق تمہارے لئے۔ پس نہ ٹھہراؤ واسطے اللہ کے شریک۔ اور تم جانتے ہو"

الوہیت اور وحدانیت کا بحر مواج

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ یعنی خالص عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرو۔ نہ اعتقاد میں۔ نہ صفت میں۔ نہ فعل میں۔ اس کی توحید، اور وحدانیت کو اخلاص کے ساتھ مانو۔ اور اخلاص

کے ساتھ اسی صورت میں مانی جائے گی۔ جب کہ وہ ہر نوع کے شرک سے مبرّا ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور الوہیت کو زبردست دلائل سے بیان فرمایا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ کہ وہی اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو عدم سے وجود میں لایا۔ اسی نے ہر طرح کی ظاہری' اور باطنی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اسی نے زمین کا فرش بنایا۔ اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں — اور آسمان کو چھت بنایا۔ جیسے دوسری آیت میں فرمایا:۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ج وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ٥ (پ ۱۷ ع ۳)

"اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اور باوجود اس کے وہ نشانیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں"

پانی آسمان سے اتارنے کا مطلب بادل سے نازل فرمانا ہے۔ اس وقت جب لوگ اس کے پورے محتاج ہوں۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھول پھل پیدا کرتا ہے۔ جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کے جانور بھی۔ جیسے قرآن مجید میں جابجا اس کا بیان آیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے:۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ج فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (پ ۲۴ ع ۱۲)

"یعنی اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش، اور آسمان کو چھت بنایا، اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں۔ اور بھلی بھلی روزیاں پہنچائیں۔ یہی اللہ ہے جو برکتوں والا، تمام عالم کا پالنے والا ہے"

پس سب کا خالق، سب کا رازق، سب کا مالک، اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ اور اسی وجہ سے وہی مستحق ہے ہر قسم کی عبادتوں کا، اور شرک نہ کئے جانے کا۔ اسی لئے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھیراؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔

بخاری مسلم میں حدیث ہے۔ ابن مسعود رضؓ پوچھتے ہیں حضورؐ! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو خالق ہے۔ شریک ٹھہرانا۔ حضرت معاذ رضؓ والی حدیث میں ہے۔ کیا جانتے ہو کہ خدا کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں۔ اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔ دوسری حدیث میں ہے۔ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے۔ کہ جو خدا چاہے اور فلاں چاہے۔ بلکہ یوں کہے کہ جو کچھ اللہ اکیلا چاہے ___ پھر فلاں چاہے۔

حضرت طفیل رضؓ کا خواب

طفیل بن سنجرہ رضؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے سوتیلے بھائی فرماتے ہیں۔ میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہم یہود ہیں۔ میں نے کہا افسوس! تم میں بری خرابی ہے۔ کہ تم حضرت عزیر علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہو۔

انہوں نے کہا۔ تم بھی اچھے لوگ ہو۔ لیکن افسوس تم کہتے ہو۔ جو خدا چاہے۔ اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) چاہیں۔ پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس گیا۔ میں نے اُن سے کہا۔ افسوس تم بھی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا جانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے صبح اپنے خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا۔ پھر دربار نبویؐ میں حاضر ہو کر حضورؐ سے بھی یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں حضورؐ! اب آپ کھڑے ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ اور فرمایا۔ طفیلؓ نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اور تم میں سے بعض سے بیان بھی کیا ہے۔ میں چاہتا تھا۔ کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں۔ لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا۔ یاد رکھو۔ اب ہرگز ہرگز "خدا چاہے اور اس کا رسول" نہ کہنا۔ بلکہ یوں کہو ـــ کہ صرف اللہ تعالےٰ اکیلا جو چاہے۔ (ابن مردویہ)

ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور آپ چاہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو مجھے اللہ تعالےٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ یوں کہہ ـــ جو اللہ تعالےٰ اکیلا چاہے۔ (ابن مردویہ)

یہ تمام مذکورہ کلمات توحید کے سراسر خلاف ہیں۔

تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ اللہ کی عبادت کرو۔ یعنی اس کی توحید کے پابند ہو جاؤ۔

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ جو نہ نفع دے سکے۔ نہ نقصان پہنچا سکے۔ اور تم جانتے ہو۔ کہ اس کے سوا کوئی ربّ نہیں۔ جو تمہیں روزی پہنچا سکے۔

شرک اس سے بھی پوشیدہ ہے۔ جیسے چیونٹی، جو رات کے اندھیرے میں کسی صاف پتھر پر چل رہی ہو۔ انسان کا یہ کہنا۔ کہ قسم ہے اللہ کی، اور آپ کی حیات کی۔ یہ بھی شرک ہے، انسان کا یہ کہنا۔ کہ اگر یہ کتیا نہ ہوتی۔ تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے۔ یہ بھی شرک ہے۔ آدمی کا یہ قول کہ اگر بطخ گھر میں نہ ہوتی۔ تو چوری ہو جاتی۔ یہ بھی شرک ہے۔ کسی کا یہ قول، کہ جو اللہ چاہے اور آپؐ، یہ بھی شرک ہے۔

صحیح حدیث میں ہے۔ کہ کسی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ "جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو آپ نے فرمایا۔ کیا تو مجھے اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ دوسری حدیث میں ہے۔ تم اچھے لوگ ہو۔ اگر تم شرک نہ کرتے۔ تم کہتے ہو۔ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں۔ اَنۡدَادًا کے معنے شریک اور برابر کے ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ کہ تم، توراۃ و انجیل پڑھتے ہو۔ اور جانتے ہو کہ اللہ ایک ہے اور بے شریک ہے۔ پھر جانتے ہوئے کیوں اللہ کا شریک ٹھیراتے ہو؟

یحیٰیؑ کو پانچ چیزوں کا حکم

مسند احمدؒ میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ عزوجل نے حضرت یحیٰی علیہ السّلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا۔ کہ

ان پر عمل کرو۔ اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو۔ قریب تھا۔ کہ وہ اس میں ڈھیل کریں۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السّلام نے انہیں یاد دلایا۔ کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا۔ کہ ان پانچ چیزوں پر خود کاربند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو۔ پس یا تو خود آپ کہہ دیجئے۔ یا میں پہنچا دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ اگر آپ سبقت کر گئے۔ تو کہیں مجھے عذاب نہ کیا جائے۔ یا زمین میں دھنسا نہ دیا جائے پس حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا۔ جب مسجد پُر ہو گئی۔ تو اونچی جگہ بیٹھ گئے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی حمد وثنار بیان کر کے کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے۔ کہ خود عمل کر کے تم سے بھی ان پر عمل کراؤں۔

ایک یہ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے۔ غلام کام کاج کرے اور جو کچھ پائے۔ اسے اور کو دیدے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے۔ کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا، تمہیں روزیاں دینے والا۔ تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی ہے۔ پس تم اس کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دوسرا حکم یہ کہ نماز کو ادا کرو۔ اللہ کا منہ بندے کی طرف ہوتا ہے۔ جب تک کہ وہ نماز میں اِدھر اُدھر التفات نہ کرے۔ جب تم نماز میں ہو۔ تو خبردار اِدھر اُدھر التفات نہ کرنا۔

تیسرا حکم یہ کہ روزے رکھا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی

کے پاس مُشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو۔ جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں۔ یاد رکھو۔ روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالےٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

چوتھا حکم یہ کہ صدقہ دیتے رہا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا۔ اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ اور گردن مارنے کے لئے لے چلے۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو۔ اور مجھے چھوڑ دو۔ چنانچہ جو کچھ اس کے پاس تھا۔ کم و بیش دے دلا کر اپنی جان چھڑا لی۔

پانچواں حکم یہ کہ بکثرت اس کے نام کا ورد کرو۔ اس کا ذکر کیا کرو۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے۔ جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑتا آتا ہو۔ اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے۔ اور وہاں امن و امان پالیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت وہ شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے۔

رحمتِ عالم کی پانچ باتیں

یہ بیان کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں۔ جن کا حکم جناب باری تعالیٰ نے مجھے دیا ہے،

(۱)۔ جماعت۔ (مسلمانوں کی جماعت جو فرقہ بندی سے بالا، صرف تعامل صحابہ رض کی پابند ہو۔ اس کو لازم پکڑے)۔

(۲)۔ سمع۔ (امام شریعت کا حکم گوش دل سے سنے۔ نیز مسلمان حاکم کے احکام سنے۔ اور وفاداری کرے)۔

(۳)۔ طاعت۔ (معروف میں امام شریعت کی فرماں برداری

کرے۔ نیز مسلمان حاکموں کی بھی اطاعت کرے)

(۴) ۔ ہجرت۔ (جہاں ارکان اسلام ادا کرنے میں خلل واقعہ ہو۔ وہاں سے کسی اسلامی ملک میں ہجرت کرے)۔

(۵) ۔ راہِ خدا میں جہاد کرنا۔ (جہاد ہر زمانہ میں لازم ہے)۔

اور سمجھ لو۔ کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی نکل گیا۔ اس نے اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ وہ رجوع کرلے۔ اور جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے، وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے۔ لوگوں نے کہا۔ حضورؐ! اگر وہ روزے رکھتا ہو اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو۔ اور مسلمانوں کو ان کے اُن ناموں سے پکارتے رہو۔ جو خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ مسلمین۔ مؤمنین۔ اور عباد اللہ۔ (رواہ احمد)

حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب تم لوگ جہاد کو چھوڑ کر کھیتی باڑی کی فکر کروگے۔ (یعنی دنیا میں غرق ہو جاؤ گے)۔ تو تم پر ذلت طاری ہو گی۔ اور تمہارا دشمن غالب ہو جائے گا۔ اور پے در پے بلائیں نازل ہوں گی۔ (ابن ماجہ)

آیت توحید کے چشمہ کا جوش

مذکورہ آیت پر ایک بار پھر نظر ڈالیں۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس کے ہر ہر لفظ میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کا خالق ہے۔ اور بندوں کو پیدا کرنے میں کسی نے اس کی مدد نہیں کی۔ تنہا اللہ نے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ پھر اس نے بندوں کے، آرام اور آسائش کے لئے زمین کا

زمردیں فرش بچھایا ہے۔ اور اس فرش پر انسان کی تمام ضروریاتِ زندگی مہیا کی ہیں۔ زمین کو بے شمار چیزوں کے خزانوں کا معدن بنایا ہے۔ اور آسمان کی نیلی چھت سے بارانِ رحمت نازل کرکے ہر قسم کا رزق، پھل پھول، اور بے شمار روئیدگیاں اگائی ہیں۔ جن سے انسان اور چارپائے اور تمام ذی روح زندگی رواں دواں رکھتے ہیں۔ تو مخلوقات کا پیدا کرنے والا، اور بیشمار نعمتیں دینے والا، تنہا عبادت کا حقدار ہے۔ اور اس بات سے سخت ناراض ہے۔ کہ اس کا شریک بنایا جائے۔ شرک کرنیوالوں کو غیرت آنی چاہیئے۔ کہ اپنے خالق، مالک، رازق، اور منعم کے ساتھ اس کے عاجز بندوں کو برابر کرتے ہیں۔ بیشک مذکورہ آیت اللہ تعالیٰ کی ہستی اور الوہیت پر زبردست دلیل ہے۔

آسمان، سورج، چاند، ستارے، ہوا، بادل۔ گرمی سردی کے موسم خزاں اور بہار کی نمود، رات اور دن کی گردش۔ زمین۔ پہاڑ۔ سمندر دریا۔ ندی۔ نالے۔ باغات۔ درخت۔ میوے۔ رنگا رنگ کے پھول، بے شمار جڑی بوٹیاں۔ بے حساب مخلوق۔ جدا جدا بولیاں۔ جدا جدا رنگ۔ خلق کا حسن و جمال، انسان کی ماہ وشی عقل کے کارنامے اللہ کی ہستی کے دلائل ہیں۔ اور ہر چیز پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

؎

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پہ ہمیشہ بھروسا کرو تم!
اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم!
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم
اسی کی طلب میں مرو گر مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی
(حالیؔ)

ایک اعرابی کا کلام حق ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا۔
ما الدلیل علےٰ وجود الرب تعالےٰ ـــ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کیا دلیل ہے؟ ـــ اس نے کہا:۔

يَا سُبْحَانَ اللهِ ـــ اِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ
وَ اِنَّ اَثَرَ الْاَقْدَامِ لَتَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ
فَسَمَاءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ
وَ اَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ
وَ بِحَارٌ ذَاتُ اَمْوَاجٍ
اَلَا يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلٰى وُجُوْدِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ

"پاکیزگی اللہ کے لئے ہے۔ (سنو!) مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے۔ اور پاؤں کے نشان دیکھنے سے راہرو کا پتہ ملے۔ تو کیا یہ برجوں والا آسمان۔ اور راستوں والی زمین، اور

موجیں مارنے والے سمندر۔ اللہ تعالیٰ باریک بین، اور خبردار کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟"

ہارون الرشید نے حضرت امام مالکؒ سے وجود باری تعالیٰ پر دلیل پوچھی؟۔ تو آپ نے لغات، اصوات، نغمات کے تنوع اور اختلاف کو ہستی رب العالمین پر بطور دلیل پیش کیا۔ جس سے ہارون مطمئن ہو گیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کا دہریوں کو جواب

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی بعض دہریوں نے ہستی باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی۔ تو آپ نے فرمایا:۔

ھٰھنا حصن حصین املس لیس له باب ولا منفذ ظاھرہ کالفضة البیضاء وباطنه کالذھب الابریز فبینا ھو کذالك اذا انصدع جدارہ فخرج منه حیوان سمیع بصیر ذو شکل حسن وصوت ملیح یعنی بذالك البیضة اذا خرج منھا الدجاجة۔

"سنو! یہاں ایک نہایت مضبوط روشن قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں۔ نہ کوئی راستہ ہے۔ بلکہ سوراخ تک نہیں، باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے۔ اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے۔ اور اوپر نیچے، دائیں بائیں، چوطرف سے بالکل بند ہے۔ ہوا تک اس میں نہیں جا سکتی۔ اچانک اس کی دیوار گرتی ہے۔ اور ایک جاندار کانوں آنکھوں والا۔ خوب صورت۔ پیاری شکل والا۔ بولتا چالتا۔ چلتا

پھرتا نکل آتا ہے۔ یعنی وہ قلعہ انڈا ہے۔ جس سے چوزہ نکلا ہے"

بتایئے۔ یہ انڈا جو چو طرف سے بند ہے۔ اس سے خالق یکتا جاندار پیدا کردیتا ہے۔ کیا یہ دلیل نہیں ہے ہستی باری تعالیٰ پر، اس کی الوہیت اور اس کے لاشریک ہونے پر، سبحان اللہ ما اعظم شانہ۔

ابو نواس کا کلام بلیغ

اور اسی موضوع پر ابو نواس کا کلام کیا خوب ہے:۔

تَأَمَّلْ فِیْ نَبَاتِ الْاَرْضِ وَانْظُرْہ
اِلٰی اٰثَارِ مَا صَنَعَ الْمَلِیْكُ ٭
عُیُوْنٌ مِّنْ لُجَیْنٍ شَاخِصَاتٌ ٭
بِأَحْدَاقٍ ھِیَ الذَّھَبُ السَّبِیْكُ ٭
عَلٰی قُضُبِ الزَّبَرْجَدِ شَاھِدَاتٌ ٭
بِاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ لَہٗ شَرِیْكٌ ٭

مطلب یہ ہے۔ کہ آسمان سے بارش کا برسنا۔ اور اس سے درختوں اور سبزہ کا پیدا ہونا۔ اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔

ابن المعتز کی درفشانی

فَیَا عَجَبًا کَیْفَ یَعْصِی الْاِلٰہَ،
اَمْ کَیْفَ یَجْحَدُہُ الْجَاحِدُ۔
وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ،
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ۔

افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی ذات کے انکار پر لوگ کیسی دلیری کر جاتے ہیں۔ حالانکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہستی، اور اس کے لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا دہریوں سے مکالمہ

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بعض زنادقہ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل چاہی، انہوں نے فرمایا ۔"کہ فی الحال مجھے چھوڑ دو۔ میں اس وقت کسی سوچ میں ہوں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے۔ کہ ایک بہت بڑی کشتی ہے۔ جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں۔ نہ کوئی اس کا نگہبان ہے۔ نہ چلانے والا ہے۔ باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے۔ اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گزر جاتی ہے ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے۔ چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے۔ اور نہ کوئی ملاح ہے نہ منتظم"۔

سوال کرنے والے دہریوں نے کہا۔ کہ آپ کس سوچ میں پڑ گئے کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ کہ اتنی بڑی کشتی نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آتے جاتے۔ اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو؟

آپ نے فرمایا۔ افسوس تمہاری عقلوں پر۔ کہ ایک کشتی تو بغیر کسی چلانے والے کے نہ چل سکے۔ لیکن یہ ساری دنیا اور آسمان و زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی ہیں۔ اور ان کا مالک حاکم، خالق، کوئی نہ ہو؟ — یہ جواب سن کر وہ ہکے بکے ہو گئے۔ اور حق کو معلوم کر کے مسلمان ہو گئے!

امام شافعیؒ کی ذہانت کا نور

حضرت امام شافعیؒ سے ذات باری

کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا :۔

هٰذا ورق التوت طعمه واحد تأكله الدود فيخرج منه الابريشم۔ و تأكله النحل فيخرج منه العسل۔ و تأكله الشاة والبقر والانعام فتلقيه بعرا وروثا۔ وتأكله الظباء فيخرج منها المسك وهو شئ واحد۔

(سنو!) توت کے پتے ایک ہی ہیں۔ ایک ہی ذائقہ کے ہیں۔ کیڑے، اور شہد کی مکھی، اور گائیں بکریاں، ہرن وغیرہ، سب اس کو کھاتے اور چرتے چگتے ہیں، لیکن اسی کو کھانے سے کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے۔ مکھی شہد دیتی ہے۔ ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائے بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں۔

بتائیے! ۔ کیا یہ اس امر کی واضح دلیل نہیں ہے، کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والی کوئی ہستی ہے۔ جو اپنی ازلی ابدی صفات میں وحدہٗ لا شریک لہٗ ہے۔

وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۔" اکیلا ہے وہ، اس کا کوئی شریک نہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی وحدت

اللہ تعالےٰ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے۔ استحقاق عبادت میں بھی اکیلا ہے۔ اپنے اختیار، تصرف اور خاصوں میں بھی اکیلا ہے۔ خاصہ کی تعریف ہے، مَالَا يُوْجَدُ فِيْ غَيْرِهٖ ۔ وہ صفت جو اس کے غیر میں نہ پائی جائے، مثلاً علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ جو کسی غیر اللہ میں نہیں پایا جاتا۔ اگر کوئی کہے۔ کہ فلاں پیغمبر، یا ولی غیب جانتا ہے۔ تو اس نے

ایک غیر اللہ کو اس کے خاصہ میں شامل کرکے ذاتِ لم یزل کو وَحْدَہٗ نہ مانا۔ جب وَحْدَہٗ نہ مانا۔ تو شرک کیا۔ اسی طرح نذر نیاز عبادت ہے جو صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے۔ کوئی غیر اللہ عبادت الٰہیہ میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی غیر اللہ کی نذر مانتا یا دیتا ہے۔ تو وہ اس کو اللہ کی عبادت میں شریک کرکے عملاً اس کے وحدہٗ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ فقہ کی اکثر کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ اَلنَّذْرُ عِبَادَۃٌ وَ الْعِبَادَۃُ لِغَیْرِ اللّٰہِ حَرَامٌ ــ" نذر عبادت ہے۔ اور غیر اللہ کیلئے حرام ہے۔" اسی طرح اللہ کی تمام قسم کی عبادتوں۔ قولی۔ بدنی، مالی میں غیر اللہ کو شریک کرنے سے اللہ کے وَحْدَہٗ ہونے کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور ناقی شرک کے اندھے کنوئیں میں گر جاتا ہے۔ جہاں اس کا نفس ناطقہ کبھی مرغ آئیں سے ہم آہنگ نہیں ہوگا۔

شرک آمیز ایمان بے سود ہے

اللہ تعالیٰ کی الوہیت، وحدانیت کے اقرار کے ساتھ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے لَا شَرِیْکَ لَہٗ کا عقیدہ بھی مومن کے خون میں رچایا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا کوئی شریک نہیں۔ یہی وہ چیز ہے۔ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور ابو جہل لعین کے مابین مابہ الامتیاز تھی۔ یعنی حضرت صدیق رضؓ اور تمام صحابہ رضؓ اللہ تعالےٰ کی ہستی کو مانتے تھے۔ اور اس عقیدے کے ساتھ مانتے تھے۔ کہ وہ ذاتِ لایزال وَحْدَہٗ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ کسی صورت بھی کوئی ساجھا نہیں۔ ابو جہل مردود، اور اس کے ساتھی بھی اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی کہتے تھے۔ کہ اس کے بنائے اور مقرر کئے ہوئے شریک بھی ہیں، اس

لئے لا شریک لہٗ نہیں کہتے تھے۔

دیکھئے یہی ابوجہل بدبخت جب مشرکین مکہ کو ساتھ لے کر بدر میں رحمت للعالمین ﷺ سے لڑنے کو چلا۔ تو اس نے روانگی کے وقت غلاف کعبہ کو پکڑ کر اللہ سے یوں دعا مانگی:۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (پ۹ ع ۱۸)

"اے اللہ اگر ہے یہ (دین اسلام) حق تیری طرف سے۔ تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ یا لے آ (کوئی اور) درد ناک عذاب ہم پر"

ابوجہل یہ دعا مانگتا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھی آمین آمین کہتے جاتے تھے۔ اللہ کی شان ایسا ہی ہوا۔ کہ بدر کے میدان میں، یہ سب دعا مانگنے والے مع ابوجہل کے ستر مشرک جہنم واصل ہو گئے، فی الواقع درد ناک عذاب سے دو چار ہو گئے۔

تو ہم یہ ذکر کر رہے تھے۔ کہ مشرکین مکہ بھی اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے۔ بلکہ اس سے دعا بھی کرتے تھے۔ اوپر آپ نے پڑھ لیا۔ کہ اَللّٰهُمَّ کہہ کر انہوں نے دعا مانگی۔ کتنی ارادت تھی ان کو اللہ کے ساتھ، اور کتنا لگاؤ تھا ان کو رب عرش عظیم کے ساتھ۔ لیکن جب وہ میدان جنگ میں گئے۔ تو وہاں ہبل کا نعرہ مار دیا۔ کہ اے ہبل ہماری مدد کو پہنچ!۔ ہبل ان کے عقیدے میں اللہ کا شریک تھا۔ یعنی ان کا اعتقاد تھا۔ کہ ہبل۔ (جو در اصل لفظ ہابیل ہے) اپنے بھائی قابیل کے ہاتھوں ناحق قتل ہوا تھا۔ اس لئے شہید ہوا۔ اور شہادت کا مرتبہ پا کر اللہ

کا بڑا مقرب ہو گیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے قرب کی وجہ سے اسے اپنے کچھ اختیار دے کر اپنے بندوں کی مدد و امداد پر مامور کر دیا ہے۔ پس مشکلات میں، خصوصًا جنگ کے دوران وہ مدد، اور فتح چاہنے کے لئے ہبل کو پکارتے تھے۔ اس لئے وہ ذات باری تعالیٰ کو۔ لا شریک لہٗ۔ نہیں کہتے تھے۔ غور فرمائیں۔ کہ وہ مشرک اللہ تعالےٰ کو لا شریک لہٗ نہ کہنے میں اپنے قول و فعل کی ہم آہنگی میں کتنے دیانت دار (سچے) تھے۔ یعنی کہتے تھے کہ اللہ کے شریک ہیں۔ اس لئے اللہ کو لا شریک لہٗ۔ نہیں کہتے تھے۔ اور ہم مسلمانوں کا یہ حال ہے۔ کہ ہم نے اللہ کے اتنے شریک بنا رکھے ہیں کہ بقول اقبالؒ۔ ع

زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

تو ثریٰ سے ثریا تک شریک رکھنے والے زور سے کہتے ہیں۔ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۔جنگوں میں ولیوں اور بزرگوں کے نعرے مارنے والے۔ ان کو مدد کے لئے پکارنے، اولیاء اللہ کے مزاروں پر۔ نذریں نیازیں چڑھانے، وہاں سجدے، قیام، طواف کرنے، ان کے آگے رونے، گڑگڑانے، اور آہ و زاری کرنے والے، حاجتوں اور مشکلوں میں ان سے عرضیں کرنے، مصائب و حوائج میں ان کو پکارنے، حضرت مولانا علی ہجویریؒ کے مزار کو پندرہ من عرق گلاب سے دھو کر پینے والے۔ بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۔ علامہ اقبالؒ پر اللہ رحمت فرمائے۔ وہ کتنی سچی بات مسلمانوں کو کہہ گئے ہیں۔ سہ

ہرگز ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند

حق را بسجودے و نبیؐ را بہ درودے (اقبالؒ)

تو کیا ہمارا لا شریک لہٗ کہنا ۔ ہمارے کرنے کے مطابق ہے ۔ ہمارا قول ہمارے فعل سے ہم آہنگ ہے ؟ نہیں ہے۔ تو مشرکین مکہ کا قول "اللہ کے شریک ہیں" ان کے فعل کے عین مطابق تھا۔ کہ بزرگوں، (لات و منات) کو شریکِ خدائی جان کر پکارتے تھے۔ ان کو حاجت روا اور مشکل کشا مانتے تھے۔ اور ساتھ ہی کہتے تھے۔ کہ اس کے شریک ہیں۔

تو توحید کی شرابِ طہور کے ساقی حضرت خاتم النبیین، رحمت للعالمین، سید الکونین ۔ سید الثقلین ۔ سید ولد آدم۔ راہ نورد جادۂ اسریٰ۔ اشرفِ انبیاء۔ شافع روز جزا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے توحید خداوندی کو وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ کے نور سے نکھارا ہے۔ جب تک یہ نکھار توحید پر نہ آئے گا۔ یہ توحید اللہ کو ناپسند رہے گی۔ شرک آمیز توحید ایمان کو لے ڈوبتی ہے۔ ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول ! (اقبالؒ)

اللہ تعالےٰ شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے کے ساتھ اسے وحدہٗ لا شریک لہٗ ماننا اس لئے لازم فرمایا ہے۔ کہ اگر ہم اللہ کی ہستی کو مانیں۔ اور اس ایمان کے ساتھ شرک بھی کریں۔ تو ایسا ایمان اللہ قبول نہیں کرتا۔ اور شرک بدوش ایمان کے ساتھ کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوتا۔

لہ اللہ ہمیں ہدایت دے۔ ہمارے فعل کو قول کے مطابق کر دے۔ کہ قول اور فعل کے تضاد کا نام نفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر ساتویں پارے میں مندرجہ ذیل اٹھارہ نبیوں کے نام گناتے ہیں :۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام	(۲) حضرت اسحاق علیہ السلام
(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام	(۴) حضرت نوح علیہ السلام
(۵) حضرت داؤد علیہ السلام	(۶) حضرت سلیمان علیہ السلام
(۷) حضرت ایوب علیہ السلام	(۸) حضرت یوسف علیہ السلام
(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام	(۱۰) حضرت ہارون علیہ السلام
(۱۱) حضرت زکریا علیہ السلام	(۱۲) حضرت یحییٰ علیہ السلام
(۱۳) حضرت عیسےٰ علیہ السلام	(۱۴) حضرت الیاس علیہ السلام
(۱۵) حضرت اسماعیل علیہ السلام	(۱۶) حضرت الیسع علیہ السلام
(۱۷) حضرت لوط علیہ السلام	(۱۸) حضرت یونس علیہ السلام

ان انبیاء کے نام لے کر آگے فرمایا :۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (پ۷ ع ۱۶)

" اور اگر شرک کرتے (یہ انبیاء) تو ان کے (تمام) اعمال ضائع ہو جاتے "

اس آیت سے ثابت ہو گیا ۔ کہ شرکیہ عقیدے اور شرکیہ عمل کے ساتھ ۔ کوئی عمل ہی قبول نہیں ہوتا ۔ نہ نماز ، نہ روزہ ، نہ زکوٰۃ ، نہ حج ، نہ کلمہ ، نہ اور کوئی نیک کام وغیرہ ۔ اور ایمان و اعمال کے عدم قبول کے علاوہ شرک کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا ۔ کیونکہ شرک وہ گناہ ہے ۔ جس کے لئے کوئی بخشش ، کوئی معافی نہیں ہے ۔ جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے۔کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ اَیُّ الذَّنبِ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ۔ "کون سا گناہ بہت بڑا ہے اللہ کے نزدیک؟ ۔حضورؐ نے فرمایا:۔

اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَکَ۔

"یہ کہ ٹھہرائے تو کسی کو اللہ کا شریک۔ اور حالانکہ اس نے پیدا کیا ہے تجھ کو" (مشکوٰۃ کتاب الایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے تو صاف فرما دیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (پ۵ ع۴)

"بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا۔ اور سوائے شرک کے اور گناہ جو چاہتا ہے۔بخش دیتا ہے۔"

یاد رہے۔کہ شرک نہ اعتقاد میں ہو۔ نہ فعل میں ہو' اور نہ قول میں ہو۔کیونکہ یہ' ایسا گناہ ہے۔ جس کی سزا ابدی دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے کوئی نہ اس کی ذات میں شریک ہے۔ نہ صفات میں۔ لہذا مسلمانوں کو سخت محتاط رہنا چاہیئے۔کہ کسی قسم کا شرک نہ ہو جائے۔

دفتر حساب تین قسم کے ہیں

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مرفوعًا روایت ہے۔کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں۔ دفتر تین ہیں۔ ایک وہ دفتر ہے۔کہ اللہ تعالیٰ اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ اور دوم وہ دفتر ہے۔کہ اللہ تعالیٰ اس میں سے کچھ ترک نہیں فرمائے گا۔ سوم وہ دفتر ہے۔کہ اللہ تعالیٰ اس کو مغفور نہیں فرمائے گا۔

پس جس دفتر کو اللہ تعالےٰ نہیں بخشے گا۔ وہ دفتر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے فرما دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔ الآیہ ۔ اور فرمایا۔ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ۔ الآیہ۔

اور جو دفتر کہ اللہ تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا۔ وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ وہ کام ایسے ہیں۔ کہ بندے اور اللہ کے درمیان ہیں۔ جیسے کوئی روزہ چھوڑ دیا۔ یا کسی وقت کی نماز چھوڑ دی۔ تو امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو بخشے گا ۔ اور درگزر فرمائے گا۔ اگر چاہے۔

اور وہ دفتر کہ جس میں سے اللہ تعالےٰ کچھ ترک نہیں فرمائے گا۔ تو وہ بندوں کا بعض کا بعض کے درمیان مظلمہ و مواخذہ ہے۔ پس اس میں لا محالہ قصاص و بدلہ ہوگا۔ (رواہ احمد)

بغیر شرک کے زمین بھر گناہ بخشے جا سکتے ہیں

حضرت ابوذر رضہ نے روایت کیا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ عز و جل فرماتا ہے۔ کہ اے بندے تو نے میری جو عبادت کی۔ اور مجھ سے امید رکھی تو میں تجھے بخشنے والا ہوں۔ جس حالت پر کہ تو تھا۔ اے میرے بندے۔ تو اگر زمین بھر کے گناہوں کو لے کر مجھ سے ملا۔ مگر اس حال میں۔ کہ تو نے میرے ساتھ کچھ شرک نہیں کیا۔ تو میں زمین بھر کی مغفرت سے تجھے ملوں گا۔

(رواہ احمد)

معلوم ہوا۔ کہ اگر بندہ اتنے گناہ لے کر اللہ کے پاس جائے، جن

سے تمام زمین بھر جائے۔ تو اگر ان زمین بھر گناہوں میں کسی قسم کا شرک نہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ زمین بھر بخشش لے کر اس بندے کو ملے گا۔ یعنی زمین بھر گناہ معاف کر دے گا۔

صد سالہ عبادت برباد

مثلاً ایک شخص جس نے سو سال کی عمر پائی ہو۔ اس نے سنّ بلوغ سے لے کر تادمِ واپسین کوئی نماز نہ چھوڑی ہو۔ کوئی روزہ نہ ترک کیا ہو۔ ہمیشہ زکوٰۃ بھی دیتا رہا ہو۔ پچاس حج بھی کئے ہوں۔ تہجد۔ اشراق۔ نماز تسبیح بھی باقاعدہ پڑھتا رہا ہو۔ بہت مالدار ہونے کے باعث لاکھوں روپیہ صدقات وخیرات میں بھی خرچ کرتا رہا ہو۔ حقوق العباد میں بھی پاک وصاف ہو۔ غرض فرشتہ خصلت رہا ہو۔ البتہ موت کے قریب زمانہ میں کسی عرس پر جا کر قبر پر سجدہ کر دیا۔ یا صاحبِ قبر کو کسی حاجت کے لئے پکارا۔ یا اس کے اعتقاد میں ہے۔ کہ اولیاء اللہ لوگوں کی پکاریں سنتے اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ یا کسی غیر اللہ کو اس نے عالم الغیب مانا۔ تو ان شرک کے کاموں کی وجہ سے اس کی صد سالہ عبادت برباد ہو گئی، اور وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اس کی کبھی بخشش نہ ہو گی۔

موحد بے عمل کا حال

اس کے برعکس حدیث بالا کی روشنی میں مثلاً ایک شخص نے صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ پھر اس نے تمام زندگی اللہ کی ساری مخلوق میں سے کسی کو اللہ کے ساتھ برابر نہیں۔ نہ اعتقاداً شرک کیا۔ نہ قولاً نہ فعلاً۔ اس نے کلمۂ طیبہ کی ذمہ داری کو خوب سمجھا۔ اور خوب نبھایا۔ شرک کی جتنی اقسام ہیں۔ ان میں سے کسی قسم کا شرک نہیں کیا۔ غرض قرآنی توحید پر جم؟

رہا۔ اور حضورؐ کی رسالت، اور نبوت پر دل سے ایمان رکھا۔ البتہ اس بدبخت نے اوامرِ الٰہی اور نواہی پر عمل نہیں کیا۔ اور سو سال تک اتنے گناہ کئے۔ کہ ان سے زمین بھر جائے۔ پھر زمین بھر گناہ لے کر وہ مرگیا۔ رب العزت حدیث مذکور میں اپنے ارشاد کے مطابق، چاہے تو اس پاپی کو معاف کر دے گا۔ بخش دے گا۔ ہاں تو سو سال کی شرک آمیز عبادت مردود ہے۔ اور بلا شرک زمین بھر کے گناہ قابل بخشش ہیں۔ اس سے۔ شرک پر اللہ کے غضب کا اندازہ کریں۔ اور خالص توحید کے عقیدے کے ساتھ زمین بھر گناہوں کو معاف کرنے پر اس کی مغفرت پر قربان جائیں۔

موحد کیلئے جبریلؑ بشارت لائے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ میں حرّۃ المدینہ میں عشاء کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا پھرتا تھا۔ اور ہم اُحد پہاڑ کو دیکھتے تھے۔ پس آپ نے فرمایا۔ کہ اے ابوذرؓ! میں نے عرض کیا۔ لبیک یا رسول اللہ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نہیں پسند کرتا ہوں۔ کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو۔ اور پھر تیسری شام آئے۔ اور میرے پاس ایک دینار بھی ہو۔ سوائے اس دینار کے جو میں قرض ادا کرنے کو رکھ چھوڑوں۔ مگر یہی کہ میں اس سونے کو بندگانِ خدا کے درمیان ایسے ایسے خرچ کروں۔ اور آپ نے اپنے دائیں و بائیں، اور سامنے لپ بھر بھر کر اشارہ سے پھینکا۔ ابوذرؓ نے کہا۔ کہ پھر ہم چلے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اے ابوذرؓ! جو لوگ بڑے مالدار ہیں۔ وہی قیامت میں سب سے زیادہ نادار ہوں گے۔ مگر وہ

مال دار جنہوں نے یوں یوں، دائیں بائیں۔ سامنے لپ بھر بھر کر خرچ کیا پھر فرمایا۔ کہ اے ابوذر رضؓ تو ایسا ہی اپنی جگہ پر رہ۔ یہاں تک کہ میں آؤں۔ پھر حضورؐ چلے۔ یہاں تک کہ میری نظر سے غائب ہو گئے پھر مجھے زیادہ باتیں کرنے کی آواز آئی۔ تو میں نے کہا۔ کہ شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ پیش آیا۔ پس میں نے (آپ کے) پیچھے جانے کا قصد کیا۔ پھر مجھے یاد آگیا۔ کہ آپ نے حکم دیا ہے۔ کہ اپنی جگہ سے مت ٹلنا۔ یہاں تک کہ میں آؤں۔ پس میں آپ کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ آپ آگئے۔ پس میں نے جو آواز سنی تھی۔ اس کا ذکر کیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا:۔

"یہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ کہ میرے پاس آئے۔ اور کہا۔ کہ جو آپ کی امت میں سے مرا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ شرک نہیں کرتا تھا۔ تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا۔ اگرچہ اس نے زنا کیا۔ یا چوری کی ہو (یہ سوال تین بار کیا)۔ فرمایا! ہاں اگرچہ زنا کیا ۔ و چوری کی۔ (رواہ احمد و البخاری)

موجبات کیا ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! موجبات کیا ہیں۔ یعنی جو کسی امر کو واجب کر دیں۔ وہ کیا ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ جو مرا ایسے حال میں کہ اس وقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا۔ تو اس کے لئے جنت واجب ہوئی۔ اور مرا ایسے حال میں

کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ شرک کرتا تھا۔ تو اس کے لئے دوزخ واجب ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ عبد بن حمید)

شرک حجاب ہے

حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ بندے پر برابر مغفرت رہتی ہے۔ جب تک کہ حجاب واقع نہ ہو۔ عرض کیا گیا۔ کہ یا رسولؐ اللہ! حجاب کیا ہے۔ فرمایا۔ کہ شرک کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ پھر فرمایا۔ کہ کوئی جی نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ سے ملے درحالیکہ وہ اللہ تعالےٰ سے شرک نہ کرتا تھا۔ مگر آنکہ اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے مغفرت اترے گی۔ چاہے اس کو عذاب کرے۔ (یعنی عذاب کر کے بخشے) چاہے اس کو بخش دے۔ پھر پڑھا قولہٗ تعالیٰ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔ الآیہ۔ (ابن ابی حاتم)

توحید پر جمے رہنے کا نیک انجام

ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی دین داری کیسی ہے؟ ۔ اس نے کہا۔ نمازی ہے۔ توحید والا ہے۔ آپ نے فرمایا ۔ جاؤ اور اس سے اس کا دین بطور ہبہ کے طلب کرو۔ اگر انکار کرے۔ تو اس سے خرید لو۔ اس نے جا کر اس سے طلب کیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے آکر حضورؐ کو خبر دی۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے اسے اپنے دین پر جما ہوا پایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ۔ الآیہ ۔ (ابن ابی حاتم)

مطلب یہ ہے۔ کہ وہ شخص شرک سے مبرّا ہے۔ اگرچہ بڑا گنہگار ہے۔ تو اللہ شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ اور شرک کے سوا، اور گناہوں کو چاہے تو بخش دے گا۔ یہاں ناامیدی نہیں ہے۔

آخرت کی بربادی کا کلمہ

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے ضمضم بن جوش یمامیؒ سے کہا۔ کہ اے یمامی! کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا۔ کہ خدا تجھے نہ بخشے گا۔ یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ یمامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ حضرت یہ بات تو ہم لوگ اپنے بھائیوں، اور دوستوں سے بھی غصّے غصّے میں کہہ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ خبردار! ہرگز نہ کہنا۔ سنو! میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

بنی اسرائیل میں دو شخص تھے۔ ایک تو عبادت میں بہت چست چالاک تھا۔ اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا تھا۔ دونوں میں دوستی اور بھائی چارہ تھا۔ عابد دوسرے آدمی کو بسا اوقات کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا۔ اور کہتا رہتا تھا۔ اے شخص باز رہ! وہ جواب دیتا۔ تو مجھے میرے ربّ پر چھوڑ دے۔ کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے۔

ایک مرتبہ عابد نے دیکھا۔ کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام میں مبتلا ہے۔ جو گناہ اسے بہت بُرا معلوم ہوا۔ اور کہا۔ افسوس تجھ پر! باز آ۔ اس نے وہی جواب دیا۔ تو عابد نے کہا۔ خدا کی قسم۔ خدا تجھے ہرگز نہ بخشے گا۔ یا جنت نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا۔

جس نے ان (دونوں) کی روحیں قبض کریں۔ جب یہ دونوں خدا کے ہاں جمع ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار کو فرمایا۔ میری رحمت کی بنا پر جنت میں داخل ہو جا۔ اور اس عابد کو فرمایا۔ کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر ہے؟ — (فرشتو!) اس (عابد) کو جہنم کی طرف لے جاؤ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس (ذات لایزال) کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو القاسم کی جان ہے۔ اس (عابد) نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکالا۔ جس نے اس کی دنیا اور آخرت برباد کر دی۔ (مسند احمد)

اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیئے۔ کہ تو جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یا تو دوزخی ہے۔ خواہ وہ شخص کتنا ہی بدکار اور گنہگار ہو۔ کیونکہ کہنے والے کو غیب کا علم نہیں ہے۔ کہ اس کا خاتمہ کیسا ہونے والا ہے۔ یہ جملہ کہ "تو جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔ کہنے کو تو بڑا معمولی جملہ ہے۔ لیکن حدیث بالا سے معلوم ہوا۔ کہ یہ بات آخرت برباد کر دینے والی ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے "کہ آدمی نیک کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بہشت ایک بالشت رہ جاتی ہے۔ پھر اس سے اخیر وقت کوئی ایسا برا کام ہو جاتا ہے۔ کہ وہ دوزخی ہو کر مر جاتا ہے۔ اور آدمی بُرے کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ دوزخ ایک بالشت رہ جاتی ہے۔ پھر اس سے کوئی ایسا نیک کام ہو جاتا ہے۔ کہ وہ جنتی ہو کر

مرجاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ کوئی کسی شخص کے انجام کو نہیں جانتا۔ اس لئے بدکار۔ فاسق فاجر کو بھی دوزخی نہیں کہنا چاہیئے۔ خدا جانے اس کا انجام کتنا اچھا ہونا ہے۔

دین کی تبلیغ ضرور کرنی چاہیئے

حدیث مذکور میں عابد، جو گنہگار کو بار بار گناہ کے کام سے روکتا تھا وہ امرِ دین کی تبلیغ کرتا تھا۔ یہ کام بڑے ثواب کا تھا۔ بُرائی اس سے یہ ہوئی۔ کہ اس نے کہہ دیا۔ "خدا کی قسم خدا تجھے ہرگز نہ بخشے گا یا جنت نہ دے گا" یہ بات غیب کی تھی۔ جو اسے نہ کہنی چاہیئے تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ شرک کے سوا ہر قسم کے گناہوں کو اگر چاہے۔ تو بخش دے۔ بخش دینا اس کی قدرت میں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے دونوں کو موت دے کر، گنہگار کو بخش کر عابد کو اپنی قدرت کا منظر دکھا دیا۔ اور عابد کو اس لئے سزا دی۔ کہ اس نے گنہگار پر عدمِ دخول جنت کا حکم لگا دیا تھا۔ اور ایسا کرنا ایک تو اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں دخل اندازی تھی۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو بخشنے پر قادر سمجھنے کے منافی تھا۔ پس آدمی کو سو بار سوچ کر بات منہ سے نکالنی چاہیئے۔

ہر مسلمان کو نہایت خیر خواہی اور محبت سے لوگوں کو امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کرنی چاہیئے۔ مبلّغ کا کام ہی یہ ہے۔ کہ معروف کو پھیلائے۔ اور منکر کو مٹائے۔ پس جس کے سامنے شریعت کی حدیں توڑی جائیں۔ قرآن اور حدیث کا کھلے بندوں خلاف ہوتا ہو۔ وہ اگر گونگا بنا رہے۔ اور تبلیغ نہ کرے، تو وہ بڑا گنہگار اور سزا کے لائق ہے۔

حضرت حذیفہ رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ البتہ حکم کروگے تم نیکی کا۔ اور البتہ منع کروگے تم برائی سے۔ یا (اگر ایسا نہ کروگے۔ تو) قریب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بھیجے گا تم پر عذاب اپنے پاس سے۔ پھر البتہ دعا مانگوگے تم (دفع عذاب کے لئے) اور نہ قبول کی جائے گی واسطے تمہارے " (ترمذی)۔

یاد رہے کہ عذاب اور بلائیں دعا سے ٹلتی ہیں۔ لیکن جو عذاب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کے باعث اترتا ہے۔ وہ دعا سے نہیں ٹلتا۔ اس عذاب کے دور ہونے کے لئے دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔ پس علماء کرام، اور دوسرے لوگوں کو باہمی تعاون سے تبلیغ کا فریضہ ضرور ضرور ادا کرنا چاہیئے۔ ہاں یہ بات ضروری ہے۔ کہ کسی گنہگار کو مخاطب کرکے یوں نہ کہے۔ کہ تو جہنمی ہے۔ کیونکہ جہنمی اور جنتی ہونا صرف اللہ عالم الغیب ہی جانتا ہے۔ اور اس بات پر ایمان لانا چاہیئے۔ کہ اوامر کی تعمیل جنت میں لے جائیگی اور نواہی کا ارتکاب موجب دوزخ ہے۔ اللہ نیکیوں سے راضی ہوتا ہے اور بدیوں سے ناراض!

پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالےٰ کو وَحْدَہٗ اور لَا شَرِیْکَ لَہٗ ماننا دوزخ سے بچنے کے لئے شرط ہے اس کی وحدت ہر نوع کے شرک سے پاک رہے۔

شوق میری لے میں ہے، شوق میری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ھُو میرے رگ و پے میں ہے

رحمتِ عالم کی عبدیت اور رسالت

وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

"اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ (حضرت) محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

رشتہ ہائے عابد و معبود، سلجھاتا ہوا
وادیٔ بطحا سے اُٹھا نور، برساتا ہوا
(ثمرؔ)

رسالت اور عبدیت لازم ملزوم ہیں

اللہ تعالیٰ کی ہستی کو ماننے۔ اس کی الوہیت و وحدانیت پر ایمان لانے اور اس کو ذات اور صفات میں وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ تسلیم کرنے کے بعد، ذات لایزال کے فرستادہ، انسان کامل۔ سید البشر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور رسالت کی شہادت دینی بھی مسلمان ہونے کی شرط ہے۔یعنی دل کی تصدیق کے ساتھ، زبان سے اقرار کریں۔کہ حضرت مُحمّد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، اور اس

کے سچے رسول ہیں۔ حضورؐ نے اپنی رسالت کے اقرار پر اپنی عبدیت کے اقرار کو مقدم رکھا ہے۔ تاکہ ہر مسلمان جو حضورؐ کو رسول اللہ مانے، وہ آپ کو اللہ کا عبد یعنی بندہ بھی مانے۔ کیونکہ رسالت اور عبدیت۔ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ جو پیغمبر اور رسول، اللہ کی طرف سے دنیا میں آیا۔ وہ عبد اور بشر ہی تھا۔ ہرگز غیر بشر نہ تھا۔ تو رسالت کے اقرار سے قبل، رسول کی عبدیت اور بشریت پر ایمان لانا بھی ضروری ہوا اگر کوئی شخص، کسی رسول کو عبد یا بشر نہ مانے۔ تو وہ منکرِ رسالت ہے کہ بشریت کے انکار سے رسالت کا انکار لازم آتا ہے۔

یہ حقیقت آپ کو معلوم ہے۔ کہ اصلی ہیرا پتھر ہوتا ہے۔ تو حجریت ہیرے کو لازم ہوئی۔ اگر ہیرا پتھر کی جنس سے نہ ہو۔ تو وہ ہیرا نہ ہوگا۔ (کوئی اور شے ہوگی۔ نقلی ہیرا کہہ لو) تو حجریت کے انتفا سے ہیرے کی نفی لازم آئی۔ ایسے ہی انکارِ بشریت انکارِ رسالت کو مستلزم ہوا۔

توحسبِ ارشاد سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم، اس بات پر دل سے یقین، اور زبان سے اقرار کریں۔ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے خاص عبد ہیں۔ بشر ہیں۔ آدمی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ باقی رہا درجہ آپ کا۔ تو درجہ اور مرتبہ میں آپ بے مثل ہیں۔ آپ کی شان کا آدم کی اولاد میں کوئی آدمی، کوئی بشر، کوئی عبد، کوئی رسول نہیں ہے۔ ؎

حضرتِ خیر البشرؐ وہ سرورِ کون و مکاں
وہ رئیسِ عرشیاں، وہ خاتمِ پیغمبراں
اس کا ہر نقشِ قدم ہے مشعلِ راہ حیات

وہ امیرِ کارواں، فانوسِ ایوانِ جہاں
اس نے بندے کو الوہیت شناسا کر دیا
مرکزی نقطہ وہ جس کے گرد گھومی داستاں (ثمر)

مُحمّدؐ کا پیارا نام

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، کا نام حضورؐ کے دادا عبدالمطلب نے مُحمّد رکھا تھا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا۔ کہ تم نے اپنے بچے کا نام اپنے آباؤ اجداد کے نام پر کیوں نہیں رکھا۔ اور اس نام کا۔ کوئی شخص اس سے پہلے تمہاری قوم میں نہیں ہوا۔

خواجہ عبدالمطلب نے کہا۔ کہ میں نے اس کا یہ نام، اس امید پر رکھا ہے۔ کہ تمام اہل زمین کی زبان پر تعریف کیا جائے۔

آپ کے پیارے نام مُحمّد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے معنے ہیں بے حد تعریف کیا گیا۔ حَمَّدَ یُحَمِّدُ تَحْمِیْدًا سے مُحَمَّدٌ اسم مفعول ہے۔ بہت بہت، بے حد و بے عد تعریف کیا گیا۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ پیدائش سے لے کر آج تک جتنی تعریف آپ کی کی گئی ہے۔ اولاد آدم میں اتنی تعریف اور کسی کی نہیں کی گئی۔ تولد سے وفات تک حضورؐ کی زندگی کا ایک ایک دن، ایک ایک گھنٹہ، بلکہ ہر ہر منٹ تعریف و ستائش سے لبریز ہے۔ حیات پاک کے ہر سانس کی عنبر فشانی۔ جنّوں، انسانوں، اور فرشتوں سے آج تک سلام و رحمت کے ہدایا وصول کر رہی ہے۔ اور تا نور نیرین وصول کرتی رہے۔ سیرتِ مقدس کے لمحات جو ہدایت کے شمس و قمر بن کر مطلع انسانیت پر ضو فشاں ہوئے۔ بنی نوع انسان، تا حال

ان کے نور سے فیض یاب اور مدحت سرا ہیں۔ کیا یہ مُحمَّدؐ کی کم حمد ہے۔ کہ جب سے نبوّت کے چاند نے غارِ حرا سے کھیت کیا ہے، آسمانوں کے بے شمار فرشتے حضورؐ پر صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے پھول برسا رہے ہیں۔ اور عالمِ ہست و بود کے کروڑوں انسان شب و روز اذانوں میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه کی صدائیں بلند کرتے ہیں۔ اور ان کی زبانیں سیّدِ ولدِ آدم کے لئے اللہ سے، رحمتیں مانگنے میں شکرریز ہیں!۔ آپ کا سراپا قابلِ مدح۔ ہر ہر عضو قابلِ تعریف۔ ہر عضو کی حرکت قابلِ ستائش۔ آپ کی عبادات، اخلاق، آپ کا سونا، جاگنا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، بولنا، چالنا، دیکھنا، سننا، گفتار کردار۔۔ ہر چیز عبرو نصائح سے پُر۔۔ درخورِ صد مدحت ہے۔ ؎

محمدؐ مصطفٰے ہے رہنمائے نوعِ انسانی
محمدؐ داعیِ حق ہے محمدؐ غایتِ دیں ہے (ذُمَر)

شتمِ قریش سے محمدؐ مامون ہیں

قریشِ مکہ نے از راہِ حسد و عناد رحمت للعالمینؐ کا ایک نام مذمم تجویز کیا۔ مذمم محمدؐ کی ضد ہے۔ جس کے معنے ہیں مذمت کیا گیا۔ صحابہؓ کو یہ سن کر بہت دکھ ہوا۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا:۔

اَلَا تَعْجَبُوْنَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّىْ شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ يَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَّ اَنَا مُحَمَّدٌ ط (بخاری شریف)

"(صحابہؓ) کیا تعجب نہیں کرتے ہو تم کہ کیونکر باز رکھا اللہ نے مجھ سے (مشرکین) قریش کا بُرا کہنا۔ اور ان کا لعنت کرنا۔

(غور کرنا) کہ وہ برا کہتے ہیں مذمم کو۔ اور میں مُحمّدؐ ہوں"

یعنی بدبخت مشرک حضورؐ کو مذمم (مذمت کیا گیا) کہنے۔ اور یہ نام لے کر لعن طعن بکتے۔ اس پر امام نکتہ رساں نے فرمایا۔ کہ (صحابہ غم نہ کرو) وہ تو مذمم کو لعن طعن کرتے اور برا کہتے ہیں۔ اور میں تو محمدؐ ہوں۔ یہ گالی مجھے نہیں لگتی۔ قربان جاؤ اللہ کی ذات پر وہ کس طرح شتم قریش کو میری ذات سے دور، اور دفع کرتا ہے۔ کہ اس کے فضل سے میں محمدؐ ہوں۔ جو حمد سے مشتق ہے۔ اور حمد کا مذمت سے کوئی واسطہ نہیں! ؎

عروسِ لالہ و گل کو بہاروں کا پیام آیا
گلوں کا ہمنشیں آیا، صبا کا ہم خرام آیا
ہوئی تکمیلِ ہستی قدسیوں کا ہم کلام آیا
فرازِ کہکشاں سے جھوم کر ماہِ تمام آیا

صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (ثمر)

عبدیتِ خیرالوریٰ

حضور انور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم عَبْدُہٗ ہیں۔ یعنی اللہ کے بندے ہیں۔ یاد رکھیں۔ کہ ہر شخص اللہ کا عبد ہے۔ غلام ہے۔ اور کسی کو اس کی غلامی اور بندہ ہونے سے مفر نہیں۔ پھر غلامی ہو۔ تو صرف اللہ ہی کی ہو۔ اللہ کی غلامی کے سوا کسی کو کسی کی غلامی جائز نہیں۔ اور نہ ہی کوئی عبد کسی کا عبد ہو سکتا ہے۔ ؎

بشر غلامی کرے بشر کی، کسی بھی صورت روا نہیں ہے
میں دار پر بھی کہوں گا بشر، بشر ہے خدا نہیں ہے

تمام بنی نوع انسان اللہ واحد القہار کی غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی اس زنجیر سے نکل نہیں سکتا۔ کسی کو مجالِ دم زدن نہیں۔ اللہ مالک اور آقا ہے۔ تمام اولادِ آدم اس کی غلامی کا دم بھرتے ہیں۔ اور اس کے حکم کے آگے عاجز، لاچار اور بے بس ہیں۔ وہ جو چاہے کرے۔ کسی کو یارائے چون وچرا نہیں۔ اگر وہ ہوا بند کردے۔ آکسیجن ناپید کردے۔ تو تمام انسان بلکہ ہر ذی روح ہلاک ہو جائے، اسی طرح اگر وہ زمین کے اندر پانی خشک کرلے۔ تو اس کے تمام غلام مارے پیاس کے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں۔ اگر زمین سے رزق نہ اگائے تو قوتِ لایموت نہ ملنے کے باعث ذرّیت آدم دم توڑ دے۔

معلوم ہوا۔ اللہ کے غلام اپنی زندگی رواں دواں رکھنے کے لئے ہر لمحہ اللہ کے سخت محتاج ہیں۔ مضطر، عاجز اور لاچار انسان غلام انسان ہر آن ناصیہ فرسائے عتبۂ رحمان ہیں۔ آب و ہوا اور رزق کے علاوہ بیشمار ضروریاتِ زندگی میں تمام غلام اللہ تعالیٰ کے ازحد محتاج ہیں۔ بشر پر کبھی ایسا وقت نہیں آسکتا۔ کہ وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس کی غلامی سے نکل سکے۔ غلام اپنے مالک کی عبادت کرتے کرتے خواہ کتنا ہی اس کا مقرب ہو جائے۔ حق غلامی بدرجہ اتم ادا کرکے اس کے قرب کی معراج کو بھی پالے۔ وہ پھر بھی غلام ہی ہے — ارشاد خداوندی ہے:۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (پ ۱۵ ع ۱)

"وہ اللہ (عجز کے عیب سے) پاک ہے۔ جو اپنے بندے (محمد صلے اللہ علیہ و سلم) کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصٰی (بیت المقدس) تک لے گیا۔ جس کے گردا گرد ہم نے (دنیا و دین کی) برکتیں دے رکھی ہیں تاکہ دکھائیں ہم اس کو اپنی نشانیوں سے۔ بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت میں حضورؐ کے معراج کا حال ہے۔ غور کریں۔ کہ اللہ تعالٰے حضورؐ کو ساتوں آسمانوں سے بہت بہت آگے۔ اور آگے۔ اور آگے۔ جہاں تک چاہا لے گیا۔ یعنی انتہائی قرب بخشا۔ اس عظیم قرب کے مقام پر پہنچ کر بھی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ حضورؐ ہنوز عبد ہیں۔ اللہ کے بندے ہیں' اسی لئے آقائے لایزال کے حضور' سرور کائنات ؐ نے خود کو عَبْدُہٗ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور امت کو بھی سبق دیا ہے۔ کہ کہو۔ عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ ۔ کہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ و سلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یعنی مجھے پہلے عبدہٗ کہو۔ پھر رسول' ۔ کتنا اعزاز ہے حضورؐ کی اس عبدیت میں۔ کتنا شرف و مجد' اور کس قدر کیف ہے حضورؐ کے عَبْدُہٗ فرمانے میں۔ ؎

جلوۂ ماہِ نیم شب تابشِ نور آفتاب!
یہ بھی نہیں ترا جواب وہ بھی نہیں ترا جواب (ثمرؔ)

اللہ کی غلامی کے اسیر

انگریز کے عہد حکومت میں لیڈر، اور عوام سب کہتے تھے۔ کہ ہم انگریز کے غلام ہیں۔ وہ غلط کہتے تھے۔ انگریز حاکم تھا۔ اور ہم محکوم تھے۔

اور حاکم اور محکوم دونوں اللہ کے غلام تھے۔ یاد رکھیں کہ شاہ اور گدا، پیغمبر اور امتی۔ بوڑھا اور بچہ۔ امیر اور غریب۔ پیر اور مرید۔ عالم اور جاہل۔ ذہین اور غبی۔ قوی اور ضعیف۔ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق۔ کُلھم رب الارباب کی غلامی کے جال کے اسیر ہیں۔ سب کے گلے میں ربوبیت کا گلوگیر ہے۔ سب پابندِ سلاسلِ بندہ شدن ہیں۔

پھر رب متعال آب شیریں کی ہمرسانی سے انہیں زندگی بخش رہا ہے۔ اسی طرح زندگی اپنی بقا کے لئے اس کے در سے طعام اور نسیم کی بھیک مانگتی ہے۔ جب اللہ کا حکم رات کی شکل میں جہان پر مسلط ہوتا ہے۔ تو سب اس کے حکم کے زیر اثر آ کر سو جاتے ہیں۔ اگر کوئی غلام کہے۔ کہ میں رات سے نکل جاؤں۔ تو نہیں نکل سکتا۔ ایسے ہی جب دن خلقت پر چھا جاتا ہے۔ تو سب دن کو قبول کر کے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ طوعاً و کرہاً اسیرانِ غلامی لیل و نہار کا لباس زیب تن کر لیتے ہیں۔ جب خالقِ کُل زمانے پر موسم سرما مسلط کر دیتا ہے، تو سب گرم لباس پہننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور جب موسمِ گرما اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ تو لوگ گرم لباس اتارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور سرد لباس پہن لیتے ہیں۔ ہر کہہ و مہہ۔ چار و ناچار اس کی غلامی کا اسیر ہے۔ اور کسی ہفت اقلیم کے بادشاہ یا الوالعزم پیغمبر کو بھی اس کی قیدِ غلامی سے فرار ممکن نہیں۔ سچ فرمایا مولانا حالیؒ نے ؎

پھندے سے تیرے جائے کیونکر نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہے ہر سُو، عالم میں جال تیرا

غلامی کا مطلب اور مفہوم اوپر آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب

سوچئے کہ کیا متذکرۃ الصدر معنوں میں کوئی بندہ ، بندے کا غلام ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں! کیا تمام دنیا کے فرماں روا۔ یا کسی آمر مطلق کی غلامی انسان کو زیب دیتی ہے ؟ نہیں! کیونکہ اگر آمرِ مطلق کو بھی ہوا نہ ملے ۔ تو مرجائے ۔ اور اس کے غلام کو بھی ہوا نہ ملے ۔ تو وہ بھی مرجائے دونوں ہوا نہ ملنے کے باعث دم گھٹ کر مرجانے میں برابر ہیں۔

معلوم ہوا ۔ کہ دونوں کسی اور بڑی ہستی کے غلام ہیں۔ جو ہوا کا خالق ہے ۔ اگر وہ چاہے تو ہوا روک کر دونوں کو عدم میں پہنچادے ، پس تمام انسان اللہ ہی کے غلام ہیں۔ اور اس کی غلامی سے کسی کو فرار ممکن نہیں ۔ تو یہی رب الارباب ۔ مالکِ رقابِ انام اپنے غلاموں سے اپنے نام پر عبادت کی شجرکاری چاہتا ہے ۔ ع

اسی مقام سے چھوٹی ہے زندگی کی کرن

نجران کے پادریوں کا مناظرہ

نجران کے ساٹھ پادری ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں مناظرہ کرنے کے لئے آئے ۔ جب دربار نبوی میں باریاب ہوئے ۔ تو انہوں نے حضورؐ سے بہت باتیں پوچھیں۔ آپؐ نے ہر بات کا تسلی بخش جواب دیا۔ آخر وہ کہنے لگے ۔ کہ آپ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ حضورؐ نے تازہ نازل شدہ آیت پڑھ کر سنائی :۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝

”بے شک عیسٰے علیہ السّلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم

کی طرح ہے۔ ان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کہا۔ ہو جاؤ۔ تو وہ ہو گئے"۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اگر حضرت عیسٰے علیہ السّلام بے باپ پیدا ہونے کے باعث خدا یا خدا کے بیٹے (معاذ اللہ) ہو سکتے ہیں۔ تو حضرت آدم علیہ السّلام کو کیا کہو گے۔ جو بغیر باپ، اور بغیر ماں کے پیدا ہوتے تھے؟۔ حاصل کلام!۔ کہ نہ حضرت آدم علیہ السّلام میں الوہیت ہو سکتی ہے، اور نہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام الٰہ یا ابن اللہ ہیں۔ دونوں اللہ کی مخلوق، اس کے رسول، اور بندے ہیں۔ حضورؐ نے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ یعنی عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ ۔ ان پادریوں نے اسے قبول نہ کیا۔ پھر حضور انورؐ نے ان کو دعوتِ مباہلہ دی۔ وہ ملاعنت پر تیار نہ ہوئے۔ بلکہ سخت خوف زدہ ہو گئے۔ اور ڈر کر جزیہ دینا قبول کر لیا۔

غور کریں۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کو ان کی والدہ حضرت مریمؑ نے جنا۔ انہوں نے والدہ کا دودھ پیا۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے وہ روٹی کھاتے، پانی پیتے۔ اور ہوا میں سانس لیتے تھے۔ اگر ان کو ہوا، روٹی، یا پانی نہ ملتا۔ تو وہ یقیناً زندہ نہ رہتے۔ پھر جو۔ اپنی زندگی کی بقا کے لئے کھانے، پینے، اور ہوا وغیرہ کا محتاج ہو۔ کیا وہ الٰہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ثابت ہوا۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے عبد، اور غلام تھے۔ مربوب اور محتاج تھے، اور اس کے رسول برحق تھے۔

دُعائے سیّد العالمینؐ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِیْ

قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِیْ وَجَلَاءَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ ۝

(مشکوٰۃ شریف)

"اے اللہ میں تیرا غلام ہوں۔ اور تیرے غلام کا بیٹا ہوں۔ اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں۔ اور تیرے قبضے اور اختیار میں ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ جاری ہے میرے حق میں حکم تیرا۔ انصاف ہے میرے حق میں فیصلہ تیرا۔ مانگتا ہوں میں تجھ سے ہر تیرے نام کی برکت سے کہ وہ نام خاص ہے تیری ذات کا۔ یا اتارا تو نے اس کو اپنی کتاب میں، یا سکھایا تو نے اس کو اپنی مخلوق میں سے کسی کو۔ یا پسند کیا تو نے اس کو علم غیب میں جو مخفی ہے نزدیک تیرے، یہ کہ کرے تو، قرآن کو بہار میرے دل کی۔ اور سبب دور ہونے میرے فکر و غم کا۔"

رحمتِ عالم ﷺ کا اقرارِ عبودیّت

مذکورہ دعا میں حضور پر نور ﷺ اللہ سے عرض کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اَنَا عَبْدُكَ۔ اے اللہ میں تیرا غلام ہوں۔ اللہ کی غلامی پر حضور ﷺ کتنے خوش ہیں۔ اور اس میں کتنا اعزاز سمجھتے ہیں۔ بصد جان اللہ کی غلامی کا اقرار و اظہار کرتے ہیں۔ اس عبدیت سے یہ بھی بتا گئے ہیں کہ حضور ﷺ

جنسِ انسان سے ہیں۔" تاکہ امّت عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح گمراہ نہ ہو جائے ۔کہ عیسائیوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو الٰہ کہا۔ ابن اللہ بھی کہا۔ اور ثالث ثلاثہ بھی کہا۔ اسی طرح یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہا۔ اور گمراہ، اور مشرک ہو گئے۔

افسوس غالیوں پر، کہ انہوں نے یہود و نصاریٰ کی راہ اختیار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ یہ لوگ حضورؐ کو عرب بلا عین (رب)۔ اور احمد بلا میم (احد) کہتے ہیں۔ قوالیوں میں ان کی نعتیں بڑی ایمان سوز اور شرک ریز ہوتی ہیں ۔ میم کے گھنگھٹ ہیں۔ وہ آئے میم کے گھنگھٹ میں ۔ یعنی بظاہر تو احمد ہیں۔ در اصل احد ہے۔ احد میم کے برقع ہیں میم کے پردہ میں، میم کے گھنگھٹ میں آیا۔ استغفراللہ۔ پھر اللہ کا جزُ ۔ نورٌ من نورِ اللہ بھی کہتے ہیں۔ ابن اللہ اور نورٌ مِن نُورِاللہ میں کچھ فرق نہیں۔ دونوں خدا کا جز ہوئے۔ نعوذ باللہ۔

پھر حضورؐ نے فرمایا۔ وَابْنُ عَبْدِكَ ۔ اور تیرے غلام ۔ (عبداللہ) کا بیٹا ہوں۔ یعنی میرا باپ بھی تیرا بندہ، اور غلام ہے ۔

وَابْنُ اَمَتِكَ ۔ اور تیری لونڈی (آمنہ) کا بیٹا ہوں۔ یعنی میری ماں بھی تیری لونڈی۔ مطلب یہ کہ ساری اولادِ آدم کے ذکور و اناث تیرے غلام اور تیری لونڈیاں ہیں۔ اور تو اِن سب کا خالق، مالک، رب، اور داتا ہے۔

وَفِیْ قَبْضَتِكَ ۔ " اور تیرے قبضے میں ہوں"۔ یعنی تیرے بس اور اختیار میں ہوں۔

نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ ۔ "میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے"۔ یعنی

میں تیرے آگے بالکل بے بس ہوں۔ تیرے قابو میں ہوں۔ میری پیشانی کے بال تیرے ہاتھ میں ہیں۔ حد درجہ تیرا مطیع ہوں۔

مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ ۔ جاری ہے میرے حق میں حکم تیرا۔ یعنی اے احکم الحاکمین۔ شہنشاہ لازوال۔ میری روح و رواں پر تیری بادشاہی ہے۔ میری دنیائے جسم و جان میں تیرا حکم چلتا ہے۔ میرے بدن کے روئیں روئیں پر تیری فرماں روائی ہے۔ میرے ہاتھوں، پاؤں، میرے دل و دماغ، کانوں، آنکھوں، زبان، لہو، گوشت پوست، رگ و ریشہ، حواس خمسہ، اور نس نس پر تیری، اور صرف تیری حکمرانی ہے میری ہر چیز تیری آگیا میں ہے۔

عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ ۔ انصاف ہے میرے حق میں فیصلہ تیرا" یعنی جو فیصلہ بھی تو میرے حق میں کرے۔ عین عدل ہے۔ تیری ہر قضا میرے لئے ٹھیک نیاؤ ہے۔ میرا دکھ، سکھ، خوشی، غم، عسر، یسر، تنگی فراخی، صحت، مرض، فقر، غنا، مصیبت، پریشانی، کامیابی، کامرانی، طائف میں پتھروں کی بارش، فتح مکہ کی طلوعِ سحر۔ حیات مستعار کا ہر قضا بردار لمحہ جس طرح بھی گزرا۔ عدل و انصاف کی دنیا لئے گزرا۔

اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ ۔ " سوال کرتا ہوں میں تجھ سے، ہر تیرے نام کی برکت سے۔ کہ وہ نام خاص ہے تیری ذات کا۔" یعنی اے ربِّ ودود، میں تیرے ہر اس نام کی برکت سے تیرے در سے مانگتا ہوں۔ جو وہ نام خاص ہے تیری ذات کا۔ تیری ذات پاک کے خاص ناموں کی برکت سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ (سوال آگے آتا ہے)۔

اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ ۔ یا اُتارا تو نے اس کو اپنی کتاب میں" یعنی۔ یا تیرے اس خاص نام کی برکت سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ جو تو نے اپنی کسی کتاب میں نازل کیا ہے۔

اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ ۔ "یا سکھایا تو نے اس کو، اپنی مخلوق میں سے کسی کو" یعنی ۔ یا سوال کرتا ہوں تجھ سے اُس خاص نام کی برکت سے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے۔

اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ ۔ "یا پسند کیا تو نے اس کو علم غیب میں جو پوشیدہ ہے نزدیک تیرے" یعنی۔ یا سوال کرتا ہوں تجھ سے اس اسم اعظم کی برکت سے جو تیرے علم غیب میں پوشیدہ ہے۔ اور ابھی تک کسی کو تو نے نہیں بتایا۔ پیارے مولا! لازوال معبود! حاجت روا، اور مشکل کشا مسجود! تیرے اس پاک نام کی برکت سے تیری جناب میں سوال کرتا ہوں۔

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَجَلَاءَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ ۔ "کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے۔ اور میرے غموں کے دور ہونے کا سبب کر دے"

قربان جاؤں اِن عَبْدُهٗ کی ذات پر کہ اللہ کے خاص الخاص نام کی برکت سے اپنے مالک لایزال سے سوال بھی کیا۔ تو یہ کیا۔ کہ قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے اور قرآن ہی سے میرے ہم و غم کو کافور کر دے۔ عَبْدُهٗ کی عبودیت معراجِ کمال پر ہے۔ ؎

امروز جائے ہر کس پیدا شود زخوباں
کاں ماہ مجلس آرا اندر صدارت آمد (حافظؒ)

رسالت محمدیہ کی شہادت

اپنی ذات کے بارے میں عَبْدُہٗ کی شہادت دینے اور امت سے یہ شہادت دلوا کر۔ پھر فرمایا جناب رحمت للعالمینؐ نے :۔

وَرَسُوْلُہٗ ۔ "کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں "

رسول کے معنے قاصد اور ایلچی ہیں۔ ایک بادشاہ اپنا ایلچی دوسرے بادشاہ کے پاس بھیجتا ہے۔ تو اس ایلچی کو رسول کہتے ہیں۔ رسولِ روم۔ رسولِ ایران۔ رسولِ مصر۔ مراد روم، ایران، اور مصر کے ایلچی ہیں۔ تو ہر انسان کے قاصد، اور پیغام رساں کو رسول کہیں گے۔ یہ تو ہوئے انسانوں کے انسانوں کی طرف رسول لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنا پیغام دے کر بھیجتا ہے۔ تو اس کو رسول اللہ کہا جاتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کا قاصد یا ایلچی۔

چالیس سال سے قبل حضور انورؐ محمد بن عبداللہ کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ اور وہ بھی اپنی برادری اور قبیلہ کے اندر، اس عمر تک آپ نیک، راست باز، اور امین مشہور تھے۔ جب نبوت کے تاج سے سرفراز ہو کر غار حرا سے نکلے، تو اس وقت محمدؐ بن عبداللہ، رسول اللہ ہو گئے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے۔ اللہ کے قاصد۔ اللہ کے ایلچی۔ اب زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے :۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (پ۱۶ ع ۳)

"کہہ دے سوائے اس کے نہیں کہ میں انسان ہوں مانند تمہاری۔ وحی کی جاتی ہے طرف میری۔ یہ کہ معبود تمہارا، معبود ایک ہے"

مطلب یہ ہے۔ کہ ہوں میں وہی محمد بن عبداللہ۔ بشر اور آدمی ہی ہوں۔ ہاں مجھ پر مزید انعام یہ ہوا ہے۔ کہ میں رسول اللہ ہو گیا ہوں۔ کیونکہ میری طرف وحی آتی ہے۔ کہ لوگو! سنو! تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔

حضرت انورؐ اللہ کے ایلچی ہیں

دنیا میں جب کسی کا ایلچی دوسرے آدمی کے پاس پیغام لے کر جاتا ہے تو اس ایلچی کی قدر و منزلت ایلچی بھیجنے والے کی حیثیت کے مطابق کی جاتی ہے۔ اور اس کے پیغام کی عزت و حرمت، اور عمل در آمد بھی مُرسِل کی شان اور مقام کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ جیسے تحصیلدار کا ایلچی۔ ڈی۔ سی کا ایلچی۔ گورنر کا ایلچی۔ راجہ یا نواب کا ایلچی، شاہِ ایران کا ایلچی۔ برطانیہ کا ایلچی۔ روس کا ایلچی۔ امریکہ کا ایلچی، ان ایلچیوں کے ساتھ ان کے مُرسلوں کی حیثیت، اور ان کے مقام کے لحاظ سے سلوک کیا جائے گا۔ کسی ریاست کے نواب کے ایلچی اور امریکہ کے صدر نکسن کے ایلچی میں بڑا فرق ہے۔ اور دونوں کے پیغاموں کی حیثیت میں بھی بڑا تفاوت ہے۔ یہ تو بات ہو رہی ہے انسانوں کے ایلچیوں اور رسولوں کی۔ اور جو اللہ کا ایلچی اور رسول ہو۔ وہ کتنی عزت و قدر کے لائق ہے۔ اور اس ایلچی اور رسول کا لایا ہُوا پیغامِ حق کس درجہ قابلِ عزت، اور کس درجہ واجب العمل ہے؟

غور کرنے کی بات ہے۔

اس تشریح کے بعد اب آپ رَسُوْلُہٗ کا ترجمہ کریں. کہ حضرت محمدؐ (بن عبداللہ) اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے ایلچی ہیں۔ اللہ کا پیغام پہچانے والے ہیں۔ اللہ کی ایلچی گری کے باعث وہ تمام جہان کے انسانوں سے بڑھ کر قابلِ عزت اور قابلِ احترام ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کا نام محمدؐ سن کر صلے اللہ علیہ وسلم کہنا واجب ہے، اور جو آپ کا نام لے کر، یا سن کر درود نہ بھیجے گا۔ وہ بخیل اور خدا کی رحمت سے دور ہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے اپنے پیغامِ حق قرآن مجید میں فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (پ ۲۶ ع ۱۳)

"اے ایمان والو! (خبردار!) مت بلند کرو آواز اپنی کو نبی کی آواز پر۔ اور نہ ان کے ساتھ بہت زور سے بات کرو جیسے تم ایک سے ایک (آپس میں) زور زور سے بولا کرتے ہو۔ (کہیں ایسا نہ ہو) کہ اکارت جائیں عمل تمہارے۔ اور تم کو خبر بھی نہ ہو"

یعنی اللہ نے فرمایا۔ کہ اگر تمہاری آواز میرے ایلچی (حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے اونچی ہو گئی، یا تم نے اس کو اُس طرح زور کی آواز سے بلایا۔ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو اونچی آواز سے نام لے لے کر بلاتے ہو۔ تو یاد

رکھنا۔ کہ اس بے ادبی کی پاداش میں تمہارے سب اعمال مٹا دیئے جائیں گے۔ اور تم کو خبر بھی نہ ہو گی۔ کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔

رسولؐ اللہ کا مقامِ ادب

گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیج کر اس کا ادب کرنا بھی سکھایا کہ دورانِ گفتگو تم ان کی آواز سے اپنی آواز پست رکھنا۔ بڑے ادب سے بولنا۔ تمہاری آواز ان کی آواز سے اونچی نہ ہو۔ خبردار! اگر تمہاری آواز ان کی آواز سے اونچی ہو گئی۔ تو تمہارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ یہ ادب حضورؐ کی زندگی تک ہی نہ تھا۔ بلکہ قیامت تک کے مسلمان اس ادب کے پابند ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے۔ کہ حضورؐ کی جتنی احادیث ہیں یہ آپ کی آواز میں ہی تو ہیں۔ جب آپ کی آواز۔ یعنی حدیث سنائی جائے۔ تو بڑے ادب سے آمنا و صدقنا کہنا چاہیئے۔ اگر کسی نے حضورؐ کی حدیث کے مقابلہ میں کسی امتی کا قول لے لیا۔ اور حدیث کو چھوڑ دیا۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ اس نے امتی یا امام کی آواز (قول) کو حضورؐ کی آواز (حدیث) سے اونچا کر دیا۔ تو ایسے بے ادب رسول کے تمام اعمال اکارت جائیں گے۔

پس — حدیثوں کے مقابلہ میں امتیوں، یا اماموں کے اقوال پر عمل کرنے، اور حدیثوں کو چھوڑنے والے — اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ کے تیر کا بے خطا نشانہ ہیں۔ حبط اعمال کی یہ سزا اس لئے ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کے ایلچی کی بے ادبی کی ہے۔ امام کی بات (قول) کے مقابلہ میں حضورؐ کی بات (حدیث) سے بے اعتنائی برتی

ہے۔ بلکہ حدیث پر قول کو ترجیح دی ہے۔ ؎

ڈگمگاتی ہے رہِ عشق میں ثابت قدمی
پاؤں انجام کے پڑنے لگے بہکے بہکے

حضورؐ کا نام لے کر نہ پکارو

پھر ایک اور ادب اللہ نے یہ سکھایا۔ کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کا اونچی آواز سے نام لے لے کر بلاتے ہو۔ اس طرح میرے ایلچی (کروڑوں درود و سلام ہو اللہ اِن ایلچی پر) کا نام لے کر زور زور سے نہ پکارو۔ بنی تمیم کے کچھ لوگ حضور پر نورؐ کو ملنے آئے ۔ آپ کو مسجد میں نہ پایا۔ تو آپ کے گھر (حجرۂ عائشہؓ) پسِ دیوار کھڑے ہو کر آپ کا زور زور سے نام لے کر بلانے لگے (یعنی یا محمدؐ یا محمدؐ کہہ کر پکارنے لگے)۔ اس پر اللہ نے مذکورہ آیت میں ادب سکھایا ۔

جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کا نام لے لے کر زور زور سے پکارتے ہو۔ ہمارے ایلچی ۔ ہمارے رسول کو اس طرح نام لے کر زور سے نہ بلانا۔ یعنی انہیں یا محمدؐ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کہہ کر آوازیں نہ دینا۔ ورنہ اس بے ادبی سے عمل حبط ہو جائیں گے۔

نوٹ :۔ جس طرح ضرورت کے وقت اپنی ولدیت بتاتے، یا لکھاتے وقت باپ کا نام لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح ضرورت کے وقت حضورؐ کا نام بھی لے سکتے ہیں۔ مثلاً کلمہ طیبہ میں عقیدے کا اظہار ہے ۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، اور حضرت محمدؐ اللہ کے

رسول ہیں ۔ یہاں آپ کا نام لیا گیا ہے ۔ کلمہ شہادت میں آپ کا نام لیا جائے گا ۔ کسی غیر مسلم کو مسلمان کرتے وقت اس سے اقرار کرانا ہوگا وہاں کلمہ پڑھانے میں آپ کا نام لیا جائے گا ۔ درود شریف پڑھتے وقت بار بار نام لیا جائے گا ۔ غرض ضرورت کے وقت نام لیں گے، اور وہ بھی بغیر درود شریف کے نہیں لیں گے ۔ جب کبھی زبان سے نام لیں ۔ یا آپ کا نام سن پائیں ۔ محمدؐ ۔ تو فوراً کہیں ۔ صلے اللہ علیہ وسلم ۔

افسوس ایک غالی فرقہ جو حضورؐ کے عشق کا دم بھرتا ہے ۔ انہوں نے مساجد پر یا محمدؐ ۔ یا محمدؐ لکھ رکھا ہے ۔ بلکہ منہ سے بھی کہتے ہیں ۔ ۔ اساں یا محمدؐ کہنا اے ۔ اساں یا محمدؐ کہنا اے ۔ یہ بے ادب لوگ ہیں ۔ اپنے باپ کا نام ادب سے نہیں لیتے ۔ لیکن حضورؐ کا نام ضرور لیتے ہیں ۔ حالانکہ اللہ نے بھی منع کر رکھا ہے ۔ کَمَا مَرَّ ۔

حضورؐ کے اور پیارے پیارے نام اور القاب ہیں ۔ ان سے آپ کا ذکر یا بیان کر سکتے ہیں ۔ مثلاً ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ۔

نبی صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ۔

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ۔

سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ۔

سید ولد آدم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ۔

شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

راہ نورد جادۂ اسریٰ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔

سیّد المرسلین صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔

حبیبِ خدا ۔ اشرفِ انبیاء ۔ شافعِ روزِ جزا صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔

ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہؓ میں سے کسی نے حضورؐ کو یا محمد کہہ کر نہیں بلایا۔ یا مسئلہ پوچھا۔ بڑے ادب سے۔ یا رسول اللہ کہہ کر مسئلہ پوچھتے یا بلاتے تھے۔ سارے قرآن میں کہیں یا محمدؐ نہیں آیا۔ محدثات کا ٹھرا پینے والے ادبِ خیر الورےٰؐ سے کوسوں دور ہیں۔

؎ گدایاں را ازیں معنے خبر نیست
کہ سلطانِ جہاں امروز با ماست

رسول اللہؐ کی بات حرفِ آخر ہے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥ (پ۵ ع۶)

"پس قسم ہے تیرے پروردگار کی۔ نہیں ایمان لائیں گے۔ یہاں تک کہ حاکم مانیں تجھے اس چیز میں کہ جھگڑا پڑے ان کے درمیان۔ پھر نہ پائیں اپنے جیوں میں تنگی اس چیز سے کہ حکم کرے تو۔ اور مان لیں جیسا ماننے کا حق ہے۔"

یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بات، حکم، فیصلے کی اہمیت بیان کی ہے۔ اور صاف فرمایا ہے۔ کہ اگر تم نے

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو سن کر، دل و جان سے، بطیبِ خاطر قبول نہ کیا۔ ارشادِ مصطفیٰ کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا حضورؐ کا فیصلہ، ارشاد، فرمان، حدیث سے تمہارا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ تمہاری جان ہیں جان نہ آئی۔ تو مجھے میری ذات کی قسم۔ تم ایمان دار نہیں ہو گے۔ تمہاری مسلمانی عبث اور بے سود ہوگی۔ یہ ہے رسالت کا مقام، اور اس کی اہمیت۔ اللہ کے ایلچی کی قدر و منزلت۔

پھر جن لوگوں نے دل کی تصدیق سے شہادت دی ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ان پر فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ قبولِ رسالت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں ان ذمہ داریوں میں سرِفہرست اطاعتِ رسولؐ ہے۔ کہ امتثالِ اوامرِ خداوندی میں حضورؐ کی فرماں برداری کریں۔ یعنی جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکام کو عملی شکل دی ہے، رسالت کو ماننے والے ہو بہو اسی طرح تعمیل کریں۔ دینی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ معیشی۔ معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں میں حضورِ انورؐ کے اقوال و افعال کی شمعیں جلائیں۔ اپنے نزاعوں۔ جھگڑوں۔ اور اختلافوں میں حضرت رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو اس طرح قبول کریں۔ کہ گویا ان کو یوسفِ گم گشتہ مل گیا ہے۔ نہیں! — بلکہ انہیں پروانۂ جنت ملا ہے۔

پھر جب تک رسالت پر ایمان رہے۔ نقشِ قدم پر قدم رہے۔ کہ ؎

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

حضرت عمرؓ کی شہادت رسالت

ایک یہودی اور ایک مسلمان (یعنی منافق مسلمان) کا آپس میں کسی بات پر تنازعہ ہوگیا۔ دونوں فیصلہ لینے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور انورؐ نے دونوں کا بیان سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ مسلمان، یہودی کو کہنے لگا۔ آؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چل کر فیصلہ لیں۔ یہودی نے کہا۔ ہوش کرو۔ تمہارے رسولؐ میرے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں۔ اب تم حضرت عمرؓ کے پاس جانا چاہتے ہو۔ حضرت عمرؓ تمہارے رسول کے مقابلہ میں کیا ہیں؟ مسلمان نہ مانا۔ اور یہودی کو حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا۔ جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو مسلمان نے کہا۔ اے عمرؓ! ہمارے درمیان فیصلہ کرو، اتنے میں یہودی بولا۔ کہ اے عمرؓ ہم تمہارے رسول پاک کے پاس گئے تھے انہوں نے ہم دونوں کا بیان سن کر فیصلہ میرے حق میں دے دیا ہے۔ لیکن یہ مسلمان ان کے فیصلہ پر رضا مند نہیں ہوا۔ اور مجھے آپ کے پاس لے آیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے مسلمان سے پوچھا۔ یہودی ٹھیک کہتا ہے۔ کیا تم دونوں حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں گئے تھے۔ اور انہوں نے فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا ہے؟ مسلمان نے کہا۔ جی ہاں۔ لیکن میں نے چاہا۔ کہ آپ سے بھی فیصلہ لیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اچھا ٹھیرو۔ میں تمہیں فیصلہ دیتا

ہوں۔ اٹھے، تلوار لے آئے۔ اور مسلمان کی گردن اڑا دی۔
اور فرمایا:۔

هٰذَا قَضَآءُ مَنْ لَّمْ يَرْضَ بِقَضَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (تفسیر معالم التنزیل)

"یہی فیصلہ ہے اس شخص کا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا"

پھر مقتول کے ورثاء نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور حضرت عمرؓ پر قتل کا استغاثہ کر دیا۔ جب دونوں فریق پیش ہوئے۔ تو جبرائیل علیہ السلام آیت ذیل لے کر آگئے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا ہے۔ اور رسول (کے فیصلہ) کی طرف۔ تو تم (ان) منافقوں کو دیکھتے ہو۔ کہ وہ تجھ سے رک رک رہتے ہیں" (پ۵ ع۶)

یعنی اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ تیرے فیصلہ کو جس نے قبول نہیں کیا۔ وہ اور اس کے ساتھی مسلمان نہیں ہیں، بلکہ منافق ہیں۔ اور یہ منافق تیرے فیصلہ سے رکتے، اور ہٹ رہتے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ حضورؐ کے فیصلہ، ارشاد، فرمان، اور حدیث کو چھوڑ کر کسی امتی کے قول کو لینے والا بقول قرآن مجید منافق ہے۔

اللہ تعالےٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روح پر بارش کے قطروں ، اور درختوں کے پتوں برابر اپنی بخششیں اور رحمتیں نازل کرے۔ کہ وہ قبولِ رسالت کی ذمہ داری سے بہ احسن وجوہ عہدہ برآ ہوئے۔ اور جس خلوص سے انہوں نے رسالت کی شہادت دی ہے۔ فضا اس شہادت سے تا نورِ نیّرِ اعظم گونجتی رہے گی۔ اسے کہتے ہیں۔ نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ ہم گواہی دیتے ہیں۔ کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

شاہِ امم کی رسالت کی کیا شان ہے۔ کہ نورِ رسالت سے حقائق و بصائر کی دنیا جگمگا اٹھی۔

ے

ایکہ صد طور است پیدا از نشانِ پائے تو
خاکِ یثرب را تجلّی گاہِ عرفاں کردہ

(اقبالؔ)

قرآن مجید کا رنگ و نور

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ

حمد و صلوٰۃ کے بعد یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات، اللہ کی کتاب ہے

ہر شام نور بیز و نوا ریز و لے نواز
ہر صبح گل فروش و ضیا پوش و مُشک بُو

اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش۔ اس کی وحدانیت، اور پیغمبر کائنات کی عبودیت و رسالت کی گواہی کے بعد، رسولِ انس و جنّ نے فرمایا۔

فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ۔ پس تحقیق تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے۔ یعنی سب باتوں، سب کلاموں سے بہتر اللہ کی بات، اللہ کا کلام۔ قرآن مجید ہے۔ بات اللہ کی بھی ہے اللہ کے رسول کی بھی ہے۔ اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اولیاء اللہ، علماء و ائمہ کی بھی بات ہے۔ شاعروں، منطقیوں، فلسفیوں،

ادیبوں۔ خطیبوں۔ بادشاہوں، داناؤں کی بھی اپنی اپنی بات ہے۔ پھر اللہ کی بات، اور اس کے رسولؐ کی بات کے سوا سب کی باتیں قابل قبول بھی ہوتی ہیں۔ اور قابل استرداد بھی۔ کیونکہ یہ سب لوگ معصوم عن الخطا نہیں ہیں۔ بھول چوک اور غلطی سے مبرّا نہیں۔ تو صرف اللہ کی بات، اور اس کے رسول برحق کی بات ہی حجت اور قابل قبول ہے۔ ہرگز ہرگز مسترد نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اللہ کی بات بوجہ اس کے خالق، عالم الغیب ہونے کے اتنی حق اور سچ ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر کسی کی بات بہتر نہیں ہو سکتی۔ اور بعد کلام اللہ، یعنی اللہ کی بات کے بعد، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بات اس لئے قابلِ قبول ہی ہے۔ اور حجت ہے۔ کہ حضورؐ معصوم عن الخطا ہیں۔ اللہ ان کی عصمت کا نگران اور ضامن ہے۔ تو حضورؐ کی بات۔ کلام اور حدیث، اللہ کی بات اور کلام کے بعد ہے۔ حدیثِ رسول کی حیثیت بہ مقابلہ باری تعالیٰ ثانوی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ سب باتوں، سب کلاموں سے بہتر بات، بہتر کلام قرآن مجید ہے۔ اس سے برتر، یا بہتر کوئی کلام، یا کسی کی بات نہیں ہو سکتی۔ یہی کلام ۔ قرآن مجید۔ اصلِ دین ہے۔ اسی خیرالحدیث سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ ہوں :-

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرفوعًا، یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ کہ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! ان سے محفوظ رہنے

کی کیا سبیل ہے؟ ۔ فرمایا۔ کہ کتاب اللہ یعنی قرآن کو مضبوط پکڑ لینا۔ اس میں تم سے اگلوں کے اخبار، اور تم سے پچھلوں کے انباء۔ اور تمہارے درمیان کا حکم ہے۔ یہ (قرآن) فصل ہے۔ ہزل نہیں۔ جو سرکش اس کو چھوڑے۔ اللہ اس کی پیٹھ توڑے گا۔ اور جس نے اس کے سوا کہیں سے ہدایت ڈھونڈی۔ اس کو اللہ تعالیٰ راہ راست سے دور فرمائے گا۔ یہی حبل المتین ہے۔ یہی ذکر حکیم ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اسی سے اہوا کج نہ ہوں گی۔ اور یہی ہے جس کے ساتھ زبانیں مشتبہ نہیں۔ اور نہ ہوں گی۔ اور یہی ہے۔ کہ جس کے ساتھ علماء سیر نہیں ہوتے۔ اور بار بار تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔ جس نے اس کے ساتھ قول کیا۔ وہ سچا رہا۔ اور جس نے اس کے ارشاد پر عمل کیا۔ ثواب پایا۔ اور جس نے اس کے موافق حکم دیا۔ انصاف کیا۔ اور جس نے اس کی دعوت مانی۔ اس نے راہِ راست پائی۔ (ترمذی۔ دارمی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین، اور ان کے درمیانی چیزوں سے سب سے زیادہ قرآن محبوب ہے۔ (دارمی)

حضرت ابن اوس رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کسی نے بستر پر جا کر سوتے وقت قرآن کی کوئی سورت پڑھی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ مؤکل فرماتا ہے۔ کہ کوئی موذی اس کے قریب نہیں ہونے پاتا۔

یہاں تک کہ وہ جاگے۔ جب جاگے۔ (ترمذی۔ احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس کے سینے میں قرآن ہے اس کے اندر نبوت مندرج کی گئی۔ سوائے اتنی بات کے کہ اس کو وحی نہیں کی جاتی۔ (رواہ الحاکم)

نوٹ:۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ بات افضالِ نبوت میں سے ہے۔ کہ یہ قرآن بذریعہ وحی رسول برحق حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل کیا گیا۔ اور یہی قرآن حافظ قرآن کے دل میں ہے۔ پس ظاہری صورت کے لحاظ سے حضورؐ نے تشبیہ فرمائی فرق صرف یہ ہوا۔ کہ انبیاء علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے ازل میں برگزیدہ فرمایا ہے۔ ان پر دنیا میں وحی بھیجی جاتی ہے۔ پس ان کے قلوب میں کتابِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ حافظ قرآن میں وحی نہیں ہے۔ مگر وہ چیز موجود ہے۔ جو بذریعہ وحی نازل ہوئی تھی۔ اس میں بڑی فضیلت ہے۔ کہ وحی سے نازل شدہ قرآن کا حافظ کے دل میں اندراج ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جائے۔ اس میں خیر کی کثرت ہوتی ہے۔ اور جس میں نہ پڑھا جائے۔ اس میں خیر کی قلت ہوتی ہے۔ (رواہ البزار)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تین شخص ایسے ہیں۔ کہ جن کو قیامت کے

فزع اکبر کا ہول نہ ہوگا۔ اور نہ وہ حساب میں روکے جائیں گے۔ بلکہ وہ مشک کے چبوترے پر ہوں گے۔ یہاں تک کہ خلائق حساب سے فارغ ہو۔ ان تینوں میں سے ایک وہ شخص ہے۔ کہ جس نے خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے قرآن پڑھا۔ اور اس کے ساتھ ایک قوم کی امامت کی۔ کہ وہ لوگ اس سے راضی رہے۔ (رواہ الطبرانی)

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن ایسی تونگری (غنا) ہے۔ کہ اس کے بعد محتاجی نہیں ہے۔ اور بغیر قرآن کے تونگری ہیچ ہے۔ (ابویعلی۔ طبرانی)

حضرت عقبہ بن عامر رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کسی کھال میں قرآن ہو۔ تو اسے آگ نہیں کھائے گی۔ (رواہ احمد)

حضرت انس رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس نے قرآن پڑھا۔ کہ اس کے ساتھ اوقات شب و روز قیام کرتا ہے۔ اس کے حلال کو حلال، اور حرام کو حرام رکھتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اس کے خون اور گوشت کو آگ پر حرام فرمائیگا۔ اور اس کو سفرۃ الکرام البرر کا ساتھی فرمائے گا۔ حتےٰ کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو قرآن اس کیلئے حجت ہوگا۔ (رواہ الطبرانی)

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم میں سے کوئی آدمی بھلا یہ آرزو کرتا ہے کہ جب اپنے گھر آئے۔ تو وہاں تین بچہ ناقہ توانا فربہ پائے۔ (عربوں کو اونٹ بڑے پیارے تھے۔ اور ان کے لئے اس وقت نعمت

غیر مترقبہ تھی)، ہم نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ پس ارشاد فرمایا۔ کہ تم میں سے جو کوئی کسی نماز میں تین آیات قرآنی پڑھے۔ تو یہ اس کے واسطے تین بچہ ناقہ توانا فربہ سے بہتر ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ خیر الحدیث کتاب اللہ ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت معاذ بن انس رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس نے فی سبیل اللہ قرآن کی تلاوت کی۔ تو وہ صدیقین و شہداء و صالحین میں لکھا جائے گا۔ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رض روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اپنے فرزند کو قرآن پڑھایا۔ وہ ضرور قیامت کے روز جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔ (رواہ الطبرانی)

حضرت معاذ بن انس رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس شخص نے قرآن پڑھا۔ اور اس کو کامل حاصل کیا۔ (یعنی مع معنی و تفسیر سمجھ لیا) اور اس کے موافق عمل کیا۔ تو اس کے باپ کو قیامت کے روز ایک تاج مکرمت پہنایا جائے گا۔ کہ اگر وہ (یعنی تاج) دنیا میں ہوتا۔ تو اس کی روشنی بہ نسبت نور آفتاب کے جو گھروں میں ہے۔ بہتر ہوتی۔ پس خود اس شخص کے مرتبہ کی نسبت تمہارا کیا گمان ہے۔ جس نے اس پر عمل کیا۔

(رواہ ابوداؤد و احمد)

نوٹ :- دنیا میں جیسے آفتاب کی روشنی گھروں میں بے مثل

چمکتی ہے۔ وہ نور تاج اس روشنی سے زیادہ منور و بہتر ہوگا۔ اور پھر یہ نور آفتاب ہرچند بے نظیر ہے کہ کسی ترکیب سے یہ خوبی میسر نہیں آتی ہے۔ پھر بھی اس میں ایک طرح کی تمازت ہے۔ اور تاج مذکور کے نور میں سراسر نور اور سکون ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے قرآن پڑھا۔ اور نہ دل سے۔ استظہار کیا۔ پس اس کے حلال کو حلال۔ اور حرام کو حرام رکھا۔ تو اللہ تعالےٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کی شفاعت اس کے خاندان کے ایسے دس آدمیوں کے حق میں قبول فرمائے گا۔ کہ جن کے سب کے حق میں آگ مستحق ہو چکی تھی۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

نوٹ:۔ یہ قیامت کو پتہ چلے گا۔ کہ وہ کون حافظ یا قاری قرآن ہے۔ جس کو دس آدمیوں کی شفاعت کی اجازت ملے گی۔ یہاں کوئی حافظ یا قاری نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ ضرور دس آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ کیونکہ حافظ قرآن، یا قاری کو عمل بالقرآن کا مجسمہ، بلکہ عمل کے لحاظ سے فنا فی القرآن ہونا چاہیئے۔ پھر تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ بھی ہو۔ اکل حلال، صدق مقال کی پابندی بھی کی ہو۔ ایسے حامل قرآن کی عزت اور بزرگی کے اظہار کے لئے اللہ اسے بے شک دس آدمیوں کی شفاعت کی اجازت دے گا۔

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کتاب الٰہی کی ایک آیت سیکھی۔ تو یہ بھی قیامت کے روز اس کے روبرو ہنستی ہوئی سامنے آئے گی۔

(رواہ الطبرانی)

نوٹ:۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ آیت کیا ہنستی ہوئی سامنے آئیگی یہ تو رحمتِ پروردگار دست گیری کرے گی۔ یاس اور اضطراب کے عالم میں اس پر رحمت کے پھول برسیں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو قرآن سے ماہر ہے وہ ملائکہ سافرہ کرام البررہ کے ہمراہ ہے۔ اور جو قرآن پڑھتا، اور اس میں تتبع کرتا ہے۔ حالانکہ اس پر دشوار ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے دو ثواب ہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے قرآن جمع کیا۔ (یعنی قرآن کے ظاہر شرعی احکام اور تفسیر کا علم حاصل کیا۔ اور تا موت اس پر عمل کیا۔ تو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کے لئے ایک دعائے مستجاب ہے۔ چاہے دنیا میں اس کو جلد لے لے۔ اور چاہے اس کو آخرت کے لئے ذخیرہ رکھے۔ (رواہ الطبرانی)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو مومن قرآن پڑھتا ہے۔ اس کی مثل مانند ترنج کے ہے۔ کہ مزہ خوشگوار اور خوشبو خوشگوار ہے۔ اور جو مومن کہ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا۔ اس کی مثل مانند چھوہارے

کے ہے۔ کہ اس کا مزہ خوشگوار ہے۔ مگر خوشبو نہیں مہکتی۔ اور جو فاجر قرآن پڑھتا ہے۔ اس کی مثل مانند ریحانہ (نازبو) کے ہے کہ اس کی خوشبو مہکتی اور مزہ تلخ ہے۔ اور جو فاجر قرآن کی تلاوت نہیں کرتا۔ اس کی مثل مانند حنظل (اندرائن) کے ہے۔ کہ مزا تلخ، اور خوشبو ندارد ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ تم میں افضل وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھلایا۔ (رواہ البخاری)

اور کلام اللہ کی فضیلت کل کلاموں پر ایسی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت اپنی خلق پر۔ (رواہ البیہقی)

نوٹ :۔ اللہ تعالیٰ تو کمال الکل ہے۔ اور مخلوق کو شانِ باری تعالےٰ سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ اسی طرح کسی کلام کو قرآن پاک سے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس کے جوف میں قرآن سے کچھ نہیں تو وہ خرابہ کھنڈر کی مثل ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوذر رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر تو نے صبح جاکر قرآن پاک سے ایک آیت سیکھی تو وہ سو رکعات نماز (نافلہ) پڑھنے سے تیرے لئے بہتر ہے۔

(رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے

اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ جس نے کتاب الٰہی کا علم حاصل کر کے اس کی پیروی کی۔ تو اللہ تعالے اس کو گمراہی سے ہدایت پر لائے گا اور قیامت کے روز اس کو حساب کی برائی سے بچائے گا۔

(رواہ الطبرانی)

حضرت ابو شریح خزاعی رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ یہ قرآن پاک ایک حبل متین ہے جس کا ایک کنارہ حق عز و جل کے قبضہ پاک میں ہے۔ اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ پس اس کو مضبوط پکڑ لو۔ پھر تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یا فرمایا۔ پھر تم کبھی برباد نہ ہو گے۔ (ابن ابی شیبہ)

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ حاملانِ قرآن اس دن سایۂ الٰہی عز و جلّ میں ہیں جس دن سوائے اس کے سایۂ کے کہیں سایہ نہ ہوگا۔ (رواہ الدیلمی)

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے روز صاحب القرآن آئے گا۔ پس قرآن جناب الٰہی عز و جلّ میں عرض کرے گا۔ کہ اے رب! اس کو آرائش دے۔ پس اللہ تعالے اس کو تاج کرامت پہنائے گا۔ پھر عرض کرے گا۔ کہ اے رب! اس کو مزید عنایت سے سرفراز کر اس کو رضوان عطا کر۔ پس اللہ تعالے اس سے راضی ہوگا۔ اور صاحب القرآن کو حکم ہوگا۔ کہ تو تلاوت کرتا اور چڑھتا جا۔ اور ہر آیت کے شمار سے اس کو حسنات عطا ہوں گے۔ (رواہ الحاکم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ روزہ اور قرآن دونوں بندہ کیلئے شفاعت کریں گے۔ (رواہ الحاکم)

حضرت ابو امامہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم لوگ قرآن پڑھا کرو۔ کہ وہ قیامت میں اپنے لوگوں کے لئے شفیع ہوگا۔ (رواہ مسلم)

نوٹ:۔ یاد رکھیں۔ کہ قرأتِ قرآن پاک ایک کرامت خاصہ اہل ایمان ہے۔ حتیٰ کہ یہ ملائکہ کو عطا نہیں ہوتی۔ اور ملائکہ امیدوار ہیں۔ کہ آدمیوں سے قرآن سنیں۔ قرآن میں ہے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ یعنی نماز فجر کی قرأت میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ پس ان کا حاضر ہونا اسی جہت سے ہے۔ کہ اہلِ ایمان کی قرأتِ قرآن سنیں۔ مسلمانو! اس زندگی میں قرآن کی قدر کرو۔ اسے سیکھو پھر ترجمہ سیکھو۔ اور ہر روز اس کی تلاوت کیا کرو۔ دیکھو ملائکہ قرأتِ تلاوت کی کرامت سے محروم ہیں۔ وہ تمہارا قرآن سننے کے لئے تمہاری مجالس میں حاضر ہوتے ہیں۔ قرآن کے پڑھنے اور سننے سے محروم لوگ قیامت کو کفِ افسوس ملیں گے۔ لیکن وہاں افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری رضہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ فرماتا ہے۔ (حدیث قدسی ہے)۔ کہ جس شخص کو قرآن کی تلاوت نے میرے ذکر و دعا سے باز رکھا۔ (یعنی کثرت تلاوت قرآن کے باعث دوسرے اذکار و وظائف اور دعا سے رکا رہا)، میں اس کو دعا مانگنے والوں سے افضل عطا کروں گا۔

اور کلام اللہ کی بزرگی جملہ کلاموں پر ایسی ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ کی بزرگی تمام خلق پر۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم لوگ قرآن کا علم حاصل کرو۔ اور اس کی تلاوت کرو۔ کیونکہ قرآن مجید کی مثال اس شخص کے حق میں جس نے اس کو حاصل کر کے تلاوت و قیام کیا، ایسے ہے جیسے ظرف مشک سے بھرا ہوا ہے۔ کہ اس کی پاکیزہ خوشبوئیں ہر طرف مہکتی ہیں۔ اور اس شخص کی مثل جس نے قرآن کو حاصل کیا۔ مگر سوتا رہا۔ (یعنی تلاوت اور قیام نہ کیا۔) ایسی ہے۔ جیسے ظرف مشک سے بھرا ہوا ہے۔ جس کے دہن پر بندش کی گئی ہے۔

(رواہ الترمذی و النسائیؒ)

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اے گروہِ اسلام! تم کیونکر یہود اور نصاریٰ سے پوچھتے ہو۔ حالانکہ تمہاری کتاب جو تمہارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ وہ تر و تازہ ہے۔ کہ تم اس کو تلاوت کرتے ہو۔ حالانکہ وہ خالص ہے۔ جس میں کچھ غلط کا نام نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے تم کو اہل کتاب سے آگاہ کر دیا۔ کہ انہوں نے اپنی کتاب کو تبدیل و متغیر کر دیا۔ اور اپنے ہاتھوں لکھ کر کہا۔ کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ بھلا جو ہمارے پاس خالص ہے۔ یہ تم کو ان لوگوں سے پوچھنے سے مانع نہیں ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ نہیں مجتمع ہوتی کوئی قوم، کسی بیت الہٰی میں کہ کتاب الہٰی عز و جلّ کی تلاوت کرتے اور باہم درس دیتے ہیں مگر آنکہ ان پر سکنیت کا نزول ہوتا ہے۔ اور رحمت انکو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور ملائکہ ان کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ان کو یاد فرماتا ہے اپنے قرب والوں میں۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عقبہ بن عامر رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ تم میں سے کون شخص ہے۔ کہ وہ اس امرکو پسند کرے۔ کہ ہر روز بطحان یا عقیق (جگہ کے نام ہیں) کو جاکر وہ ناقہ بزرگ کوہان بغیر گناہ و قطع رحم کے لایا کرے۔ ہم نے عرض کیا۔ کہ ہم سبھی اس امرکو دل سے پسند کرتے ہیں۔ پس فرمایا۔ پھر کیوں نہیں تم میں سے ہر کوئی صبح کو مسجد میں جا کر کتاب اللہ عز و جل سے دو آیتیں سیکھتا یا پڑھتا ہے۔ کہ وہ اس کے لئے دو ناقہ بزرگ کوہان سے بہتر، اور تین آیات ایسی تین ناقہ سے۔ اور چار آیات ایسی چار ناقہ سے بھی بہتر ہیں۔ (رواہ مسلم وابوداؤد)

نوٹ:۔ بڑے کوہان والی اونٹنی عربوں کے نزدیک بڑی محبوب اور نعمت غیر مترقبہ تھی۔ جس طرح آج کل کسی کے گیراج میں نوّے ہزار کی کار (CAR) ہو۔ تو یہ اس کے لئے بڑا اعزاز ہے۔ ایسے ہی اس زمانہ میں اونٹنی ان کے لئے بڑے فخر و مباہات کا نشان تھی۔ تو حضورؐ نے مثال دے کر فرمایا۔ کہ اگر تم ہر روز بطحان یا عقیق جاؤ۔ اور تم کو روز دو اونٹنیاں بڑے کوہان والی بغیر چوری

اور ظلم کے۔ بالکل جائز طور پر مل جایا کریں۔ تو تم پسند کرتے ہو؟ سب نے پسند کیا۔ بھلا مفت کی اونٹنیاں کون چھوڑتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر صبح تم مسجد میں جا کر دو آیتیں قرآن کی سیکھ لو۔ یا پڑھ لو۔ تو یہ دو آیتیں دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔

مادہ پرست انسان

اگر کوئی شخص کہے کہ اونٹنی تو بار برداری کے کام آتی ہے۔ اور دودھ بھی پینے کو دیتی ہے۔ لیکن قرآن کی دو آیتیں (معاذ اللہ) کیا فائدہ دیتی ہیں۔ اونٹنی کی طرح کا ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر اونٹنی سے کس طرح قرآنی آیت بہتر ہوئی؟

مادی دنیا کے اس مادہ پرست انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ فانی دنیا کے فانی فائدوں کو ہی دیکھتا ہے۔ اور ہر بات میں نقدہ کا قائل ہے۔ اونٹنی بھی فانی، اور اس کا فائدہ بھی چند روزہ۔ اور خود انسان بھی موت کا منتظر ہے۔ لیکن قرآن کی آیتیں جنہیں وہ سیکھ کر عمل کرے گا۔ یہ عمل اس کی روحانی دنیا کو روشن کر دے گا۔ اس کی روح کو چمکائے گا۔ اور ایمان میں جلا پیدا کرے گا۔ اور یہ چمک، اور روح کی جلا اس کی قبر کو منور کرے گی۔ حشر میں اس پر سایہ فگن ہوگی۔ اور اللہ کے حضور زندگی کا حساب چکانے وقت اللہ سے سفارش کرے گی۔ پل صراط کی اندھیری راہ کو روشن کرے گی۔ اور انجام کار اس کو جنت تک پہنچا دے گی۔ بتائیے۔ اونٹنی سے آیت کا سیکھنا بہتر نہ ہوا؟ جب کہ اونٹنی کے فائدے صرف فانی دنیا تک ہی محدود تھے۔ اسی طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اور

دیگر تمام اوامر الٰہی کا امتثال۔ آخرت کی فلاح و بہبود اور نجات کے لئے ہے۔ اگر کوئی کہے۔ کہ نماز کا سلام پھیرتے ہی دس روپیہ کا نوٹ کیوں نہیں مل جاتا۔ اور افطار روزہ پر مال کی ریل پیل کیوں نہیں ہوجاتی وغیرہ۔ تو یہ دنیا کا بینا، اور آخرت کا اندھا شخص ہے، اس کا حدیدِ فکر مادیات کے مقناطیس کی زد میں ہے۔

تمام اعمالِ خیر کی جزا کا وعدہ اللہ نے دیا ہے اور وہ وعدہ آخرت پر موقوف ہے۔ جس شخص کو اللہ کے وعدہ، قرآن کے وعدہ، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بات پر اعتماد اور یقین نہیں ہے اس کا اسلام کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ایسے شخص کا نظریہ دنیا کمانا۔ دنیا میں داد عیش دینا۔ اور آرائش دنیا پر مرمٹنا ہے۔ دنیا کے بناؤ اور سنگار کو سامانِ طرب سمجھنے والے۔ ؎

اسبابِ تموّل زنجیریں، ایوانِ حکومت زنداں ہے
دلچسپ جسے تو سمجھا ہے، وحشت کا وہ سازوساماں ہے
سکوّں کی چمک پہ مرتا ہے، دولت کے لئے سرگرداں ہے
تو رازِ فنا معلوم تو کر، دنیا کے لئے کیوں حیراں ہے

اس شے سے تعلق ہی کیسا، جو چیز کہ جانے والی ہے
سامانِ تعیش جمع کئے جا، موت بھی آنے والی ہے

آراستہ ہو کر جلووں سے، جب سامنے دنیا آتی ہے
راحت کے ترانے گاتی ہے، دولت کی چمک دکھلاتی ہے
جب آنکھ پہ قبضہ کرتی ہے، سینہ میں ہوس بھڑکاتی ہے
ایمان ویقین کی شمع درخشاں، بن کے دھواں اڑجاتی ہے

ملنا ہی نہیں ہے جسم سے پھر جب عضو کوئی کٹ جاتا ہے
بس یونہی ہوس کے بندے کا معبود سے دل ہٹ جاتا ہے

(جوشؔ)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کتاب الہٰی میں سے کوئی حرف پڑھا۔ اس کے واسطے حسنہ ہے، اور حسنہ دس گونہ ہے۔ میں نہیں کہتا۔ کہ الٓمٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ کہتا ہوں کہ الف حرف، لام حرف، اور میم حرف ہے۔ (ترمذی) — پس الٓمٓ کی تلاوت سے تیس نیکیاں حاصل ہوتیں۔

حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی کی طرف ایسی نظر رحمت نہیں فرماتا۔ جیسے خوش آواز سے قرآن پڑھنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ (قیامت کے روز) صاحب قرآن کو اللہ تعالیٰ ترحم سے ارشاد فرمائے گا۔ کہ تلاوت شروع کر اور درجاتِ منزلت پر چڑھتا جا۔ اور اسی ترتیل سے پڑھ، جیسے تو دنیا میں تلاوت کرتا تھا۔ کہ تیرا درجہ عالی تیری تلاوت کی آخری آیت پر ہے۔ (بخاری شریف)

پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے سچ فرمایا۔ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ۔ کہ تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے۔ بے شک اس سے بہتر بات، بہتر کلام، کسی کا نہیں ہو سکتا۔

خود خدا تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا :-

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ ۔ (پ۲۳ ع ۱۷)

" اللہ نے اتاری ہے بہتر بات ۔"

اللہ نے قرآن مجید کو اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡث فرمایا ہے۔ اور حضورؐ نے اسے خَیۡرَ الۡحَدِیۡث کہا ہے۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ جتنا فرق اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے۔ اتنا ہی فرق اللہ کے کلام اور بندوں کے کلام میں ہے۔ جس طرح مخلوق کو خالق سے کوئی نسبت نہیں۔ اسی طرح مخلوق کی بات کو اللہ کی بات سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ نہ اس ذات لم یلد و لم یولد کی مثل ہے۔ نہ اس کے کلام کی مثل ہے۔ قرآن تمام انواع کلام میں اعجاز فصیح و بلیغ ہے۔ لیکن اشعار نہیں۔ نہ خطبہ ہے۔ بلکہ جمیع کلام میں سے کسی بندے کا کلام اس کے مشابہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ لاکھوں فصحاء اور بلغاء طرح طرح کی کوششوں سے اپنا کلام بنا کر لائے۔ تاکہ کلام الٰہی سے مناسبت پیدا کریں۔ لیکن ہرگز ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔ اور معانی کی راہ سے بھی احسن الحدیث بے مثل ہے۔ کیونکہ نہ اس میں تناقض ہے نہ اختلاف ہے۔

قرآن مجید ایک دستور، اور قانون ہے۔ جس پر قوموں کے عروج و عظمت اور نظم و اتحاد کے قلعے تعمیر ہوتے ہیں' یہ ایک صراطِ مستقیم ہے۔ جس کا ایک سرا دنیا میں، اور دوسرا جنت الفردوس میں ہے۔ جو اس راہ پر چلا۔ وہ یقیناً منزل مقصود کو

پہنچ گیا۔

احسن الحدیث، وہ وحی جلی ہے۔ جو ازلی اور ابدی ہدایت ہے۔ وہ نور ہے۔ جس سے باطل کا اندھیرا بالکل مٹ جاتا ہے۔ یہ وہ خیر الحدیث ہے۔ جس کے پڑھنے اور سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ بدن کی کھال نرم پڑتی۔ اور دل پگھلنے لگتے ہیں۔ قاری اور سامع اپنے رب متعال کی بے انتہا رحمت دیکھتے ہیں۔ اس کی محبت سے بھر جاتے ہیں۔ اور تلاوتِ آیات سے ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں۔ خوف اور امید کے ساتھ مودب طور پر سجدے میں گر جاتے اور روتے ہیں۔

ع

یہی دُردِ جامِ حیات ہے، یہی زندگی کا زلال ہے

شاہراہِ سُنّتِ مُصطفٰے

وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صلے اللہ علیہ وسلم

"اور تمام راستوں سے بہتر راستہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ہے"

روشن ہے شمع علم خدا کے کلام میں
نورِ عمل ہے اسوۂ خیر الانام میں

سرورِ کائنات کا راستہ

کتاب اللہ المجید، خیر الحدیث، اور احسن الکلام ہے۔ یہ قانون، اصول، اور اساس دین ہے۔ تمام کتب سماوی کا لب لباب، اور نچوڑ ہے۔ اسی پر عمل کرنا موجب نجات ہے۔ اسی کے اوامر درخورِ امتثال، اور نواہی سے اجتناب از بس لابدی ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کتاب ھدیٰ پر عمل کس طرح کیا جائے۔ مثلاً ارشادِ خداوندی ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ــــ "نماز قائم کرو"

یہ حکم ہے۔ فرض ہے۔ قرآن نے یہ حکم دے کر نماز قائم کرنے کا طریقہ نہیں بتایا۔ اسی طرح دیگر ارکان و فرائض کا حکم تو دیا ہے۔لیکن عمل کرنے کی صورت نہیں بتائی۔ اس لئے کہ جس ذاتِ اقدس پر بذریعہ وحی اللہ تعالےٰ نے یہ احسن الحدیث اتاری ہے۔ اس پر عمل کرنے کا طریقہ اسی ذاتِ اقدس سے سیکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (پ۲۸ ع۴)

"اور جو کچھ دے تم کو (اپنے قول و فعل سے) رسولؐ پس لے لو اس کو۔ اور جس چیز سے منع کرے تم کو، پس باز رہو۔ اور ڈرو اللہ سے۔ تحقیق اللہ (مخالفتِ رسول کو) سخت عذاب کرنے والا ہے۔"

نیز فرمایا :۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (پ۵ ع۸)

"جو کوئی اطاعت کرے رسول کی۔ پس اس نے اطاعت کی اللہ کی۔"

فرائض کی بجا آوری اتباعِ رسولؐ پر موقوف ہے۔

پس اطاعتِ رسول۔ اتباعِ رسولؐ۔ پیروی رسولؐ، ہی اللہ کی اطاعت اور حکم برداری ہے۔ اللہ تعالےٰ کے تمام فرائض و احکام بجا لانے کے لئے سنتِ رسولؐ پر عمل ضروری ہے۔ کوئی شخص سنت اور حدیث کی

پیروی کے بغیر اللہ کے کسی حکم پر عمل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر حکم خداوندی کی عملی صورت حضورؐ ہی کے قول و فعل سے ملتی ہے۔ شلاً نماز قائم کرو۔ یہ حکم دے کر قرآن خاموش ہے۔ کہ کس طرح نماز قائم کی جائے۔ ہاں قرآن نے یہ بتا دیا ہے۔ کہ نماز قائم کرنے کا طریقہ، رسولِ رحمت سے لے لو۔ چنانچہ نماز قائم کرنے کا مکمل طریقہ جس پر تمام امت قائم ہے۔ حدیث شریف میں موجود ہے۔ اب جو شخص حضورؐ کے بتائے، اور کر کے دکھائے ہوئے طریقے کے مطابق نماز پڑھے گا۔ اس کی نماز قبول ہو گی۔ جیسا کہ حضور انورؐ نے خود فرمایا ہے۔ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔ "پڑھو نماز جس طرح دیکھتے ہو تم کہ میں نماز پڑھتا ہوں" یعنی ہو بہو میری طرح، میرے طریقے پر نماز پڑھو۔ تو تمام قرآن پر عمل کرنے کے لئے طریقہ، قاعدہ، اور راستہ صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی لازمی ہے۔ سنت کی سند کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہو گا۔ کسی بھی قرآنی حکم کی غیر مسنون تعمیل یقیناً مردود ہے۔ تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عین درست، اور موافقِ قرآن مجید ہے کہ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ۔ "تمام راستوں سے بہتر راستہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔"

مطلب یہ ہے۔ کہ دینِ اسلام جو آسمان سے اترا ہے، ایک حقیقت ہے۔ اور اصل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ (پ۳ ع-۱)

"بلا شبہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

پس دین، اسلام ہے۔ اب اس دینِ اسلام پر عمل بھی کرنا ہے اور عمل کے لئے طریقہ یا راستہ چاہئے۔ تو یہ راستہ حضورؐ کی سنت، اور حدیث ہے۔ راستے کو مذہب کہتے ہیں۔ تو مسلمان کا دین اسلام ہوا۔ اور مذہب (راستہ) حدیث ہے۔ جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے:-

اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ ۔ (عقد الجید)

"صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔"

یعنی دینِ اسلام پر چلنے کا راستہ (مذہب) حدیث ہے۔

ظالم کفِ افسوس ملے گا

پھر خوب یاد رکھیں۔ کہ قرآنی احکام کی تعمیل کے لئے بہتر سے بہتر راستہ صرف حضورؐ ہی کا راستہ ہے۔ آپ کے راستے کے سوا، اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

جن لوگوں نے دنیا میں راہِ رسولؐ کو چھوڑ کر اور راہیں اختیار کی ہیں۔ قیامت کو وہ کفِ افسوس ملیں گے۔ ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائیں گے۔ لیکن اس وقت افسوس کرنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ۝ یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ۝ (پ ۱۹ ع ۱)

"اور جس دن ظالم اپنے دونوں ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھاتے گا کہے گا۔ اے کاش میں پکڑتا ساتھ رسولؐ کے راستہ اے وائے

ہے مجھ کو۔ کاش کہ نہ پکڑتا میں فلانے کو دوست"

نوٹ:۔ حشر کے دن ظالم واویلا کرے گا۔ کون ظالم؟ —— جس نے دنیا میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و سلم کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ ظالم کفِ افسوس ملے گا۔ اور کہے گا۔ کاش دنیا میں۔ میں نے رسولؐ خدا کا راستہ پکڑا ہوتا۔ تو آج میں عرصہ محشر میں رسوا اور ذلیل نہ ہوتا۔ فلاں۔ فلاں کے کہنے پر۔ فلاں۔ فلاں کے قول پر عمل کرنے سے میرے تمام اعمال ہی برباد ہو گئے ہیں۔ آج مجھے راہِ رسولؐ چھوڑ کر دوسروں کی راہوں پر چلنے کی سزا ملی ہے۔ ہائے میں ظالم ہوں۔ میں نے راستہ رسول چھوڑ کر اپنی جان پر ظلم کیا۔ آج محشر میں میرا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ یٰوَیۡلَتٰی —" اے وائے ہے مجھ کو" آہ میری کم بختی! میری قسمت پھوٹ گئی! لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا —" کاش کہ نہ پکڑتا میں فلانے کو دوست" حشر میں اس دوست کا نام لے کر کہے گا۔ کاش میں نے اسے دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے کہنے یا اس کے راستے پر عمل نہ کیا ہوتا۔ اس دوست کا راستہ مجھ کو لے ڈوبا ہے۔ اس کے راستے نے میری عاقبت برباد کر دی ہے۔ آج میرا کوئی ساتھی۔ سنگی۔ دوست اور یار نہیں ہے ہائے۔ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ و سلم کا راستہ کیوں نہ اختیار کیا۔

رسولؐ اللہ کی ذات اُسوۂ حسنہ ہے۔

قارئینِ کرام غور فرمائیں۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و سلم کا راستہ چھوڑنے والا حشر کے روز کتنا پچھتائے گا۔ اور دونوں ہاتھ

کاٹ کاٹ کر کھائے گا۔ اور راہِ رسول کو یاد کرے گا۔ پس ہر مسلمان کو لازم ہے۔ کہ دنیا میں دین اسلام پر عمل کرنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کا راستہ پکڑے۔ کیونکہ حضورؐ کے طریقے، اور راستے کے سوا نجاتِ آخرت کے لئے ہرگز ہرگز کوئی راستہ نہیں ہے ہر شخص کو فرقے بندی کی راہیں ترک کر کے صرف سنت اور حدیث کی راہ اختیار کر لینی چاہیئے۔ ابھی وقت ہے۔ اسے ہرگز نہ گنوائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۞ (پ۲۱ ع ۱۹)

"البتہ تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ و سلم کی ذات) میں اچھی پیروی ہے۔ اس شخص کے لئے جو اللہ کی (ملاقات کی) اور یوم آخر کی امید رکھتا ہے۔ اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے"

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے نہایت وضاحت سے فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو کوئی تم میں سے اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے۔ (اور کون مسلمان ہے۔ جو اللہ سے ملنے کی امید نہیں رکھتا) اور آخرت پر بھی اس کا ایمان ہے۔ اسے چاہیئے۔ کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کی پیروی کرے۔ راہ رسول اختیار کرے۔ حضورؐ کے راستے پر چلے۔ صرف سنت اور حدیث پر عمل کرے۔ حضورؐ کے قول اور فعل کو مشعلِ راہ بنائے۔ اپنے تمام اعمال کو حضرت ختمی

مرتبت ؐ کے نمونہ کے مطابق ڈھالے۔ ہو بہو نقل مطابق اصل ہو۔

پھر جو شخص حضرت رسول خیرالوریٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے اپنے فرقے کی راہ پر گامزن ہے۔ کیا وہ اللہ کی ملاقات کا امیدوار ہے؟ وہ یوم آخر کا آرزو مند ہے؟ جب کہ خدا تعالےٰ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اچھی پیروی۔ اچھا نمونہ، اس شخص کے لئے بتایا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کا امیدوار اور یوم آخر کا تمنائی ہے۔

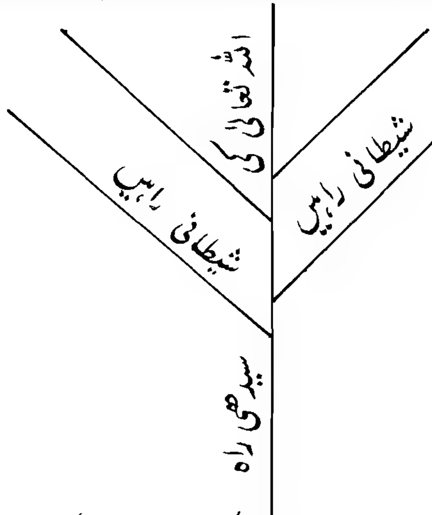
راہِ رسولؐ کی نشاندہی

حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ کا بیان ہے۔ کہ ایک روز ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (حضورؐ نے زمین پر) ایک سیدھا خط کھینچا۔ پھر اس کے داہنے۔ بائیں دو دو خط کھینچے۔ اور (درمیانی خط پر ہاتھ مبارک رکھ کر) یہ آیت پڑھی۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ط (پ۸ ع ۶)

"اور یہ کہ۔ یہ میری سیدھی راہ ہے۔ (یعنی متابعت پیغمبروں کی) پس پیروی کرو اس (راہ) کی، اور مت پیروی کرو اور راہوں کی۔ پس متفرق کر دیں گی تم کو اُس کی راہ سے۔" (ابن ماجہ)

حضورؐ نے اس طرح لکیریں کھینچیں:۔



یعنی حضور انورؐ نے درمیانی سیدھی لکیر پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا۔ یہ ہے اللہ کی راہ، یعنی اللہ کے پاس پہنچانے والی راہ۔ صراطِ مستقیم۔ صحابہؓ نے نشاندہی چاہی، تو فرمایا۔ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ "جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ" یعنی جس راستے پر میں چل رہا ہوں اور میرے پیچھے پیچھے میرے صحابہؓ چل رہے ہیں۔

یہ ہے سیدھا راستہ۔ جنّت کا راستہ۔ حضور پُر نورؐ کا راستہ سنت کا آفتاب اور حدیث کا ماہتاب ۔ پس ہر مسلمان کو راہِ رسولؐ ہی اختیار کرنی چاہیئے۔ صرف حدیث اور سنت پر ہی عمل کرنا چاہیئے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل بہتّر (۷۲) گروہوں پر متفرق ہوگئے اور میری امّت کے تہتّر (۷۳) گروہ ہو جائیں گے۔ ان میں سے ایک گروہ نجات پانیوالا

ہوگا۔ صحابہؓ نے پوچھا۔ مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ وہ گروہ کون سا ہوگا اے اللہ کے رسولؐ ؟ ۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب! ۔ اور ایک روایت احمد اور ابوداؤد میں حضرت معاویہ سے آئی ہے جس پر حضورؐ نے نجات پانے والے گروہ سے متعلق فرمایا۔ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ۔ اور وہ گروہ جماعت ہے۔

پس مبارک اور بشارت ہو اُس جماعت کو جو فرقہ بندی سے مالا مال ہوکر صرف قرآن اور حدیث پر عامل ہو ۔ جو فقط حضورؐ کی شاہراہِ سنت پر صحابہؓ کی مانند گامزن ہے۔ جس کا اوڑھنا بچھونا مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ۔ ہے جیسے قال اللہ اور قال الرسول کے سوا ۔ کوئی مخالف آواز سنائی نہیں دیتی جو وحیٔ جلی اور وحیٔ خفی کی عطر بیزلوں پر فدا ہے۔ ؏

گیسو سے مہک رہا ہے سارا آنگن

ٹیڑھی اور ترچھی راہیں

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدھی لکیر کے داہنے اور بائیں جو ترچھی لکیریں کھینچیں۔ یہ لکیریں شیطانی راہیں ہیں۔ ہر راہ پر شیطان بیٹھے ہیں۔ جو صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو دھوکے فریب سے اپنی طرف بلاتے ہیں۔ اور شرک اور بدعت پر نیکی کا لیبل لگا کر راہروؤں کو دکھاتے اور اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ دراصل یہ شیطانی راہیں فرقہ بندی کی راہیں ہیں جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔

"اور نہ پیروی کرو اور راہوں کی۔ پس متفرق کر دیں گی تم کو اللہ کی راہ سے۔"

مطلب واضح ہے کہ جس راہ پر حضورؐ اور صحابہ رضؓ چل گئے ہیں یعنی راہِ سنت اور تعاملِ صحابہؓ، یہی ایک راہ۔ سیدھی راہ ہے۔ یہی اللہ کی راہ ہے جو جنت الفردوس کو جاتی ہے۔ اس راہ کے سوا اگر اور راہوں پر چلو گے تو یہ راہیں تم کو اس راہ سے جدا کر دیں گی۔ شاہراہِ سرورِ رسولاں سے ہٹا دیں گی۔ ان راہوں پر کھڑے شیاطین تم کو فرقہ بندیوں کی راہوں پہ لاکر ہلاک کر دیں گے۔ لہذا بچو اِن راہوں سے اور سنت کے نور میں سدا گام فرسا رہو۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے۔ ؎

گر نقشِ قدم تیرے مشعل نہ بنے ہوتے
راہرو بھی لٹا ہوتا، راہبر بھی لٹا ہوتا

راہِ رسولؐ پر گامزن جماعت قیامت تک رہے گی!

حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس امر کا میں تم کو حکم دوں، اس کا اتباع کرو اور جس امر سے منع کروں، اس سے پرہیز کرو۔ (ابن ماجہ)

حضرت ثوبان رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اپنے مخالفین پر غالب رہے گی جو شخص ان کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کریگا، ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک

کہ قیامت قائم ہو۔ (ابن ماجہ)

نوٹ:۔ یہ بشارت اسی جماعت کے لئے ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ کی درخشاں راہ پر چلنے والی ہے۔ کثراللہ سوادھم۔

رسُولِ خدا کا راستہ سنّت اور حدیث ہے

حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ ۔ (مشکوٰۃ شریف)

"جس شخص نے مضبوط پکڑا میری سنت کو۔ میری امت کے فساد کے وقت، پس اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ امت میں جب شرک اور بدعات کا فساد برپا ہو۔ رسم و رواج پر لوگ قائم ہوں، احادیث اور سنن سے بے اعتنائی برتی جا رہی ہو۔ یعنی راہِ رسول جب آرائے رجال اور نفسانی خواہشات کی مٹی تلے دب رہی ہوں، ایسے وقت جو حضورؐ کی سنّت پر جم کر عمل کریگا، بلاخوفِ لومۂ لائم سنّت کو اجاگر کریگا تو وہ سو شہیدوں کا درجہ پائے گا۔

میدانِ جنگ میں کفار سے لڑکر مرنے کو شہادت کہتے ہیں اور شہید فی سبیل اللہ کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے، جب فسادِ امت کے وقت ایک سنت کو مضبوط پکڑنے اور اپنانے پر سو شہیدوں کا ثواب ہوتا ہے تو اس سے حضورؐ پُر نور کے قول و فعل کی

عظمت کا اندازہ کریں کہ سنت کا کیا مقام ہے اور اس سنت یعنی راہِ رسولؐ پر گام فرسا ہونا کس درجہ قربِ خدا بخشتا ہے۔ سبحان اللہ! ایک سنت پر عمل۔ سو شہیدوں کا ثواب۔ ہماری جانیں قربان حضورؐ کی سنت پر۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

راہِ رسولؐ کا عاشق

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اور بغیر دو رکعت پڑھے بیٹھ گیا۔ حضور انورؐ نے پوچھا۔ کیا تم دو رکعت پڑھ کر بیٹھے ہو؟ اس نے کہا۔ نہیں (حضورؐ)۔ آپ نے اسی وقت حکم دیا۔ کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھو۔ پھر فرمایا۔ لوگو! (سنو!)

اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمْ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَلْیُصَلِّ رَکْعَتَیْنِ یَتَجَوَّزُ فِیْهِمَا۔ (ابن ماجہ۔ ابو داؤد)

"جب کوئی تم میں سے ایسے وقت مسجد میں پہنچے کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اسے چاہیئے کہ دو ہلکی سی رکعتیں پڑھ لے۔"

سنت کے مقابلہ میں شاہی حکم ٹھکرا دیا

خلیفہ مروان نے یہ شاہی فرمان جاری کر رکھا تھا کہ جب بادشاہ خطبہ پڑھ رہا ہو تو دورانِ خطبہ اگر کوئی مسجد میں آئے تو دو رکعت نماز نہ پڑھے کہ اس سے شانِ شاہی کی تحقیر ہوتی ہے۔ اتفاق سے ایک جمعہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ دورانِ خطبہ مسجد میں پہنچے، تو انہوں نے فرمانِ شاہی سے بے اعتنائی

برتتے ہوئے دو رکعت نماز حسب سنت شروع کر دی۔ حکومت کے سپاہی ان کی طرف لپکے کہ انہیں مار پیٹ کر جبرًا ان سے نماز چھڑا دیں۔ انہوں نے ہر چند کوشش کی لیکن عاشقِ سنت نے دو رکعتیں پڑھ کر ہی سلام پھیرا۔

راوی حدیث عبداللہ بن ابی سرح بیان کرتے ہیں کہ جب جمعہ سے فارغ ہوئے تو ہم ان کے پاس آئے اور کہا۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔ قریب تھا کہ سپاہی آپ پر گر پڑتے (لیکن آپ نے سنتیں نہ چھوڑیں) آپ نے فرمایا۔ میں ان دو سنتوں کو کبھی نہ چھوڑتا۔ (خواہ مجھے مار ہی ڈالتے) کیونکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں کہ ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں آیا تھا اور بغیر دو رکعت پڑھے بیٹھ گیا۔ حضورؐ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے دورانِ خطبہ دو رکعتیں پڑھیں۔ (ترمذی شریف)

یہ ہے سنت یعنی راہِ رسول کی اہمیت اور عظمت کہ بادشاہِ وقت، حضرت ابو سعید خدریؓ کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی پولیس ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہے۔ سنتیں چھڑانے کے لئے ہزار جتن لگاتے ہیں۔ انہیں ہٹھلانے کے لئے دباؤ ڈالتے ہیں لیکن فناہ فی السنت ابا سعید جان ہتھیلی پر رکھ کر راہِ رسول پہ گامزن رہتے ہیں۔ وہ ہرگز سنت کو شاہی حکم پہ قربان نہیں کرتے بلکہ شاہی حکم کو سنت کے مقابلہ میں پاؤں تلے روند دیتے ہیں۔ لاکھوں رحمتیں ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روح پر، کہ ساری امت کو سبیلِ رسولؐ کی

شان دکھا گئے ہیں کہ دنیا و مافیہا سنت کے سامنے ہیچ ہے۔ ؎

پیتے ہی جس کے زندگیٔ جاوداں ملی
اس جانفزا زلال کے مینا تمہی تو ہو

مینائے زلالِ جانفزا

بے شک حضرت اشرفِ کائنات و اکرمِ مخلوقات جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی وہ مینا ہے جس میں حیاتِ جاوداں کا زلال بھرا ہوا ہے۔ جس نے یہ زلال پیا۔ وہ ہمیشہ کی زندگی پاگیا۔ قرآن فرماتا ہے :-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ (پ ۹ ع ۱۷)

"اے ایمان والو! قبول کرو پکارنا واسطے اللہ کے اور واسطے رسولؐ کے جب پکارے تم کو واسطے اس کے کہ زندہ کرے تم کو۔"

مطلب واضح ہے کہ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ پر سختی سے عمل کرو۔ کبھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے جی نہ چراؤ۔ اور توجہ سے سنو کہ رسول تم کو پکارتا اور بلاتا ہے کہ زندہ کرے تم کو۔ یعنی اگر تم نے رسول کے بلانے کو قبول کر لیا۔ آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ آپ کے قول و فعل کے زلال کو نوشِ جان کیا تو تم کو حیاتِ جاوداں نصیب ہوگی۔ پس مرگ جنت کی ابدی زندگی ملے گی۔

مرورِ حیات کی کہکشاں

یاد رکھیں کہ دریائے اسلام کا منبع حضورؐ ہی کا وجودِ اقدس ہے۔ اسلام

آپ کے جسدِ اطہر سے پھوٹا۔ آپ کی گفتار و کردار کا نام اطاعتِ خداوندی ہے۔ اور آپ ہی کے قدموں کے نشان بہشتِ بریں کا پتہ دیتے ہیں۔ آپ کی سیرت کے آئینہ میں جنت الفردوس نظر آتا ہے۔ اور مرورِ حیات کی کہکشاں سے رضائے الٰہی کا نور برستا ہے۔ ابریقِ سراپائے اقدس سے ایسا آبِ حیات ابلتا ہے جس کے تشرب سے توحید کا وہ کیف ملتا ہے جس سے انسان ماسوی اللہ کو بھول کر صرف اللہ ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ بھولتے نہیں کہ غبارِ راہِ خیر الورٰی میں وادئ سینا کا فروغ جھلکتا ہے اور احادیث وسنن کے ہیروں کی روشنی میں حورانِ جنت شرابِ طہور کے ساغر لیئے کھڑی نظر آتی ہے۔ ؎

رخشندہ تیرے حسن سے رخسارِ یقیں ہے
تابندہ تیرے عشق سے ایماں کی جبیں ہے

صحابہؓ کے نزدیک فرمانِ رسولؐ کی قدر

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ اُن کے پاس اُن کا بھتیجا بیٹھا ہوا تھا۔ پس کنکری پھینکی اس نے، پس منع کیا اس کو حضرت عبداللہ رضؓ نے اور کہا۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْھَا ـ "کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس (کھیل) سے منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے حضورؐ نے کہ نہیں شکار کرتی یہ کنکری کوئی شکار۔ اور نہ یہ دشمن کو مارتی ہے اور تحقیق یہ کنکری توڑتی ہے دانت کو۔ اور پھوڑتی ہے آنکھ کو۔ (لیکن وہ لڑکا شرارت سے باز نہ آیا) اس نے دوبارہ کنکری پھینکی۔ پھر کہا

حضرت عبداللہؓ نے :۔

اُحَدِّثُكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ نَهٰى عَنْهَا ثُمَّ عُدْتَ تَخْذِفُ لَا اُكَلِّمُكَ اَبَدًا۔

(بھتیجے! میں تجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں کہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے اس (شیطانی حرکت) سے۔ لیکن تو پھر کنکری پھینک رہا ہے۔ (جا) میں کبھی تجھ سے کلام نہ کرونگا" (جامع ترمذی)

لاپروائے حدیث سے ترک کلام

بچے شرارتی ہوتے ہیں۔ کنکریاں اِدھر اُدھر پھینکتے رہتے ہیں۔ صحابئ رسولؐ نے اس بچے کو کنکری پھینکنے سے خاص طور سے اس لئے منع کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہوا تھا۔ لیکن وہ بچہ باز نہ آیا۔ اس نے مکرّر کنکری پھینک دی۔ اس پر حضرت عبداللہ ناراض ہوئے کہ بچہ حدیث کے خلاف حرکت کرنے سے باز نہیں۔ فرمایا۔ جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ کبھی کلام نہ کروں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ دنیا میں حضورؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ کتنی قدر ہے ان کے نزدیک حدیث پاک کی! مسلمان بھائیو۔ آپ بھی حضورؐ کی سنت اور حدیث کی قدر کیا کرو۔ کہ یہ راہِ رسولؐ ہے جو جنت کو جاتی ہے۔

کنکری پھینکنا بظاہر بڑی معمولی بات ہے۔ لیکن منع حضورؐ نے کیا ہے۔ اس لئے اس ممانعت کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ جبھی تو حضرت عبداللہ رضؓ نے اس لاپروائے حدیث سے بول چال

بند کر دی۔

حدیثوں کو معمولی نہ سمجھیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چھوڑو جی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو۔ رفع سبابہ۔ رفع الیدین، سینے پر ہاتھ، آمین بالجہر، نماز میں صفوں کا سیدھا کرنا، مل کر کھڑے ہونا۔ شگاف بند کرنا، ٹخنے ننگے رکھنا، نماز میں رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ وغیرہ۔ میں سکون۔ یہ معمولی باتیں ہیں۔ ان کی تاکید کرنا اور اِن پر زور دینا ٹھیک نہیں۔ کیا اسلام ان ہی باتوں میں ہے۔

یاد رہے کہ جو شخص ان امور کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کرتا ہے اور کچھ اہمیت نہیں دیتا، اس کو سوچنا چاہیئے کہ یہ باتیں، یہ سنتیں، یہ حدیثیں، جس ہستی نے فرمائی ہیں۔ وہ ہستی کتنی اہم ہے، کتنی اونچی ہے، اس کا کیا مقام ہے؟ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان، ان کا مقام آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ تو پھر ان کے فرامین۔ سنن اور احادیث کی قدر بھی سامنے آجائے گی۔ کبھی نہ بھولیئے کہ معمولی آدمی کی بات معمولی ہوتی ہے اور جو ہستی بعد از خدا بزرگ ہے جس ہستی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، جس کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے، جس کا گفتہ اللہ کا گفتہ ہے، جس کی زبان پر خدا بولتا ہے، جس کا نطق اللہ کی وحی ہے۔ جو سیّد ولدِ آدم ہے۔ جو نبیوں کا امام اور رسولوں کا سردار ہے، جس کے دستک دینے پر جنّت کا دروازہ کھلنا ہے۔ جس کا قول اور فعل جنت کا ضامن ہے۔ کہیئے! ایسی شان والی ہستی کی باتیں معمولی کہہ کر

ٹالنے کے لائق ہیں ؟ ـــ اگر کسی نے حضورؐ کے ارشادات کو معمولی کہہ کر بے اعتنائی برتی۔ تو گویا اس نے حضورؐ کو بھی (معاذ اللہ) معمولی انسان سمجھا۔ اور یہ سمجھ کر ایمان برباد کرلیا۔ خبردار ! ـــ آپ کی نافرمانی سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ بڑی ہستی ہیں حضورؐ۔ بڑی شان ہے آپؐ کی۔ بڑا بلند ہے مقام ! ـــ اس لئے

با محمدؐ ہوشیار !
(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

آپؐ کی سنّت اور حدیث کی قدر، آپؐ کی عظمت سے کیجئے۔ کہ ؎

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ است (غالبؔ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیٹے سے بولنا چھوڑ دیا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی کہ حضورؐ نے فرمایا ہے ـــ اِئْذَنُوْا لِلنِّسَآءِ اِلَی الْمَسَاجِدِ ـــ عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دو۔ پس کہا ان کے بیٹے نے۔ وَاللّٰہِ لَا نَاْذَنُ لَھُنَّ فَیَتَّخِذْنَہٗ دَغَلًا وَاللّٰہِ لَا نَاْذَنُ لَھُنَّ ـــ خدا کی قسم ! ہم اجازت نہیں دیں گے ان کو۔ کیونکہ وہ اسے بہانہ بنالیں گی۔ بخدا ہم ان کو کبھی اجازت نہیں دیں گے۔ فَسَبَّہٗ وَغَضِبَ۔ پس حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بیٹے کو گالیاں دیں اور سخت ناراض ہوئے اور کہا۔ (دیکھو !) ـــ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِئْذَنُوْا لَھُنَّ

وَتَقُوْلُ لَا نَأْذَنُ۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اجازت دو عورتوں کو مسجد میں جانے کی۔ اور تم کہتے ہو۔ نہیں اجازت دیں گے ہم ان کو۔ مسند احمد میں ہے فَمَا کَلَّمَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰی مَاتَ۔ پس نہیں کلام کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیٹے سے یہاں تک کہ وفات پائی۔" (ابوداؤد)

غور کریں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے نے مصلحت کی بنا پر کہا۔ کہ ہم عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ یہ نہ سوچا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اجازت دو۔ اب تو مصلحت بینی وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کے ارشاد پر تو صرف سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہنا پڑتا ہے۔ حدیث کے سامنے دم بخود رہنے کا حکم ہے۔ اونچی سانس لینے کی اجازت نہیں۔ صد رحمت بر روانِ پاک عبداللہؓ کہ حدیث سے بے اعتنائی برتنے پر ساری زندگی بیٹے کو منہ نہ لگایا۔ کلام تک نہ کیا۔

پس عورتوں کو نماز تراویح، جمعہ وغیرہ پڑھنے اور خطبہ میں احکام الٰہی سننے کے لئے اہل توحید کی مساجد میں جانے کی اجازت دینی چاہیئے۔ البتہ ایسی مساجد جن میں مبالغہ آمیز اور غلو بھری نعت خوانی ہوتی ہو اور شرک اور بدعت کے وعظ سنائے جاتے ہوں۔ وہاں عورتوں کو ہرگز نہ بھیجیں تاکہ ان کے عقائد اور اعمال مشرکانہ نہ ہو جائیں کہ شرک اور بدعت کے عقائد و اعمال موجب دوزخ ہیں۔

حدیث بالا سے معلوم ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر باتیں نہیں بنانی چاہئیں۔ حدیث کو ٹالنے کے حیلے بہانے اور مصلحتیں نہیں ڈھونڈنی چاہئیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث کو ٹالنے والے سے ناراضگی بھی رکھنی چاہیئے۔ اور یہ بات بھی پتھر کی لکیر کی طرح امٹ جانیں کہ حضور پُر نورؐ کی کوئی حدیث معمولی نہیں سمجھنی چاہیئے۔ کیونکہ رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں دین ہیں، مذہب ہیں۔ اللہ کے پاس پہنچانے والا راستہ ہے۔ جنّت کی راہ ہے۔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ؎

تیری حدیث ہے اُم الکتاب کی تفسیر
تیری زباں بھی خدا کی زباں سے ملتی ہے

راہِ رسُول کو چھوڑ کر اور راہ اختیار کرنا

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (پ۵ ع۱۴)

اور جو کوئی کنارہ کشی کرے پیغمبرؐ سے، بعد اس کے کہ ظاہر ہوئی اس کے لئے ہدایت۔ اور مومنوں کے رستے کے سوا، (دوسرے رستے) ہو لے تو جو (رستہ) اس نے اختیار کیا ہے۔ ہم اس کو اسی رستے چلائے جائینگے۔ اور (آخرکار) اس کو جہنّم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔"

یہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ خَیْرَ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ۔ تمام راستوں سے بہتر راستہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کا ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی حضورؐ ہی کے راستہ کو اختیار کرنے کی تاکید آئی ہے۔ اور جو کوئی حضورؐ پر نور کے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے گا، اس کو جہنّم کی وعید سنائی گئی ہے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ راہِ رسولؐ، حضورؐ کی سنت اور حدیث ہی ہے۔ آپ کا قول اور فعل ہی ہے۔ پیچھے آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضورؐ نے ایک سیدھی لکیر کھینچ کر داہنے اور بائیں ترچھی لکیریں کھینچیں، اور اپنا دست مبارک درمیانی لکیر پر رکھ کر فرمایا۔ یہ اللہ کی راہ ہے۔ پھر اس اللہ کی راہ کی مزید تشریح فرمائی کہ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ جس پر میں ہوں اور میرے (پیچھے پیچھے) صحابہؓ! یعنی سنت اور تعاملِ صحابہؓ۔ مذکورہ آیت میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ۔ شق کنارے کو کہتے ہیں۔ اور جو کوئی رسول سے کنارہ کرتا ہے۔ یعنی جس راستے حضورؐ چلتے ہیں۔ اس راستے کو چھوڑ کر اور راستہ پکڑتا ہے۔ صریحًا آپ کی سنت اور حدیث کے خلاف چلتا ہے۔ تیئس سال تک اپنے عمل سے جو راہِ ھدٰی حضورؐ نے تیار کی ہے، اس راہ سے ہٹ کر اور راہ اختیار کرتا ہے۔ مَا اَنَا عَلَیْہِ کی شاہراہ سے داہنے اور بائیں جو پگڈنڈیاں ہیں — ان میں سے کسی پگ ڈنڈی پر چڑھ گیا ہے۔ جب اس نے ایسا کیا تو یقینًا سبیل المومنین بھی اس سے چھوٹ گئی اور اس آیت میں سبیل المومنین سے مراد صحابہؓ کی راہ ہی ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ

اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا۔ یعنی صحابہؓ سے راضی ہوگیا تو صحابہؓ جنتی ہوئے۔ تو ان جنتیوں کی راہ بھی یقیناً راہِ رسولؐ ہی ہوئی، کہ وہ اسی لئے جنتی ہوئے اور اسی لئے اللہ ان سے راضی ہوگیا کہ وہ راہِ رسولؐ پر چلے۔ اور حضورؐ نے بھی جنت میں لے جانے والی سیدھی راہ کی نشاندہی کرتے ہوئے صحابہؓ کو ساتھ ہی رکھا۔ فرمایا۔ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ۔ اللہ کی راہ، جنّت کی راہ، صراطِ مستقیم وہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔ تو نجات پانے کے لئے مسلمان پر فرض ہوا کہ وہ حضورؐ کی راہ پر اس طرح چلے جس طرح صحابہؓ چلے تھے۔ یعنی اتباعِ رسولؐ بہ تعامل صحابہؓ کرے۔

کنارہ کش رسولؐ دوزخ میں جائے گا

تو جس شخص نے رسولؐ سے کنارہ کیا اور سبیل المومنین یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستہ کے سوا کوئی اور راستہ پکڑا۔ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی۔ متوجہ کریں گے ہم اس کو جدھر متوجہ ہوا ہے۔ یعنی جو راستہ اس نے اختیار کیا ہے (سزا کے طور پر) ہم اس کو اسی راستے چلاتے جائیں گے۔ وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ۔ اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔ اور وہ جہنم بہت ہی بری جگہ ہے۔

مسلمان بھائیو! دنیا کی زندگی ہر حال میں گزر ہی جائے گی۔ گوشت کھا کر یا دال کھا کر۔ ملبوسات فاخرہ زیب تن کرکے یا غریبانہ لباس پہن کر۔ خوشی سے یا غم سے۔ عسر میں یا یسر میں۔ بسر ہو ہی جائے گی۔ لیکن یاد رکھیئے کہ آخرت کا فکر کریں۔ اگر وہاں مصیبت

پڑ گئی تو اس کا کوئی علاج نہیں ہوگا۔ وہاں زندگی دو ہی قسم کی ہوگی۔ جنت کی زندگی اور جہنم کی زندگی۔ پھر جنت یا جہنم ہم نے یہاں سے ہی لے کر جانا ہے۔ اگر ہم سبیلِ رسولؐ پر چلے، حضورؐ کے بتائے ہوئے عقائد و اعمال اپنا لئے اور صحابہ کی مانند ان پر عمل کیا تو خدا کے فضل سے جنت کی مہمانی دور نہیں۔

پھر ہر قسم کی فرقہ بندی سے کنارہ کر کے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے ہو رہیں۔ قرآن اور حدیث کی دلائل سے اپنے عقیدوں اور عملوں کی اصلاح کر لیں۔ اور کتاب و سنت کے نور میں گامزن رہیں۔

آپ جس فرقہ سے بھی منسوب ہیں، سوچئے کہ کیا اس نام کا کوئی فرقہ صحابہؓ کے اندر موجود تھا؟ یقیناً نہیں تھا۔ پھر صحابہؓ۔ جنّتی صحابہؓ کا کیا عمل تھا؟ وہ صرف قرآن اور حدیثِ رسولؐ پر عمل کرتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے تھے تو پھر آپ کو صحابہؓ کے طرزِ عمل پر چلنا چاہیئے، جسے اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے اور قرآن میں اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہے تو آپ صرف سنت اور حدیث پر چلنے والے مسلمان ہی رہیں۔

تقلیدِ شخصی کی مَے کے عادی بھائیوں کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں اقوال ائمہ کو لیں۔ اگر کوئی قولِ امام حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس قول کو حدیث کے مقابلہ میں چھوڑ کر حدیث پر عمل کریں کہ ایسا کرنا ہی اقرارِ رسالت کی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے اور اگر دانستہ حدیثِ صحیح کو چھوڑ کر اس کے خلاف امام کے قول پر عمل کر لیا

تو اس نے ایمان کا بھانڈا بغاوتِ رسولؐ کے چوراہے میں پھوڑ دیا۔ پکا بے ایمان اور منافق ہو کر مرگیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اُمتی کی آواز کو بلند کرنے سے دین و ایمان کی عمارت دھڑام سے زمین پر آگرتی ہے اور اس کھنڈر اور خرابے میں خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ محمد رسولؐ اللہ کو دل سے ماننے اور آپ کی رسالت کے نور میں زندگی گزارنے والے تو حضورؐ کے اشارۂ ابرو پر دنیا و مافیہا قربان کر دیتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے کتنی سچی بات کہی ہے ؎

فَاِنَّ اَبِیْ وَوَالِدَہٗ وَعِرْضِیْ
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وِقَاءٌ

"یعنی میرے باپ دادے۔ اور میری اولاد، اور میری عزت و وجان سب کچھ محمدؐ کی عزت پر قربان ہے" (صلی اللہ علیہ وسلم)

ساری اُمّت حضورؐ پر قربان

خدائے لایزال کی قسم۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اتنی محبوب اور پیاری ہے۔ آپ کی عزت، ادب اور احترام اس درجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ۔ یہ چاروں ائمہ آپؐ کی ایک حدیث پر قربان ہیں۔ ہاں تمام صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، امت کے تمام اولیاء اللہ، محدثین، مجتہدین، شہداء، صالحین — ہاں ہاں امت کا ہر فرد آپ کی سنت پر نچھاور ہیں۔ بخدا ساری اُمت آپ کی گردِ راہ ہے ؎

ہر دو گیتی گردِ خاکِ پائے تست
در گلیمے خفتہ چہ جائے تست (شیخ عطارؒ)

حضورؐ کا حسنِ صوری و معنوی

خواجۂ کونین صلے اللہ علیہ وسلم کی گفتار کے ہیرے کو دانستہ آنکھوں سے پرے ہٹا کر غیر نبی کی بات پر عمل کرنا تو عاقبت برباد کرنا ہے۔ اگر گُلِ حدیث سے مشامِ جاں معطر کر لینے کے بعد کسی "مصنوعی پھول" کی طرف آنکھ اٹھے تو بھی یہ بصارت ایمانی بصیرت سے عاری ہے۔ رسالت کو دل سے قبول کرنے والے مردِ مومن کو حدیث کے مہرِ نیمروز میں امتیوں کے اقوال کے ٹمٹماتے دیئے نظر ہی نہیں آتے۔ کہ خواجۂ بدر و حنین کے حسن کے مقابلے میں اللہ نے کوئی حسن پیدا ہی نہیں کیا۔ آپ جیسا حسین اولادِ آدم میں کوئی ہوا ہی نہیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ سے حضورؐ کے صوری اور معنوی حسن کا حال پوچھو۔ ؎

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِیْ
وَاَفْضَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

"یعنی آپؐ سے زیادہ حسین و جمیل چہرہ کسی آنکھ نے دیکھا ہی نہیں۔
اور آپ سے اچھا اور برتر انسان کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔
آپؐ ہر عیب سے مبرا اور پاک ہو کر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔"

پھر ایسے صاحبِ جمال ــ معصوم رسول کے قول کے حسن کے

مقابلہ میں امتی کے قول کو حسین تر قرار دے کر جیب میں ڈال لینا۔ اپنے دین و ایمان کا جنازہ نکالنا نہیں تو اور کیا ہے؟ رسالتِ شافعِ محشر کی شہادت دینے والے! سہ

غنچۂ از شاخسارِ مصطفےٰ
گل شو از بادِ بہارِ مصطفےٰ (اقبالؒ)

خلاف حدیث کسی کی بات قابل عمل نہیں

اماموں، مجتہدوں اور بزرگوں نے تو کبھی نہ کہا تھا۔ کہ ان کے اقوال کو دین کا درجہ دے کر ان پر عمل کرنا۔ دیکھئے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے۔

اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ اِلَی الْحَائِطِ۔ (عقدالجید)

یعنی اگر میرا قول حدیث کے خلاف ہو تو اُسے دیوار پر مار دو۔ اور عمل حدیث پر کرو۔"

ایسے ہی دیگر ائمہؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ہرگز ہرگز ان کی تقلید نہ کرنا۔ اور اگر ان کے اقوال خلافِ حدیث ہوں تو اُن کو چھوڑ دو۔ شاہ ولی اللہؒ نے یہ باتیں عقدالجید میں بالتصریح بیان کی ہیں۔

زبان سے حضورؐ کی محبت کا دعویٰ کرنا اور ادب و احترام کا دم بھرنا علامتِ ایمان ہے۔ لیکن جب کوئی حدیثِ مصطفےٰ سامنے آئے تو اس سے نفرت کرنا، چڑنا، بلکہ حدیث پر عمل کرنیوالے کو بُرا جاننا اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہونا۔ یہ قول اور فعل کا بڑا تضاد ہے۔ اس تضاد کا نام قرآن نے نفاق رکھا ہے۔

اور نفاق درکِ اسفل کے پالنا میں ہے۔

یہ کیسا ایمان بالرسالت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو بڑی محبوب ہو لیکن اس معصوم رسولؐ کا قول اس لئے متروک ہو کہ قولِ رسولؐ نے امام کے قول کو خراجِ ارادت ادا نہیں کیا۔ یا امام نے قولِ رسولؐ پر صاد نہیں کیا۔ (استغفراللہ!) یا رسم و رواج پیرویِ حدیث سے مانع ہے یا عار روکتی ہے۔ افسوس!

ع بھرے بازار میں جنسِ وفا بے آبرو ہو گی

دُرِ دانۂ درجِ مصطفٰیؐ کی درخشانی میں انبیاء و رسل تو اپنی شمعیں نہیں جگا سکتے۔ لیکن صد حیف کہ وحی کی فضا میں آرائے رجال کی چشمک کا اندھیر بپا ہے۔ میں اور تو موم بتیاں لئے پھر رہے ہیں۔ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ۔ کے لق و دق صحرا میں صنعت سازی کے کارخانہ کے لیمپ جل رہے ہیں۔ تقابلِ حدیث کے ظلمت زار میں شیر نوش مجانین بیٹھے محبت کی داستانیں سنا رہے ہیں اور اپنی اپنی دفلی بجا رہے ہیں ؎

قلندرانِ طریقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلسِ آنکس کہ از ہنر عاریست

فدایانِ حدیث نبویؐ اس شخص کی قبائے اطلس (سنہری قول) کو آدھے جو کے عوض بھی نہیں خریدتے۔ جو ہنر سے عاری ہو۔ جو حدیث کا علم نہ جانتا ہو، جو سنت کے نور سے دور ہو۔ یاد رکھیں کہ تمام امت کے اقوال عریاں ہیں، بالکل ننگے ہیں اور ان کے ننگ کی پردہ پوشی حدیثِ مصطفٰیؐ کرتی ہے۔ ان کی عریانی کا لباس

سنّتِ خیرالبشرؐ ہے۔ ہر شخص کے قول کی قدر حدیث کی روشنی میں ہے۔ خوب سمجھ لو!

جب کہ آپ کا ایمان ہے کہ حضورؐ کے راستے سے بہتر کسی کا راستہ نہیں ہے اور ساری امت کے لئے حضورؐ ہی کے راستے پر چلنا من جانب اللہ فرض ہے۔ تو اسلام کے بازارِ عمل میں سکۂ محمدی کے ساتھ امتیوں کے سکّے کیوں رائج ہوں۔ حدیث کی سند سے جو سکّہ ملتا ہے۔ وہ مدینہ کی ٹکسال سے ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔ اسی محمدی سکّہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سودے ہو سکتے ہیں۔ دنیائے عمل میں اسی سکّے کی بادشاہی ہے، جب آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ سے دین مکمل ہو چکا ہوا ہے۔ پھر دین کے بازار میں فرقوں کے بانیوں اور اماموں کے نام کے سکّے کیوں چلتے ہیں۔ دنیا میں ہر آزاد حکومت کا اپنا اپنا سکّہ ہے۔ جو ملک میں چلتا ہے۔ اگر کوئی جعلی سکّہ بنا کر اصلی سکّوں میں ملا دے تو اسے حکومت کا باغی قرار دے کر، یا عمر قید کی سزا دی جاتی ہے۔ یا سزائے عبور بہ دریائے شور۔ یعنی جلا وطنی کی سزا۔ یہ سخت سزا اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ اس نے سکّہ بنا کر حکومت سے بغاوت کی ہے۔ ایسے ہی جو قال الرسول کے مقابلہ میں قال فلاں کی قلب سازی کرتا ہے۔ دراصل یہ بھی رسالت سے بغاوت کرنے کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں کوئی سچ مچ کی اسلامی حکومت ہو تو وہ ایسے قلب سازوں سے ضرور پوچھ گچھ کرے۔ اور عبرتناک سزا دے تاکہ کوئی سورج کو مشعلیں نہ دکھائے۔ جب

آپ کے کانوں میں قال الرسول کی آواز آتی ہے۔ حضورؐ کے الفاظ آپ سنتے ہیں تو پھر آپ کی سامعہ کیا کسی اور آواز کو بھی سننا چاہتی ہے؟ ہرگز نہیں! ۔ کیوں؟ ۔ اس لئے کہ ؎

کہا خطیب نے جس وقت قال قال الرسول
فتاد سامعہ در موجِ کوثر و تسنیم

جب خطیب نے قال الرسولؐ کہا۔ یعنی حدیثِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سنائی تو سامعہ کو وہ کیف حاصل ہوا کہ وہ دنیا و مافیہا سب بے نیاز ہوکر بہشت کی نہروں۔ کوثر و تسنیم میں جا گری۔ اور موجوں سے ہم آغوش ہوگئی۔

بخدا حدیثِ حضرتِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر جس شخص کو کیف و سرور حاصل نہ ہو، جو شمعِ حدیث پر پروانہ وار نہ گرے، اسے تزکیہ اور تطہیر کی اشد ضرورت ہے، اسے محبتِ رسولؐ کے خم کے خم لنڈھانے چاہئیں۔ دیکھئے یہ کتنا ایمان افروز کلام ہے ؎

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا!

حضورؐ کی عزت پر کٹ مرنے کے یہی معنی ہیں کہ کردارِ رسولؐ، آوازِ رسولؐ، دعوتِ رسولؐ، سیرتِ رسولؐ، سنتِ رسولؐ اور حدیثِ رسولؐ پر کٹ مرے۔ جان جاتی ہے تو جائے لیکن دامنِ حدیث ہاتھ سے نہ جائے۔ پھر ایمان کامل ہوگا۔ یہی راہِ رسولؐ ہے ؎

نظر وہ ہے جو کون و مکاں کے پار ہو جائے
مگر جب روئے تاباں پر پڑے بیکار ہو جائے

سرورِ عالم کی درخشاں راہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اَیْمُ اللّٰہِ لَقَدْ تَرَکْتُکُمْ عَلَی الْبَیْضَاءِ۔ (ابن ماجہ)
خدا کی قسم میں نے تم کو روشن میدان میں چھوڑا ہے"
مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی، اُسوۂ حسنہ، کردارِ اطہر، سیرتِ پاک، اخلاق فاضلہ، سنتِ مطہرہ اور حدیثِ اطیب کے نور سے سارا ماحول روشن اور درخشاں ہوگیا۔ بعثت سے قبل جس طرح وہاں تاریکی ہی تاریکی تھی، روشنی کی کرن تک نظر نہیں آتی تھی، حضورؐ کی سنت و حدیث کا ایسا آفتاب چمکا کہ ظلمت کا نام و نشان نہ رہا۔ ہر جگہ اجالا ہی اجالا ہوگیا۔ پس جب حضورؐ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا۔ تَرَکْتُکُمْ عَلَی الْبَیْضَاءِ میں نے تمہیں روشن میدان میں چھوڑا ہے۔ یعنی نیکی ہی نیکی کا دور دورہ ہے۔ بدی اور شیطنت کا نام و نشان نہیں رہا۔ یہ ہے میری چمکتی اور تاباں شاہراہ جس پر تم چل رہے ہو۔ یہاں دن ہی دن ہے، اجالا ہی اجالا ہے۔ نور ہی نور ہے۔

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی ہے کہ چودہ سو سال ہونے کو ہیں، اس وقت سے لے کر آج تک حضورؐ کی شاہراہ جوں کی توں روشن ہے۔ اسوۂ حسنہ کا نور بدستور دمک رہا ہے۔ حدیث کی شمعیں جگمگ جگمگ کر رہی ہیں۔ سنت کی قندیلوں کا نور شمس و قمر کو شرما رہا ہے۔ مہرِ نطقِ رسولؐ سر پر ہے۔ صدیاں بیت گئیں۔ بخاری شریف کے گلزار سے جناب رحمتہؐ للعالمین

کے سانسوں کی خوشبو اب تک آ رہی ہے ؎
گلزار کے سایوں میں وہی حشر بپا ہے
پھولوں سے ابھی تک تری خوشبو نہیں جاتی

حضرت موسیٰ بھی راہِ رسولؐ پر چلتے

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نسخہ تورات کا لائے اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! یہ ہے نسخہ تورات کا! پس خاموش ہو گئے حضورؐ اور حضرت عمرؓ اسے پڑھنے لگ گئے اور حضورؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پس کہا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے۔ گم کریں تجھ کو گم کرنے والیاں۔ (یہ جملہ عرب مقامِ تعجب پر بولتے ہیں) کیا نہیں دیکھتا تو وہ چیز جو حضورؐ کے چہرے میں (ظاہر ہوئی) ہے۔ (یعنی حضورؐ غصہ میں بھر گئے ہیں) پھر حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ (لرز گئے) اور (بڑے ادب سے) کہنے لگے۔ پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ اللہ کے، اللہ کے غضب سے، اور اللہ کے رسولؐ کے غضب سے۔ راضی ہوئے ہم ساتھ اللہ کے رب ہونے پر، اور ساتھ اسلام کے دین ہونے پر اور ساتھ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نبی ہونے پر۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ بَدَا لَکُمْ مُوْسٰی
فَاتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ
لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا وَاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ۔ (مشکوٰۃ)

"قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اگر ظاہر ہوتے (آج) تمہارے لئے حضرت موسیٰؑ۔ پھر پیروی کرتے تم اس کی اور چھوڑ دیتے تم مجھ کو۔ البتہ گمراہ ہوتے تم سیدھی راہ سے۔ (سنو) اگر حضرت موسیٰؑ (آج) زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو ضرور میری (ہی) پیروی کرتے۔"

قرآن اور حدیث کے سوا کسی طرف نظر اٹھانے کی اجازت نہیں

مذکورہ حدیث آپ نے پڑھ لی کہ حضرت عمرؓ انفاق سے تورات اٹھا لائے اور اس کی ورق گردانی کرنے لگے۔ اس پر تاجدارِ والئ بطحاؐ کا چہرۂ اقدس غصّہ سے متغیّر ہو گیا۔ جب حضرت صدیقِ اکبرؓ نے توجہ دلائی تو حضرت عمرؓ نے حضورؐ کو غضبناک پاکر بڑے ادب سے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ میں اللہ کو ربّ مان کر راضی ہوا۔ یعنی اللہ کے سوا کسی ربّ کی مجھے ضرورت نہیں۔ اور اسلام کو دین مان کر راضی ہوا۔ یعنی اسلام کے سوا مجھے کسی دین کی ضرورت نہیں۔ اور حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہوا۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا عمرؓ کو کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضورؐ خوش ہو گئے۔ اور خفگی جاتی رہی۔ پھر آپؐ نے ایک نہایت ضروری مسئلہ بتایا اور اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ اگر آج (بالفرض) موسیٰ علیہ السلام آجائیں جن پر یہ تورات نازل ہوتی تھی تو تم لوگ مجھے چھوڑ کر موسیٰؑ کی راہ پر چلنے لگو۔ تو سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ سنو! اگر موسیٰؑ

زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے۔ یعنی اگر موسیٰؑ کی زندگی میں میں آجاتا تو حضرت موسیٰؑ صرف میری ہی پیروی کرتے، میری ہی راہ پر چلتے۔ میری نبوت پر ایمان لاکر میرے امتی بن کر میرے دین کی تبلیغ ہی کرتے۔ ؎

لرز گئی ہیں شبستانِ وقت کی شمعیں
حرا سے نکلا ہے خورشید روشنی کے لئے

گویا حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو ہدایت کی کہ میری موجودگی میں قرآن کے ہوتے ہوئے، تم نے تورات کو کیوں دیکھنا شروع کیا۔ تورات منسوخ ہوگئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی نبوت کا آفتاب غروب ہوچکا ہے۔ اب صرف قرآن اور میری حدیث کی ضرورت ہے۔ کتاب و سنت کے علاوہ کسی طرف رخ کرنے کی اجازت نہیں۔ یہاں تک کہ اگر موسیٰؑ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا، وہ بھی میری ہی راہ پر چلتے۔ دیکھو۔ دیکھو۔ اگر بالفرض آج موسیٰؑ آجائیں تو تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرو تو راہِ راست سے بھٹک جاؤگے۔ غور کریں کہ حضرت موسیٰؑ کی پیروی سے گمراہی! یہ کیا بات ہے؟ کیا حضرت موسیٰؑ کی پیروی سے شرک کا خطرہ ہے یا بدعت کا۔ یا کفر کا۔ یا خدا کی کسی نافرمانی کا؟ ہرگز نہیں۔ پیغمبر کی پیروی سے تو ہدایت ہی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن۔ حضورؐ کی موجودگی میں کسی کی پیروی جائز نہیں۔ کسی کے راستے پر چلنا روا نہیں، کسی کا اتباع گوارا نہیں کہ حضورؐ پُرنور کا مقام ہی اتنا بلند و بالا ہے کہ وہاں تک کسی رسولؑ اور نبی کی رسائی نہیں۔ آفتابِ نبوتِ محمدیہ

کی روشنی میں نہ کوئی چاند ہی کام دے سکتا ہے، نہ کوئی ستارا، نہ دیا، نہ چراغ، نہ کوئی ٹمٹماتا ایاغ۔ جناب سید المرسلین ؐ تمام اولادِ آدم کے مقتدا اور سب کے لئے واجب الاتباع ہیں۔ ؎

یہ کہکشاں تیرے قدموں کی دھول ہے شاید
یہ مہر و مہ ترے ذراتِ رہگذر ہوں گے (ثمر)

غور فرمائیں کہ قرآن اور حدیث کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کو تورات پڑھنے یا دیکھنے کی اجازت نہ ہوئی۔ پھر فرقوں اور مذہبوں کی کتابوں پر چلنے۔ ان پر بلا دلیل عمل کرنے، اور ان سے فتوے دینے کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے۔ اور ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق کی ناراضگی سے کیوں نہیں ڈرتے؟ حضرت عمرؓ کا واقعۂ مذکورہ سامنے رکھ کر بتائیں کہ قرآن اور حدیث کے ہوتے ہوئے ایسی کتابیں جن کے مسائل بھی حدیث سے ٹکرائیں، کیونکر واجب العمل ہوسکتی ہیں۔ اور ان سے مسائل بتانے اور مدارس میں پڑھانے کا ان کے پاس کیا جواز ہے؟ وہ ٹھنڈے دل سے سوچ کر بتائیں کہ حضرت عمرؓ کے تورات پڑھنے پر کیوں حضورؐ غضبناک ہوگئے اور یہاں تک فرما دیا کہ اگر صاحب تورات حضرت موسٰیؑ اس وقت ہوتے تو وہ میری ہی پیروی کرتے۔ میرا ہی اتباع کرتے۔ میری ہی سنت اور حدیث پر چلتے۔ جب موسٰیؑ رسول اللہ کے لئے بجز اتباعِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چارہ نہیں تو اور کون ہیں جو قرآن مجید اور بخاری، مسلم وغیرہ کے ہوتے ہوئے آرائے رجال سے فتویٰ دیں اور آرائے رجال پر مبنی کتب مدارس

میں پڑھائیں اور ان کی تبلیغ و تدریس پر عمر عزیز گزار دیں۔ اور یہ بات تو بالکل غضبِ الٰہی مول لینے والی ہے کہ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے، اس کے خلاف کسی امتی کے قول پر عمل کیا جائے۔ دانستہ حدیث چھوڑ دی جائے اور غیر نبی کے قول کو لے لیا جائے۔ یہ شخص ذکر سے اعراض کرنے والا بلاشبہ قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔ یہ ظالم حشر میں کفِ افسوس ملے گا۔ اور کہے گا کہ کاش میں نے راہِ رسولؐ پکڑی ہوتی۔ کما مَرّ۔

سرورِ کائنات کی حدیث سے اعراض کا نتیجہ!

غزوۂ احد میں حضورؐ پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیراندازوں کو عبداللہ بن جبیرؓ کی سرداری میں اسلامی فوج کے پیچھے ایک ایسی جگہ پر کھڑا کر دیا جہاں سے اندیشہ تھا کہ دشمن پشت کی جانب سے فوج پر حملہ کر دیگا۔ حضورؐ نے ان تیراندازوں کو تاکید کی تھی کہ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ دشمن کو اس طرف آنے سے روکو۔ اور فوج کی جو حالت بھی ہو، تم یہاں سے ہرگز حرکت نہ کریں۔ خبردار یہ جگہ نہ چھوڑنا۔

سنہ ۳ھ ماہ شوال جمعہ کے روز، نماز جمعہ پڑھ کر حضورؐ غزوہ کے لئے نکلے اور دوسرے روز ہفتہ کے دن لڑائی ہوئی مسلمانوں نے زبردست دادِ شجاعت دی۔ کفار شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ اور پسپا ہوتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے جہاں ان کی عورتوں نے کیمپ لگا رکھا تھا۔ اب مسلمانوں سے غلطی یہ ہوئی

کہ جن تیراندازوں کو حضورؐ نے مورچے میں کھڑا ہوا تھا اور تاکید کی تھی کہ تم یہ جگہ ہرگز نہ چھوڑنا۔ انہوں نے کفار کی شکست دیکھ کر الغنیمہ، الغنیمہ پکارتے ہوئے میدان میں چلے گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ بہتیرا روکتے رہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم یاد دلاتے رہے لیکن انہوں نے کچھ خیال نہ کیا۔

قریش کے سرداروں نے جب مورچہ خالی دیکھا تو اس طرف سے مسلمانوں کی پشت کی جانب سے آکر حملہ کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ یہاں تک کہ ستر صحابہؓ شہید ہو گئے۔ باقی منہزم ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کفار میں گھر گئے۔ حضورؐ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ داہنی طرف کا نیچے کا موصلہ شہید ہو گیا۔ خود اس طرح سر میں بیٹھ گیا کہ اس کا حلقہ نیچے گر گیا۔ کفار نے پتھر مارے جس سے پہلوئے مبارک پر چوٹ آئی۔ حضرتؐ گڑھے میں گر گئے۔ ابوعبیدہ بن جراحؓ نے دانت سے پکڑ کر خود کھینچا۔ جس سے ان کے دو دانت گر گئے۔

الحاصل مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور فتح شکست میں بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شکست کی وجہ یوں بیان فرمائی:۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (پ ۴ ع ۷)

"اور (مسلمانو!) جب تم خدا کے حکم سے کافروں کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ (اس وقت) خدا نے تم کو اپنا وعدہ (فتح کا) سچا کر دکھایا۔ یہاں تک کہ تم (مالِ غنیمت دیکھ کر لڑائی سے) خود کمزور ہو گئے۔ اور تم نے (رسول کے) حکم (یعنی مورچے میں جم رہنے) کے بارے میں آپس میں جھگڑا کیا۔ اور (رسول کی) نافرمانی کی۔ بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات دکھلا دی تھی۔ بعض تو تم میں سے (مورچہ چھوڑ کر) دنیا کے پیچھے پڑ گئے اور بعض تم میں سے آخرت کے طلبگار تھے۔ پھر تم کو ان (کفار) سے پھیر دیا اور اللہ تعالےٰ مسلمانوں پر بڑا صاحب فضل ہے۔"

آیت کا مطلب واضح ہے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ارشاد۔ حکم۔ حدیث (مورچہ نہ چھوڑنا) سے بے اعتنائی برتی۔ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ۔ تنازعہ کیا تم نے رسول اللہ کے حکم میں۔ کہ عبداللہ بن جبیرؓ کہہ رہے تھے کہ مورچہ نہ چھوڑو۔ اور تم جواب دے رہے تھے کہ اصل غرض فتح تھی۔ سو فتح ہو گئی ہے۔ کفار بھاگ رہے ہیں۔ میدان خالی ہو چکا ہے۔ اب غنیمت کا وقت ہے۔ چنانچہ تم نے مورچہ چھوڑ کر خلافِ حدیث کیا۔ تو ستر صحابہؓ شہید ہو گئے۔ اور بہت سے زخمی ہو گئے۔ اور سخت شکست ہوئی۔ یہ نتیجہ ہے حدیث رسولؐ سے اغماض برتنے کا۔ حدیثِ پاک

کو اپنی رائے سے ٹال دینے کا۔

اس استدلال سے ہم مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو امتیوں کی رائوں کے مقابل میں چھوڑ دیا۔ اور رایوں پر عمل کیا تو قیامت کے روز کیا نتیجہ نکلے گا؟ — یہی کہ معصیتِ رسول کی پاداش میں نیکی برباد گناہ لازم آئے گا۔ اور خدا جانے کتنی سخت سزا دے اللہ تعالیٰ حدیثِ رسولؐ کو ٹالنے کی سے

ع — بچنے نہیں مواخذۂ روزِ محشر سے

بارش کے قطروں سے صد گنا زیادہ رحمتیں ہوں صحابہؓ کی روحوں پر، کہ جنتی صحابہؓ سے تعمیلِ حدیث میں ذرا سی کوتاہی ہو گئی تو ان کی فتح کی خوشیاں اندوہ و آلام میں تبدیل ہوگئیں اور سخت جانی نقصان ہوا۔ یہ واقعہ تمام امت کو لرزا دینے والا ہے کہ خبردار! کوئی شخص حدیثِ خیرالوریٰؐ کو اپنی رائے سے ٹالنے کی جسارت نہ کرے اور وہ شخص تو بڑا ہی بدبخت منافق ہے جو جان بوجھ کر صحیح حدیث کے خلاف کسی غیر نبی کا قول لے لیتا ہے اور اس پر جم کر عمل کئے جاتا ہے اور باوجود سمجھانے کے باز نہیں آتا۔ ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا یہ ظالم محشر کے دن۔

پس حضور انورؐ کا ارشاد ہر وقت آپ کے سامنے رہنا چاہیئے — خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ۔ کہ تمام راستوں سے

بہتر راستہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہی ہے۔ راہِ رسولؐ سے بہتر دنیا میں کوئی راہ نہیں۔ سنت اور حدیث کے نور سے کوئی نور اچھا نہیں۔ پھر بجھا دو تمام دیوں کو۔ گُل کر دو تمام چراغوں کو۔ کہ اسوۂ رسولؐ کا آفتاب۔ سنت اور حدیث کا سورج آپ کے سر پر ہے۔ ؎

نشانِ رشد و ہدایت، جہانِ رحمت و جود
مرے رسولؐ کا اسوہ، مرے نبیؐ کا وجود

(حفیظ تائب)



خدا کے دین میں بدترین کام

وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا

"اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو خدا کے دین میں اپنی طرف سے نکالے جائیں"

غبارِ کارواں میں جادۂ منزل نہ کھو جائے
ابھی میں راہزن کو رہنما محسوس کرتا ہوں

(دائم)

تکمیلِ دین

دینِ اسلام مکمل ہو چکا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (پ۶ ع۵)

"آج کے دن پورا کیا میں نے تمہارے لئے دین تمہارا۔ اور پوری کی تم پر نعمت اپنی۔ اور پسند کیا تمہارے لئے دین اسلام کو۔"

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دینِ اسلام مکمل ہو چکا

ہے اور اتنا کامل اور مکمل ہوا ہے کہ اس سے زیادہ تکمیل ہو نہیں سکتی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیں کہ پانی کا پیالہ بھرا ہوا ہے۔ لبریز ہے۔ اتنا لبریز کہ ایک قطرہ کی گنجائش نہیں۔ اگر ایک قطرہ ڈال دیں تو پیالہ سے باہر نکل جائے گا۔ ہرگز پیالہ میں سما نہ سکے گا۔ اسی طرح اسلام اتنا کامل، مکمل اور پورا ہو چکا ہے کہ اس میں امر اور نہی کے ایک نکتے کی ضرورت نہیں۔ ہدایت اور نیکی کی کسی زیر اور زبر کی حاجت نہیں۔ پانی کے پیالہ کی مثال کی طرح اسلام میں ایک قطرہ کی گنجائش نہیں۔ جب اللہ کہے کہ میں نے دینِ اسلام کو مکمل کر دیا تو پھر کیا باقی رہا۔ بیشک اسلام کامل ہو گیا۔ اور یہ کامل دین رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ و سلم امت کو دیکر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

زار زار رُلا دینے والا خطبہ

دینِ اسلام سے مراد قرآن مجید، اور اس کی تشریح و مطالب یعنی حدیث اور سنت ہے۔ پس قرآن اور حدیث — کتاب اور سنت میں ہی اسلام ہے۔ ان دونوں چیزوں کے سوا — کسی اور چیز کا نام اسلام نہیں۔ کوئی تیسری چیز اسلام کے نام سے پکاری نہیں جا سکتی۔ جیسا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خصتانہ وعظ میں ارشاد فرمایا۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ
يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً

ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِیْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ اِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

(مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

"ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی۔ اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر ایسا درد بھرا خطبہ سنایا کہ ہم زار و قطار رونے لگے اور ہمارے دل بھر آگئے۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! آپ کا یہ (درد بھرا) خطبہ تو الوداعی خطبہ معلوم ہوتا ہے۔ پس ہمیں آخری وصیت فرماتے جائیے ۔ فرمایا حضورؐ نے (سنو!) میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور (اپنے مسلمان سردار، حاکم کی بات معروف میں) سننا، اور فرماں برداری کرنا۔ اگرچہ وہ (سردار) غلام حبشی ہو۔ (ہاں خوب یاد رکھنا) میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ (دین میں) بڑے بڑے اختلافات دیکھے گا۔ (کہ بُرے احبار و

رہبان فرقے بندی پیدا کریں گے۔ اور اپنے اقوال اور آراء پر لوگوں کو چلائیں گے۔ خبردار! تم اس وقت) میری جانی پہچانی سنتوں، اور میرے ہدایت پائے ہوئے خلفائے راشدین کے طریقوں کو چمٹ جانا۔ خوب مضبوط پکڑنا۔ اور دانتوں اور ڈاڑھوں سے پکڑنا۔ (کہ سنت چھوٹ نہ جائے) اور (دین کے اندر) نئے نئے کاموں سے بچتے رہنا۔ کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس آخری نصیحت پر غور فرمائیں کہ حضورؐ نے جو کامل دین مسلمانوں کو دیا۔ اس کے بارے میں خاص طور پر یہ وصیت فرمائی۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ میری سنت کو لازم پکڑنا۔ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔ اور خلفائے راشدین مہدیین کے طریقوں کو مضبوط تھامنا۔

یعنی میرے خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ حضرت عمر رضؓ۔ حضرت عثمان رضؓ۔ حضرت علی رضؓ۔۔۔ ان کے طور طریقوں کا بھی اتباع کرنا۔ کیونکہ میرے خلفائے راشدین، میری ہی حدیثوں اور سنتوں کی مشعلیں روشن کرنے والے ہیں۔ تو خبردار! سنت اور حدیث کو خوب مضبوط پکڑے رکھنا۔۔ (دیکھو! ہاتھ سے پکڑی ہوئی چیز کبھی چھوٹ سکتی ہے۔ گر پڑتی ہے) تم میری سنتوں کو نواجذ یعنی ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑنا کہ کبھی چھوٹ نہ سکیں۔ مرتے دم تک دانتوں میں رہیں۔ تازیست سنت پر عمل ہو۔ غرض بدوِ شعور سے لے کر تا دمِ آخریں حدیث اور سنت کے نور میں گام فرسا رہو۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ دینِ اسلام کتاب و سنت پر مکمل ہو گیا۔ حضورؐ نے سنت پر بڑا زور دیا۔ اس لئے کہ سنت اور حدیث قرآن پر عمل کراتی ہیں۔ اب ایک اور خطرناک اور مہلک چیز سے حضورؐ نے بچنے کی تاکید کی۔ یہ وہ چیز ہے جو انسان کو گمراہ کر کے، دین سے ہٹا کر دوزخ میں لے جاتی ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ۔ اور (دین میں) نئے نئے کاموں، نئی نئی باتوں سے بچتے رہنا۔ یعنی دین مکمل ہو چکا ہے۔ کوئی مسئلہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ اس لئے دین کے اندر کوئی مسئلہ، کوئی کارِ ثواب خود بنا کر جاری نہ کرنا۔ محدثات الامور کے معنی ہیں دین کے اندر نئی نکالی ہوئی باتیں، نئے کام، نئے مسائل، نئے کارِ ثواب۔ جن کا نام و نشان حضورؐ اور صحابہؓ کے دور میں نہ تھا۔ پس یہ محدثات دوزخ کے انگارے ہیں جہنم کے شعلے ہیں۔ یہ جعلی سکے نری آگ ہے۔ الحذر!

دین میں مسئلے گھڑنا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ۔ (موطا)

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رکھو گے، ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (وہ دو چیزیں ہیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔"

اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ دین دو چیزوں پر مکمل ہو گیا۔ کتاب اور سنت پر۔ حضورؐ نے بھی سخت تاکید کر دی کہ ان دو ہی چیزوں کو پکڑے رکھنا۔ یہی نجات کا ذریعہ ہیں۔ ان ہی پر عمل کرنا باعثِ جنت ہے۔ جب تک تمہارے ہاتھوں میں یہ دونوں چیزیں رہیں گی تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ اگر ان دونوں چیزوں کے سوا کوئی اور چیز بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئی۔ دو سے تین چیزیں ہوگئیں۔ دودھ میں پانی مل گیا۔ تو پھر تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

اب ہر مسلمان کو ہزار بار سوچنا چاہیئے کہ دین کے سلسلہ میں وہ جس بات پر عمل کرتا ہے کیا وہ بات صحیح سند سے حضورؐ سے ثابت ہے۔ سنت اور حدیث کی مہر اس پر ثبت ہے۔ اگر ہے تو پھر وہ بات نور ہی نور ہے۔ ہدایت ہی ہدایت ہے۔ کوثر کا پانی اور تسنیم کی شراب ہے۔ نہرِ عسل کا جرعہ، جوئے شیر کا قدح ہے۔ جنت کا پھول اور بہشت کا پھل ہے۔ اس پر عامل رہے۔

اور اگر وہ بات نہ حضورؐ کا قول ہے۔ نہ فعل ہے۔ نہ صحابہؓ سے اس کا پتہ چلتا ہے تو پھر یقین کریں کہ وہ محدثات سے ہے۔ کھوٹا سکہ ہے۔ جعلی ضرب ہے۔ سکہ قلب ہے۔ زغالِ نارِ سعیر۔ جرعہ عینِ آنیہ۔ اور لقمہ ضریع ہے۔

مدارِ اسلام صرف دو چیزوں پر ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ ۔ اسلام کا دار و مدار، اسلام کی جڑ اور بنیاد صرف دو چیزیں ہی ہیں۔

اَلْکَلَامُ وَالْهَدْیُ۔ ایک کلام دوسری چیز طریقہ۔

فَاَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰهِ ۔ کلام سے مراد اللہ کا کلام ہے جو تمام کلاموں کا سردار ہے۔

وَاَحْسَنُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ۔ اور طریقہ سے مراد طریقۂ محمدیؐ ہے جو تمام طریقوں سے بہتر اور احسن ہے۔ (ابوداود)

پس یہ دو چیزیں ہی اسلام کی بُن اور بیخ ہیں۔ قرآن اور حدیث۔ پھر آپ ان دو چیزوں پر کسی تیسری چیز کا ہرگز اضافہ نہ کریں کہ صحابہؓ نے ہرگز اضافہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان کے معمول میں بھی دو چیزیں تھیں۔ آپ بھی کسی کے قول اور رائے کو حدیث کے ہوتے ہوئے ہرگز قبول نہ کریں۔ اُدھر التفات نہ کریں۔ بلکہ سنیں تک نہ۔ تقلید شخصی کے بندھن کے اسیرو۔ جامد تقلید سے توبہ کرلو۔ کسی کے قول اور رائے کو سنت کے نور کے سامنے درخورِ اعتنا نہ جانو۔ دیکھو چاروں اماموں نے (خدا کی ان پر رحمتیں نازل ہوں) صاف صاف فرما دیا ہے۔ کہ ان کی ہرگز تقلید نہ کی جائے۔

حضرت امام احمد رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مسلمانو! نہ میری تقلید کرنا۔ نہ امام مالک کی تقلید کرنا۔ نہ کسی اور کی۔ بلکہ اسلام کے احکام وہاں سے لینا جہاں سے ان بزرگوں نے لئے (یعنی

قرآن اور حدیث سے)۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو صحیح حدیث میں ہے وہی میرا مذہب ہے۔ جب میرا کوئی قول خلاف حدیث دیکھو تو حدیث پر عمل کرو۔ اور میرا قول دیوار پر دے مارو۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جس کی تمام باتیں قابلِ قبول ہی ہوں۔ سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جسے میری دلیل (قرآن اور حدیث سے) معلوم نہ ہو۔ اسے محض میرے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ (عقدالجید از حضرت شاہ ولی اللہؒ)

جب تمام ائمہ نے فرما دیا ہے کہ ان کے اقوال کو نہ دین سمجھو۔ نہ اندھا دھند ان پر عمل کرو بلکہ براہِ راست کتاب و سنت پر چلو ــ آگے حضورؐ انور نے فرمایا:۔

اور کتنا زبردست انتباہ فرمایا:۔

اَلَا وَ اِیَاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ۔ خبردار! (کان کھول کر سن لو) کہ دین کے اندر نئے نئے کاموں سے بچتے رہو۔

فَاِنَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا۔ کیونکہ میرے دین میں نئے نکالے ہوئے کام، تمام بُرے کاموں سے بڑھ کر بُرے ہیں۔

(ابوداؤد)

یعنی دنیا میں جتنے بُرے کام اسلام نے بتلائے ہیں کہ ان سے بچو۔ ان تمام بُرے کاموں سے محدثات ــ دین میں نئے

نکلے ہوتے کام بدرجہا بُرے ہیں۔ شَرَّ الْاُمُوْرِ ہیں ۔ تمام بُرے کاموں سے بدترین کام ہیں۔یعنی زنا۔ شراب خوری۔ جوئے بازی۔ چوری وغیرہ سے بھی بُرے ہیں۔

پھر اُمتیوں کے گھڑے ہوئے مسئلوں، خانگی ثواب کے کاموں، ثواب دارین کے بے سند وعدوں سے کوسوں دُور رہیں کہ آتش محدثات کی لپیٹ جہنم کی جھپٹ ہے۔ ؎

اثاثہ چھین کر سب لے گئی فصلِ خزاں اپنا
وہاں کچھ زرد پتّے ہیں جہاں تھا آشیاں اپنا



ہر بدعت گمراہی ہے

وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

"اور دین میں ہر نیا کام بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔"

تو کب سے ہے اسیر سرابوں کے جال میں
نیلے سمندروں سے گھٹا کون لے گیا!

آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ حضور انورؐ نے دین میں نئے کاموں کے اجراء کو شرالامور فرمایا ہے۔ یعنی دین کے اندر کارِ ثواب کے وعدہ سے کام نکالنا۔ بدترین کام ہیں۔ ان بدترین کاموں کو حضورؐ نے بدعت فرمایا ہے ــــ وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ اور ہر نیا کام (دین میں) بدعت ہے۔ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کسے کہتے ہیں؟

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بدعت کی بڑی جامع تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔ کُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ "ہر نیا کام (ثواب سمجھ کر دین کے اندر نکالنا) بدعت ہے۔"

نیز فرمایا۔ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ط (بخاری شریف)

"جس شخص نے ہمارے (کامل) دین میں ایسی نئی بات (کارِ ثواب وغیرہ کی صورت میں) نکالی۔ جو دین میں نہیں ہے، پس وہ مردود ہے۔"

تو بدعت کی تعریف یہ ہوئی کہ دینِ اسلام میں ایسا نیا کام نکالنا جس کو کارِ ثواب یا نیکی کہا جائے اور وہ کام خیر القرون میں نہ ہو۔ ایسے مسائل دینِ مبین میں جاری کرنا جو حضورؐ اور صحابہؓ کے پاک زمانہ میں نہ تھے اور ان پر عمل کرنا ثواب کا موجب مانا جائے۔ تو نو پیدا مسائل اور گھڑ بلو کارہائے ثواب دین میں جاری کرنا در اصل نبوت کا مقابلہ ہے۔ کیونکہ۔ کسی بات کو کارِ ثواب کہنا یا موجبِ اجر بتانا، صرف پیغمبر کا کام ہے۔ کوئی غیر نبی یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ کسی امر کو کارِ ثواب کہہ کر دین کے اندر جاری کرے تو مُحدِث یا بدعتی عملاً مدعی نبوّت ہوًا۔ یعنی زبان سے تو دعوٰئ نبوت نہیں کرتا۔ البتہ دینِ اسلام میں جعلی سکّے بنا کر اصلی سکّوں میں ملا کر نبی بنتا ہے۔ اللہ کا پیغمبر بہ اذن اللہ سکّہ ساز ہوتا ہے اور بدعتی از خود سکّہ ساز بنتا ہے۔

یاد رکھیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعیٔ نبوت کی جو حیثیت ہے وہی حیثیت مُحدِث (دین میں نئے مسئلے بنانے والا) کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ بدعت کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے یہ فرمایا ہے:۔

اہلِ بدعت کا کوئی عمل قبول نہیں

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَّلَا صَلٰوةً وَلَا صَدَقَةً وَّلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَّلَا جِهَادًا وَّيَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ ط

"اللہ تعالیٰ بدعتی شخص کا نہ روزہ قبول کرتا ہے، نہ نماز اور نہ زکوٰۃ و خیرات، اور نہ حج اور نہ عمرہ اور نہ جہاد، اور بدعتی اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے بال گوندھے ہوئے آٹے سے نکل جاتا ہے" (ابن ماجہ)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ثابت ہوا، کہ دین میں خود گھڑ کر مسئلے جاری کرنے والا۔ بدعتیں نکالنے والا، اور بدعتوں پر عمل کرنے والا۔ اللہ کے نزدیک اتنا مردود ہو جاتا ہے کہ اس کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، خیرات، عمرہ، جہاد، اور کوئی بھی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔ اور بدعتی دائرۂ اسلام سے ہی نکل جاتا ہے۔ بالکل جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

پس بدعتی عنداللہ اتنا مردود، مقہور، اور مطرود ہے۔ کہ

اس کا ادب و احترام کرنا اسلام کے ڈھانے کے برابر ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا:۔

بدعتی کی عزت کرنا اسلام کو ڈھانا ہے

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔
(شعب الایمان)

"جس نے بدعتی کی عزت کی۔ اس نے اسلام کے ڈھانے گرانے میں مدد کی۔"

غور کریں کہ بدعتی کی توقیر کرنا اسلام کے ڈھانے میں مدد دینا ہے۔ اسلام کو ڈھانا اور گرانا کم گناہ ہے؟ پناہ بخدا ــ جب توقیر اہلِ بدعت اعانتِ ہدم اسلام ہے۔ تو بدعتیں نکالنا ــ کتنا عظیم گناہ ہے؟ پورا پورا رسولؐ اللہ کا مقابلہ ہے۔ جس طرح شرک توحید کی ضد ہے۔ اسی طرح بدعت سنت کی ضد ہے۔ پس مشرک اور بدعتی دونوں کا کوئی عمل قبول نہیں۔ دونوں اسلام سے خارج ہیں۔ مشرک اللہ کا باغی اور بدعتی رسولؐ اللہ کا باغی ہے۔ مشرک ردائے توحید زیب تن کرتا اور بدعتی رسالتِ حضرت خیرالورٰیؐ کا حصے دار بنتا ہے۔ دونوں کا اسلام سے دور کا واسطہ نہیں۔

احداث فی الدین بدترین جرم ہے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا۔ دین میں محدثات بدترین کام ہیں۔ یعنی بدعت تمام جرائم سے بُرا جرم ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعت ایسے کام ہیں کہ وہ دیکھنے میں

بڑے نیک اور ثواب کے کام معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے شرک آشنا اور بدعت نواز احبار و رہبان، اور ان کے ہزاروں اتباع اور معتقدین فتراکِ احداث کے نخچیر بن جاتے ہیں۔ ان "نیک کاموں" کو اپناتے عمل میں لاتے اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ وہ بڑے خدا رسیدہ اور صالح قسم کے لوگ ہیں۔ مثلاً جو لوگ خواجہ معین الدین اجمیری رح کے عرس پر اجمیر جاتے ہیں۔ سینکڑوں روپے سفر کے آنے جانے پر خرچ کرتے ہیں۔ مزار حضرت معین الدینؒ پر نذر، نیاز دیتے ہیں۔ قبر کا طواف تک کرتے، سجدے میں گرتے، روتے، گڑگڑاتے، اور ان سے استمداد کرتے ہیں۔ یہ سب کام کرکے جب لوٹ کر گھر آتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ وہ بڑا نیک کام کرکے آئے ہیں۔ لوگ ان کا استقبال کرتے، بڑی محبت سے ملتے، اُن سے مصافحے اور معانقے کرتے ہیں۔ محدثات کے جہان میں بسنے والوں کے نزدیک عرس ثواب دارین کا کام ہے۔ لیکن کتاب و سنت کے نور میں اعراسِ قبور، شرک، اور بدعت دونوں قسم کے جرم ہیں۔

شریعت سازی

قرآن مجید کہتا ہے:-

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (پ۲۵ ع۴)

"کیا واسطے ان کے شریک ہیں کہ انہوں نے ان کے لئے
دین کا رستہ ٹھیرا دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔
اور اگر (خدا کی طرف سے) قطعی وعدہ نہ ہوا ہوتا تو
ان میں (کبھی کا) فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور تحقیق جو
ظالم ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ دین کے کام مقرر کرنا، کسی کام کو کارِ ثواب بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے خدا کی جناب میں عرض کیا۔

وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۔ (پ ۱ ع ۱۵)
اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہم پر
لوٹ آ۔"

جامِ غسلین

غور کریں کہ اللہ کے پیغمبر خانہ کعبہ تعمیر کر کے اللہ تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ کعبہ تیار ہو چکا ہے۔ اب عبادت کے طریقے بھی تو ہی بتا۔ چنانچہ اللہ نے مناسک بتائے اور انہوں نے عمل کیا۔ تو پیغمبر بھی بغیر اللہ کے اذن کے شریعت سازی نہیں کر سکتا۔ دین کے کام از خود مقرر نہیں کر سکتا تو غیر نبیوں کو کہاں سے حق حاصل ہو گیا کہ وہ قبروں کے عرس خود ایجاد کر کے ان کو ثواب کا کام قرار دیں۔ یہ شریعت سازی اللہ کے ساتھ صریح شرک ہے۔ جیسا

کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۔ کیا واسطے لوگوں کے شریک ہیں یعنی خدا کے مقابلہ میں ایسے شریک ہیں؟

شَرَعُوا لَهُمْ ۔ جنہوں نے لوگوں کے لئے دین میں شریعت سازی کر رکھی ہے۔ بغیر خدا کے اذن کے دین کے کام مقرر کر رکھے ہیں؟ معلوم ہوا کہ جو کوئی دین میں مسئلہ بناتا ہے۔ کوئی نیا کام جاری کر کے اسے کارِ ثواب کہتا ہے۔ احداثِ عرس کو ثوابِ دارین بناتا ہے ۔ وہ اللہ کے مقابلہ میں شریعت سازی کرتا ہے ۔ اللہ سے بغاوت کرتا ہے ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بیت اللہ میں اپنی طرف سے کوئی منسک (عبادت کا طریقہ) جاری نہیں کر سکتے ۔ از خود دین کا راستہ تجویز نہیں کر سکتے ،کیونکہ یہ اللہ کا کام ہے ۔ لیکن مولویوں اور پیروں کو کھلی چھٹی ہے ۔ کہ وہ کامل اور مکمل دینِ اسلام کے اندر مسئلے بنائیں ۔ دین کے کارِ ثواب مقرر کریں ۔ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ۔ جن کا اللہ نے کوئی حکم نہیں دیا تو محدِث یعنی بدعتیں ایجاد کرنیوالا نہ صرف بدعت کے جرم کا ہی مرتکب ہوتا ہے بلکہ شریعت سازی کر کے شرک کا جامِ غسلین بھی پیتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ شریعت سازی اور احداث فی الدین کے جرم سے سخت ناراض ہوتا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ـــ اور اگر نہ ہوتی بات فیصل کرنے کی تو حکم کیا جاتا درمیان ان کے " یعنی اگر

فیصلے کے لئے۔ پوچھ گچھ کے لئے قیامت کا دن مقرر نہ ہوتا تو ہم ان شریعت سازوں، اور محدثات کے موجدوں ــ بدعتیوں کا کام یہاں ہی، اسی دنیا میں ہی تمام کر دیتے۔ ان کو یہاں ہی کیفرِ کردار کو پہنچا دیتے۔ فی الفور ان کو سزا دے دیتے۔ آخر دنیا میں کب تک رہیں گے۔ ایک دن اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ "بیشک ظالموں کو دردناک عذاب ہوگا"

یعنی قیامت کو ان ظالموں ــ دین میں مسئلے گھڑنے والوں۔ شریعت سازوں، موجدینِ محدثات کو دردناک سزا ہوگی۔

بدعات نیک کام ہوتے ہیں

اوپر ہم بیان کر آئے ہیں کہ بدعات بظاہر نیک کام دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ عرس۔ کہتے ہیں کہ ہم بزرگوں کی قبروں پر جمع ہوتے ہیں۔ ان کا ذکرِ خیر کرتے ہیں۔ قرآن خوانی کرتے، دیگیں پکاتے اور ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ یہ سب نیک کام ہی تو ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا۔ (اور وہ ازلی دشمن سوچنے دیتا ہی نہیں) کہ یہ نیک کام ــ عرس وغیرہ حضورؐ نے کیوں نہیں بتائے۔ خود حضورؐ نے اپنے پیارے چچا حمزہ۔ حضرت حمزہؓ کا عرس کیوں نہ کیا۔ اور بہت سے صحابہؓ جو حضورؐ کی حیاتِ پاک میں شہید بھی ہوئے اور فوت بھی، ان کا عرس کیوں نہ کیا۔

جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس صحابہؓ نے

کیوں نہ کیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا عرس نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کا۔ حضرت عثمانؓ کا۔ حضرت علیؓ کا۔ عرس بھی نہ کیا گیا۔ ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہؓ میں سے کسی کا عرس نہ ہوا اور آج بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کسی کا عرس نہیں ہوتا۔ پھر یہ کس طرح نیک کام ٹھہرا؟ کس پر وحی ہوئی ہے کہ عرس باعثِ ثوابِ دارین ہے۔ یہ ہرگز موجب ثواب نہیں ہو سکتا بلکہ رسولؐ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث۔ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا۔ کے مطابق یقیناً احداث فی الدین ہے۔ بدعت ہے۔

یہ سب اُمور بدعات ہیں

اسی طرح تمام بدعات کے کام نیک کام ہی ہوتے ہیں۔ لیکن ہوتے ہیں اپنے ایجاد کردہ۔ مثلاً رسمِ قُل، یعنی تیجہ۔ ساتواں، دسواں، چالیسواں، ششماہی، برسی، عرس، گیارہویں کونڈے، نذر، نیاز لغیر اللہ، تقلید شخصی، قبر پہ اذان، ہزاری یا لکھی روزہ۔ دفن کے بعد قبر پر قرآن پڑھانا، معراج کا روزہ، شبِ معراج کو نوافل پڑھنے، نماز جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھنا، کھانا آگے رکھ کر ختم پڑھنا، روح ملانے کا ختم۔ بیوی فاطمہ کی صحنک۔ امام ضامن کے کونڈے بھرنا۔ امام ضامن کے نام کا پیسہ بچوں کے گلے میں ڈالنا۔ جمعرات کو مروجہ ختم دینا۔ میت کی اسقاط کرنا۔ اذان سے قبل صلوٰۃ پڑھنا۔ (یہ کارِ ثواب ابھی تین چار برس سے ایجاد ہوا ہے) قبروں کو غسل دینا۔ قبروں پر غلاف چڑھانا، قبروں پر چراغ جلانا۔ میت کی کفنی لکھنا،

میت کے ساتھ کفن میں عہد نامہ رکھنا۔ قبریں پختہ بنانا۔ قبروں پر مجاوری کرنا۔ قبروں پر قیام۔ اعتکاف۔ طواف۔ سجدے کرنا۔ دفن کے بعد قبرستان سے باہر نکل کر دعا مانگنا۔ بزرگوں کی قبروں پر جا کر رونا اور ان سے حاجتیں مانگنا۔ مشکلات میں اہل قبور کو پکارنا۔ غیراللہ کے نام کے وظیفے پڑھنا۔ جنازہ پڑھنے کے بعد میوہ سونگی وغیرہ بانٹنا۔ مروجہ مولود کرنا۔ نشان۔ علم اور تعزیہ بنانا تعزیہ کے نیچے سے گزرنا۔ تعزیہ پر روپیہ پیسہ وغیرہ چڑھانا۔ کنوئیں کی منڈیر پر حضرت خضر کا چراغ جلانا۔ بڑی گیارہویں۔ (یہ کارِ ثواب بھی ــ چار پانچ برس سے نکلا ہے) آخری چہار شنبہ کا ختم۔ وغیرہ۔

دیکھئے یہ سب کام بظاہر نیک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کارِ ثواب کہہ کر بجا لائے جاتے ہیں۔ پھر بتلائیے کہ کیا یہ نیک کام حضورؐ کے زمانہ میں، صحابہؓ کے زمانہ میں۔ تابعینؒ کے زمانہ میں۔ تبع تابعینؒ کے زمانہ میں پائے جاتے تھے؟ کیا ان زمانوں میں ان کا نام و نشان تھا؟ نہیں! ہرگز نہیں! ــ پھر یہ کام یقیناً بعد کی ایجاد ہوئے۔ اور جو امور' دین میں اپنی طرف سے ایجاد کئے جائیں اور ان کو کارِ ثواب کہیں۔ وہی کام بدعت ہوتے ہیں۔ پس امور بالا نو ایجاد فی الدین۔ محدثات اور بدعات ہیں اور بعض ان میں سے شرک ہیں۔ ان سب سے بچیں کہ محدثات اور بدعات کی لرزہ خیز سزائیں اور وعیدیں اوپر آپ پڑھ آئے ہیں۔

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئہ

کے متعلق

حضرت مجدّدِ الف ثانیؒ کا ارشاد

علماء نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم کی ہے۔ حسنہ اور سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین علیہ و علیہم الصلوٰۃ و السلام کے زمانہ کے بعد پیدا ہوُا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرتا ہو۔ لیکن یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا۔ ظلمت اور کدورت کے سوا کچھ مشاہدہ میں نہیں آتا۔ اگرچہ آج بدعتی کے عمل کو بصارت کے ضعف کے باعث تروتازہ دیکھتے ہیں۔ لیکن کل جب بصیرت تیز ہوگئی تو اس کا نتیجہ خسارت، اور ندامت کے سوا کچھ نہ نکلے گا ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق درشب دیجور

حضرت خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ جس نے ہمارے اس امر میں کوئی نئی چیز پیدا کی جو کہ اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ اور جو شے مردود ہو وہ حسن کہاں سے پیدا کر سکتی ہے۔ نیز آپؐ کا ارشاد ہے:-

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ وَ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَ کُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ۔

واضح ہو کہ اچھا کلام کتاب اللہ اور بہتر راستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ ہے۔ اور جملہ امور سے بدتر محدثات ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر ایک بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت جہنم میں لے جانے والی ہے۔

نیز آپؐ کا ارشاد ہے :۔

میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس کے احکام کو مانو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ حبشی غلام کی ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا۔ وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے تھامو۔ اسے نہایت مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو۔ اور نئے پیدا شدہ امور سے بچو۔ کیونکہ دین میں ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اب جب ہر محدث (نئی بات) بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت تو پھر کسی بدعت میں حسن کے کیا معنے ہوئے؟ جو کچھ کہ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کو رفع کرنے والی ہے۔ اس میں بعض کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ لہٰذا ہر بدعت سیئہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب کوئی قوم بدعت کو پیدا کرتی ہے۔ تو اس جیسی ایک سنت دور ہو جاتی ہے۔ پس سنت کا اختیار کرنا بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

حسانؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جس کسی قوم نے کسی بدعت کو جاری کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جیسی ایک سنت کو ان میں سے اٹھا لیا۔ اور قیامت تک اس سنت کو ان کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔

چند بدعات کی نشان دہی

جاننا چاہیئے کہ بعض بدعات جنہیں علماء و مشائخ نے سنت سمجھ رکھا ہے۔ جب ان میں اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سنت کو رفع کرنے والی ہیں۔ مثلاً

میت کے کفن میں عمامہ کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت سنت کی رافع ہے۔ عدد مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی ہے اور نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے۔

اسی طرح مشائخ نے :۔

شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے۔ حالانکہ سنت یوں ہے کہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ بدعت سنت کی رافع ہے۔

اور ایسے ہی وہ امر ہے۔ جسے علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن سمجھا ہے۔ یعنی ارادہ دلی کے باوجود زبان سے بھی نیت

کہنا۔ حالانکہ حضورؐ سے اس کا ثبوت کسی صحیح یا ضعیف روایت سے نہیں ہے۔ نہ اصحاب کرام نے یوں کہا ہے۔ بلکہ جب اقامت کہتے تھے۔ فقط تکبیر تحریمہ فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کا ادا کرنا بدعت ہے۔ اور اس بدعت کو حسنہ کہا جاتا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت رفع سنت تو بجائے خود رہا، فرض کو بھی رفع کرتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی تجویز میں اکثر لوگ زبان ہی پر کفایت کر لیتے ہیں اور دل کی غفلت کا ڈر نہیں رکھتے اور یوں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض یعنی نیتِ قلبی متروک ہو جاتا ہے اور یہ ترک نماز کو فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔

تمام بدعتوں کا یہی حال ہے کہ وہ سنت پر زیادتی ہیں۔ خواہ کسی طرح کی ہوں اور زیادتی نسخ ہوتی ہے اور نسخ رفع ہے۔ پس آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر کمربستہ رہیں اور اصحاب کرامؓ کی اقتداء پر کفایت کریں۔ کیونکہ وہ ستاروں کی مانند ہیں اور ان کے پیچھے چلنا ہدایت پانا ہے۔ قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتے ہیں۔ کسی زائد کو ثابت نہیں کرتے۔ داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ وَالسّلام علیٰ من اتبع الھدٰی والتزم متابعۃ المصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتسلیمات۔

(مکتوب ۱۸۶ بنام مفتی خواجہ عبدالرحمٰن کابلی دفتر اول)

جب تک بدعتِ حسنہ سے بدعتِ سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں۔ تب تک اس دولت (اطمینانِ نفس) کی بو مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی۔ آج بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان بدعت کے دریا میں غرق ہے۔ اور بدعت کے اندھیرے میں پھنسا ہوا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے۔ اور سنت کو زندہ کرنے کا دعویٰ کرے۔

(مکتوب ۵۴ بنام سید محمد شاہ دفتر دوم)

بدعتی کی تعظیم اسلام کو گرانا ہے

سعادت مند وہ شخص ہے جو اسلام کی غربت میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے۔ اور مستعملہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو دور کرے۔ اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیرالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدبعثت کو ہزار سال ہو گئے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈال رکھا ہے۔ عہدِ نبویؐ کے بُعد کی وجہ سے سنت پوشیدہ ہو گئی ہے اور جھوٹ کے ظہور کی بدولت بدعت کی جلوہ گری عام ہے۔ لہٰذا اب ایک ایسے جواں مرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا اُجرا دین کی بربادی کا موجب ہے۔ اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہو جو انہوں نے بدعت کی بعض صورتوں کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلے میں ان سے موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کی کسی فرد کو حسنہ

نہیں جانتا۔ بلکہ ظلمت اور کدورت کے سوا اس میں کچھ محسوس نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔ سلامتی سنت کی متابعت پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حصول پر وابستہ ہے۔ ہر بدعت کو یہ فقیر کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو اسلام کی بنیاد کو کاٹ رہی ہے اور سنت کو روشن ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت دکھا رہی ہے۔ حق تعالیٰ وقت کے علماء کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں۔ خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔

(مکتوب بنام خواجہ محمد عیسےٰ۔ دفتر دوم)

علماء بد دین کے چور ہیں

گذشتہ زمانے میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء ہی کی کم بختی سے ظہور میں آیا تھا۔ علماء بد دین کے چور ہیں۔ (یعنی بدعتی علماء) ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہوتا ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ، ریاست اور بزرگی حاصل کریں۔ اللہ تعالےٰ ان کے فتنے سے بچائے۔ البتہ علماء میں سے جو بہتر ہیں وہ سب مخلوق سے اچھے ہیں۔ (مکتوب ۱۹۴ بنام صدر جہاں۔ دفتر اول)

بدعتی کی صحبت کا نقصان

یقینی طور پر تصوّر فرمائیے کہ بدعتی کی صحبت کا فساد اور نقصان کافر کی صحبت کے فساد سے بدتر ہے اور تمام بدعتی فرقوں

ہیں بدتر اس گروہ کے وہ لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ساتھ بُغض رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کفار کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحابؓ ہی نے کی ہے۔ اگر ان کو مطعون کریں گے تو یہ طعن قرآن اور شریعت تک جا پہنچے گا۔

(مکتوب بنام شیخ فرید دفتر اوّل)

شیطان کے مکروفریب

خاص و عام اس زمانے میں نوافل ادا کرنے میں اہتمام کرتے ہیں۔ اور فرائض کے ادا کرنے میں سستی برتتے ہیں۔ روز عاشورہ، شبِ برات، ماہِ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہِ رجب کے اوّل جمعہ کی رات کو جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے۔ بڑا اہتمام کرتے ہیں اور نوافل کو بڑی جمعیت سے جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اسے مستحسن خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ یہ شیطان کے مکروفریب ہیں جو سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

(مکتوب ۲۸۸ بنام سید امین۔ دفتر اوّل)

آپ نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے ارشادات بدعت کی شناخت میں پڑھ لئے ہیں۔ پھر بدعت سے کوسوں دور رہیں۔ بعض اہل بدعت کہتے ہیں کہ تراویح باجماعت بدعتِ حسنہ ہے۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے۔ هٰذِهِ تَسْمِيَةٌ لُغْوِيَّةٌ لَا شَرْعِيَّةٌ۔ یہ لغوی اطلاق ہے نہ شرعی۔ واضح

ہو۔ کہ تراویح باجماعت ادا کرنا حضورؐ سے ثابت ہے۔ اس کی اصل سنت میں موجود ہے۔ چند دن پڑھا کر فرض ہو جانے کے خوف سے حضورؐ نے فرمایا۔ جاؤ اپنے گھروں میں پڑھو۔ یہ خطرہ وفات کے ساتھ جاتا رہا۔ پھر حضرت عمرؓ نے تراویح باجماعت مسجد میں حضورؐ کی سنت کے عین مطابق شروع کرادی۔ یہ احیاء سنت ہوا۔ جو سو شہید کے ثواب کے برابر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ذاکرین پر غصہ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد (کوفہ) میں ایک نیا کام ہوتا دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر دی کہ چند لوگ مسجد میں حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک ان میں سے کہتا ہے۔ کَبِّرُوْا مِائَۃً سو دفعہ اللہ اکبر پڑھو۔ وہ سنگریزوں پر سو دفعہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے۔ ھَلِّلُوْا مِائَۃً سو بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھو۔ وہ سو بار پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے۔ سَبِّحُوْا مِائَۃً سو بار سُبْحَانَ اللہ پڑھو وہ سب مل کر سو بار پڑھتے ہیں۔ یہ خبر سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ موقع پر پہنچ گئے اور ان لوگوں پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

تم یہ کیا کر رہے ہو۔ وہ بولے۔ اے ابا عبدالرحمٰن ہم سنگریزوں پر تکبیر، تہلیل اور تسبیح شمار کرتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ تم اپنی برائیاں شمار کرو۔ نیکیوں کا میں ضامن ہوں۔ کہ وہ ضائع نہیں ہوں گی۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمدؐ! تم کس قدر جلد برباد ہو رہے ہو۔ ابھی تو رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم کے بہت صحابہؓ موجود ہیں۔ ابھی تو حضورؐ کے کپڑے بھی بوسیدہ نہیں ہوئے۔ ابھی تو حضورؐ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یا تو تمہارا طریقہ محمدؐ کے طریقے سے بہتر ہے۔ یا تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔ وہ بولے۔ اے ابا عبدالرحمٰن! ہم تو خیر کا ارادہ رکھتے ہیں (یعنی ثواب کی نیت سے ہم تکبیر، تہلیل اور تسبیح پڑھ رہے ہیں) عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ ہاں ہاں نیکی کا ارادہ رکھنے والے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو (بوجہ احداث اور ابتداع کے) نیکی حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر آپ ناراضگی سے وہاں سے چلے گئے'' (مسند دارمی ۔مسند احمد)

غور فرمائیں کہ مسجد کے اندر یہ لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھے اللہ کا خالص ذکر کر رہے ہیں۔ صحابیٔ رسولؐ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ کر ناراض ہوئے۔ کیونکہ اس ہئیت میں یعنی حلقہ باندھ کر مسجد میں بیٹھ کر کنکریوں پر ذکرِ الٰہی کرنا حضورؐ کی زندگی میں نہ ہُوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے منع کرنے پر انہوں نے کہا کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں نیک کام ہی احداث اور ابتداع کی صورت میں برباد ہو جاتے ہیں۔

حضرات! آج بھی جتنی بدعتیں جاری ہیں، جب ان سے منع کیا جاتا ہے تو اہلِ بدعت یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو

نیک کام کر رہے ہیں۔

خبردار! یاد رکھیں کہ نیک کام صرف وہی ہے جو حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یا کرنے کو کہا۔ جو کام حضورؐ نے نہ کیا، نہ کرنے کو فرمایا۔ نہ اس کا وجود صحابہؓ کے زمانہ میں تھا۔ وہ کام ہرگز ہرگز نیک نہیں ہو سکتا۔ اس کام کو ہی بدعت کہتے ہیں۔ پھر ایجاد کردہ نیک کام سے بچو!

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے مسجد میں حلقہ باندھ کر کنکریوں پر تسبیحیں پڑھنے پر ذاکرین کو روکا اور ڈانٹا۔ مسلمان بھائیو! سوچو کہ بالفرض اگر وہ صحابئ رسولؐ آج آجائیں اور عرسوں، قوالیوں، تیجوں، دسووں، چالیسووں، ختموں، درودوں، مولودوں، گیارہویں، کونڈوں اور صدہا اور بدعتوں کو دیکھیں تو کیا کریں؟

بھولئے نہیں، کہ بدعت ہونا ہی نیک کام ہے اور یہ نیک کام بدعت قرار پاکر اس لئے مردود اور بدعتی سزاوارِ عذاب ہو جاتا ہے کہ اس نیک کام پر ضرب محمّدی نہیں ہوتی۔ وہ سکّہ مدینہ کی ٹکسال سے ڈھلا نہیں ہوتا۔

شیطان کا کارگر حربہ

شرک اور بدعت کے کاموں کو عنداللہ نیک سمجھنا بڑی بدبختی ہے۔ ایسے شخص پر شیطان پوری طرح کامیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اِبْلِیْسَ قَالَ اَھْلَکْتُھُمْ بِالذُّنُوْبِ فَاَھْلَکُوْنِیْ

بِالْاِسْتِغْفَارِ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذٰلِكَ اَهْلَكْتُهُمْ بِالْاَهْوَآءِ فَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ فَلَا يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (ترغیب ترہیب)

فرمایا حضورؐ نے کہ شیطان نے کہا "ہلاک کیا میں نے لوگوں کو ساتھ گناہوں کے۔ پس ہلاک کیا انہوں نے مجھ کو ساتھ استغفار کے۔ پس جب دیکھا میں نے یہ (کہ اس طرح کام نہیں بنتا) تو ہلاک کیا میں نے ان کو ساتھ خواہشوں کے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں اور (گناہوں سے) بخشش نہیں مانگتے۔"

یعنی شیطان نے انسان سے گناہ کرائے اور خوش ہؤا کہ میں نے اس کو ہلاک کر دیا ہے۔ اب یہ دوزخ میں جائے گا۔ لیکن اس آدمی نے خدا سے ڈر کر توبہ کر لی تو اس کا گناہ معاف ہو گیا۔ پس شیطان کی محنت رائگاں گئی۔ گویا وہ آپ ہلاک ہو گیا۔ پھر شیطان بڑا حیران اور پریشان ہؤا کہ کیا کروں۔ میں بندوں کو گناہوں سے ہلاک کرتا ہوں اور وہ مجھ کو توبہ سے ہلاک کرتے ہیں۔ پھر اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد انسان کو ہلاک کرنے (جہنم میں پہنچانے) کے لئے ایک اور حربہ نکالا۔ اور اس سے لوگوں کو ہلاک کرنے میں خوب کامیاب ہو گیا۔ کہنے لگا۔ ہلاک کیا میں نے لوگوں کو ساتھ اَہوا کے۔ یعنی اَہوائے محدثات کے۔ نئے نئے مسائل کی خواہشات اور نئے نئے نیک کاموں کی آرزوؤں کے ساتھ۔

برائیوں کو نیکی جاننا تو شیطان ایسی ایسی خواہشیں، اور

آرزوئیں دلاتا ہے کہ ان کی خوبصورتی، جاذبیت اور کشش سے آدمی لٹو ہو جاتا ہے۔ اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی محبت کے شہد میں شرک کا زہر ملا کر بدعت کے جامِ زرنگار میں ڈال کر جب اپنے دوستوں کو پلاتا ہے تو وہ ہر جرعہ پر سر دھنتے۔ کلمہ کا وِرد کرتے، دیوانہ وار عرس پر حاضر ہو جاتے ہیں۔ یا داتا کا نعرہ مارتے سجدے میں گرتے، روتے، چیختے اور پکارتے ہیں۔ حل کر مشکل میری داتا۔ حل کر مشکل میری ــ یہ ہَوا کی صنعت گری ہے کہ بزرگ کی قبر پر لاکھوں روپے کے خرچ سے عمارت بنائی جاتی ہے سنگِ مرمر، چپس، لگاتے اور طرح طرح کے سامانِ آرائش سے قبر کو مزیّن کرتے۔ ریشمی زرق برق غلاف چڑھاتے، اگربتیاں سلگاتے اور پھولوں سے بساتے ہیں۔ ھَوا ہی کا کرشمہ ہے کہ منوں[1] عرق گلاب سے قبر کو غسل دیتے اور وہ عرق تبرک کے طور پر گھروں کو لے جاتے ہیں، برکت کے لئے پانی میں ملا کر پیتے۔ مریضوں کو شفا کے لئے دیتے، اور بخشش کے لئے مُردوں پر ترشح کرتے ہیں۔ فَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ پس وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ (بڑا نیک کام کر رہے ہیں)۔ وَلَا يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ اور (اس کام پر جو شرک اور بدعت کا سربفلک پہاڑ ہے) استغفار نہیں کرتے۔

پس شیطان اِس حربہ اَھْوَا سے ذریّتِ آدم کو ہلاک کرنے

---

[1] یہ خبر ریڈیو اسٹیشن پر نشر کی گئی کہ داتا صاحبؒ کے مزار کو پندرہ مَن عرق گلاب سے غسل دیا گیا ہے۔ (شاباش سپوتو!)

میں کامیاب ہوگیا۔ شرک اور بدعت کے جہنم[1] بدوش کاموں کو نیک کام، بڑے ہی نیک کام دکھا کر ان پر عمل کراتا اور لوگوں کو ٹھکانے لگاتا ہے۔ دوسرے گناہوں مثل چوری، زنا، شراب نوشی وغیرہ پر تو لوگ نادم ہوکر توبہ کرکے بخشے جاتے ہیں لیکن مذکورہ "نیک کاموں" پر تو لوگ کبھی توبہ کا نام تک نہیں لیں گے۔ کیونکہ ہوائے بدعت نے ان کو یقین دلا رکھا ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں اور وہ نیک کام کر رہے ہیں۔ دیکھا اولادِ آدم کو دوزخ کا ایندھن بنانے کے لئے ابلیس نے کیسا لاجواب نسخہ تجویز کر ڈالا کہ سنت کے نور سے دُور ـــ دُور ـــ لوگ مرض کو شفا اور اجل کو دوا سمجھ رہے ہیں۔

عرسوں کا ثوابِ دارین ملک میں عرسوں کے نیک کام کی بڑی دھوم دھام ہے۔ بڑے زور شور سے اعراس منائے جاتے ہیں۔ اور اس ثوابِ دارین کے خوانِ یغما پر لاکھوں مریدوں کا ہجوم علی الرغم سنت شہید جفا ہے۔ پاک پٹن میں بہشتی دروازہ کی بدعِ مبین مدینۃ الرسولؐ کے تقدس کا منہ چڑا رہی ہے۔ اور ءَاَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ کی تحذیر سے بےخوف دو اڑھائی لاکھ جہال ہر سال اپنا دین و ایمان رسومِ عرس کی تذر کرکے بہشتی دروازہ سے گزرتے اور بغاوتِ واحد القہار

---

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کل محدثۃ بدعۃ۔ ہر نیا کام دین میں بدعت ہے، وکل بدعۃ ضلالۃ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ وکل ضلالۃ فی النار۔ اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانیوالی ہے۔ پس بقول نبیؐ رحمت تمام بدعات جہنم بدوش ہیں۔

سے بہشت کی سند لیتے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ نہ مکہ مکرمہ میں اللہ نے کوئی بہشتی دروازہ بنایا کہ مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد اس دروازہ سے گزرو اور نہ ہی مدینہ منورہ میں ایسا کوئی بہشتی دروازہ بنایا گیا۔ لیکن پاک پتن میں باوا فریدؒ کی تعلیم کے خلاف دکانداروں نے ایک فرضی بہشتی دروازہ بنا کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا سامان بنا دیا اور پھر جیسا بہشتی دروازہ ہے ویسے ہی اس کو کھولنے والے ہیں۔

مسلمانو! اللہ کے عذاب سے ڈر جاؤ۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ کے تقدس سے پاک پتن کا تقدس نہ بڑھاؤ۔ تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں قرآن نازل ہوتا رہا اور جناب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اتنا عرصہ ام القرٰی میں چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے رہے۔ ان کے قدموں کے نشان آج تک دمک رہے ہیں لیکن وہاں کوئی ایسا دروازہ تیار نہ ہوا اور دس سال تک سیدؐ ولد آدم طیبہ کے غبارِ راہ کو فروغِ وادیٔ سینا بخشا ہے۔ پھر یہاں بھی کوئی ایسا دروازہ نہ بنا، تو آپ نے پاک پتن میں بہشتی دروازہ کا کیوں ڈھونگ رچایا ہے۔ سادہ لوحانِ امت کے ایمان کی بہار کیوں لوٹ رہے ہیں ؟ ۔ اپنے نفس کی آمد و شد کو ان کی جیبوں کی آکسیجن پر کیوں موقوف کر رکھا ہے ؟ آہ دیارِ حبیبؐ میں کوئی بہشتی دروازہ نہ بنا ۔ اور پاک پتن میں بہشتی دروازہ ! ۔ ع

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

بزرگوں کا ادب و احترام بجا۔ ان کی تعلیم پر عمل کرنا سعادتِ دارین۔ باوا فریدؒ ساری زندگی توحیدِ خداوندی کے نقوش اجاگر کرتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے دروازے پر جھکاتے رہے۔ ان کی تعلیم کے مطابق مسلمان کو قرآن و حدیث پر عمل کرنا چاہیئے خوانِ سنت سے کھانا اور خمِ توحید سے پینا چاہیئے نہ کہ ان کے مزار کی پوجا پاٹ کرکے ان کے نام کو بیچ بیچ کر کھانا چاہیئے۔ بقولِ اقبالؒ ؎

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

جعلی بہشتی دروازہ

مقامِ حدیبیہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہؓ سے ایک درخت کے نیچے جہاد کی بیعت لی۔ صحابہؓ کا خلوص و ایمان دیکھ کر اللہ نے فرمایا:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (پ۲۶ ع۱۱)

"البتہ تحقیق راضی ہوا اللہ مومنوں (صحابہؓ) سے، جس وقت بیعت کرتے تھے تجھ سے نیچے درخت کے۔"

یہ درخت کتنا مبارک ہے جس کے نیچے چودہ سو بہشتیوں نے بیعت کی۔ سرورِ کائنات جس کے نیچے جلوہ فرما ہوئے۔ وقت گزر گیا۔ رحمتِ عالمؐ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دورِ خلافت بھی ختم ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے دیکھا کہ لوگ اس درخت کو متبرک سمجھ کر وہاں بیٹھنے لگ گئے ہیں۔ اور اس جگہ لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس درخت کو جڑوں سے اکھیڑ ڈالا۔ اور اس جگہ کا نشان مٹا دیا۔ انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ ایسا نہ ہو، رفتہ رفتہ لوگ یہاں میلہ لگانا شروع کر دیں۔ حضورؐ کی بیٹھک کو متبرک سمجھ کر چومنے لگ جائیں۔ کیا آپ حضرت عمرؓ کو اس درخت کے اکھیڑنے پر معاذ اللہ بے ادب کہہ کر عاقبت برباد کریں گے؟ نہیں۔ توبہ! تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس متبرک درخت کو اکھیڑ دیا، جس کے نیچے رحمت للعالمینؐ تشریف فرما ہوئے تھے تو آپ کے پاس اس فتنہ و فساد کے دور میں بہشتی دروازہ بنانے کا کیا جواز ہے؟ اور کیوں آپ منادی کرکے اعلان کرکر لاکھوں آدمیوں کو وہاں اکٹھا کرتے ہیں؟

چونکہ یہ بہشتی دروازہ نہیں ہے۔ اسے بہشتی دروازہ کہنا جھوٹ ہے، دھوکا دینا ہے۔ لہٰذا حکومت اسے بند کرے اور مزار باوا فریدؒ کا وہ ادب و احترام بحال کرے جس کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ بلکہ تمام بزرگوں کے مزاروں پر وہ انتظام کرے، جو مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں کارفرما ہے

بہشتی دروازہ صرف رسول اللہ کھولیں گے

حشر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اولادِ آدم کے سردار ہوں گے۔ اور قبر سے سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے۔ حضورؐ ہی اوّل شفاعت کرنے والے اور اوّل

شفاعت قبول کئے گئے ہوں گے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:۔

قیامت کے دن میں بہشت کے دروازہ پر آؤں گا۔ پھر کھلواؤں گا میں۔ پس کہے گا نگہبان بہشت کا ۔ کون ہے تو؟ میں کہوں گا۔ میں محمدؐ ہوں۔ پھر کہے گا وہ کہ تیرے سبب حکم کیا گیا ہوں میں کہ نہ کھولوں میں دروازہ کسی کے لئے پہلے تیرے۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کے دربان کو حکم دے رکھا ہے کہ جب بہشت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے تو پوچھنا کہ کون ہو تم دروازہ کھٹکھٹانے والے؟ اگر جواب دینے والا کہے کہ میں محمدؐ ہوں تو دروازہ کھول دینا۔ اور اگر کوئی اور اولادِ آدم سے دروازہ کو دستک دے تو ہرگز نہ کھولنا۔ صرف محمدؐ کی دستک پر دروازہ کھولنا!

سبحان اللہ! کیا شان ہے جناب رحمت للعالمین کی کہ صرف آپ ہی بہشتی دروازہ کھلوائیں گے۔

معلوم ہوا کہ بہشتی دروازہ ایک ہی ہے جو جنابِ خواجہ بدر وحنین صلی اللہ علیہ وسلم کھولیں گے۔ پاک پتن میں بہشتی دروازہ بنا کر سال بسال اسے کھولنا اور خلقت کو اس سے گزارنا دین سے مذاق کرنا اور خلقِ خدا کو دھوکا دینا ہے۔



جنت البقیع میں بورڈ آویزاں ہے

جنت البقیع کا حال

جنت البقیع مدینہ منورہ کا قبرستان ہے جہاں دس ہزار صحابہؓ مدفون ہیں حضورؐ کی ازواج مطہرات، بیٹیاں اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ اور اہل بیت نبوت وغیرہم (سب پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں) آرام فرما ہوں۔ سب کی قبریں خام یعنی کچی ہیں۔ نہ قبے ہیں، نہ سنگِ مرمر۔ نہ چیپس نہ جھاڑ نہ فانوس۔ نہ کسی کا عرس نہ میلہ۔ نہ کہیں نذر نہ نیاز نہ چڑھاوا۔ نہ غلاف نہ اچھاڑ۔ نہ بکرا۔ نہ چھترا۔ نہ نقدی نہ دیگیں۔ نہ مرغی نہ انڈا۔ نہ دودھ نہ مکھن۔ نہ روپیہ پیسہ ڈالنے کے لئے کوئی صندوق۔ نہ کوئی منکر کا نہ رسم۔ نہ کوئی بدعت کا کام۔ نہ کوئی بہشتی دروازہ۔ چار دیواری سے قبرستان کی حد بندی کی ہوئی ہے۔ ایک مین گیٹ ہے۔ وہاں سپاہی کھڑا ہے۔ عورت کو داخل ہونے کی اجازت نہیں (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ اس لئے عورتوں پر پابندی ہے۔ مرد زیارت کے لئے اندر جاتے ہیں۔

راقم الحروف مؤرخہ ۲۶۔ مارچ ۱۹۶۹ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر بقیع غرقد (جنت البقیع کو کہتے ہیں) میں زیارتِ قبور کے لئے داخل ہوا۔ داخل ہوتے ہی سامنے ایک بورڈ آویزاں دکھائی دیا جس پر تین زبانوں (عربی۔ فارسی۔ انگریزی) میں عبادت ذیل مندرج تھی۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:-

زیارتِ قبور کی احتیاطیں

عربی:۔ الصّلوٰۃ عند القبور والتمسح بها ورمی النقود علیها لا تجیزه الشریعة الاسلامیة۔

فارسی:۔ نماز نزدیک قبرہا و مالیدن بدن بہ آنہا و انداختن مبلغہا بالائے آنہا در شریعت اسلامیہ ناروا باشد۔

انگریزی:۔ PRAYER AT GRAVES BLESSING BY TOUCHING GRAVES, AND OFFORING MONEY UPON THEM, ARE ALL AGAINST THE TENENTS OF ISLAM.

تینوں عبارتوں کا ترجمہ یہی ہے کہ :۔

"قبروں کے نزدیک نماز پڑھنا۔ قبروں سے بدن کا ملنا، (یعنی قبروں کو ہاتھ لگانا، بوسہ دینا، چومنا، چاٹنا وغیرہ) اور قبروں پر نقدی پھینکنا (یعنی روپیہ پیسہ وغیرہ چڑھاوا، نذر کرنا) شریعتِ اسلامی میں ناجائز ہے۔"

اللہ تعالیٰ سعودی حکومت کو تا قیامت قائم رکھے کہ اس نے ملک سے شرک اور بدعت کا قلع قمع کر رکھا ہے اور فتنہ قبور کو کچل دیا ہے۔ جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک میں جنت البقیع کا حال تھا، بالکل وہی حال تا حال قائم ہے۔ قبرستان میں سعودی پولیس پوری طرح نگرانی کرتی ہے کہ کوئی شرک اور بدعت کا کام قبرستان میں نہ ہونے

پاتے۔ مسجد نبویؐ کے ایک کونے میں حجرۂ عائشہؓ کے اندر تین قبریں ہیں۔ ایک سردارِ دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ دوسری حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی، تیسری حضرت عمرؓ کی۔ یہ کمرہ بند ہے۔ قبریں دکھائی نہیں دیتیں۔ باہر مسجد میں کھڑے ہو کر لوگ حضورؐ پر درود و سلام پڑھتے اور دونوں جنتی خلیفوں پر سلام بھیجتے ہیں۔ یہاں بھی پولیس کھڑی ہے۔ نہ نذر ہے نہ نیاز۔ نہ چڑھاوا۔ نہ بکرا۔ نہ چھترا۔ نہ سجدہ نہ سجود۔ نہ عرس نہ میلا۔ نہ کوئی بہشتی دروازہ۔ نہ کوئی نقدی کے لئے صندوق۔

مسلمان بھائیو! سوچو کہ کیا حضورؐ پر نور کی قبرِ پاک سے ہمارے ہاں کے بزرگوں کی قبریں بڑی عزت والی ہیں۔ کہ یہاں عرس ہیں۔ میلے ہیں۔ نذریں۔ نیازیں۔ چڑھاوے۔ سجدے۔ طواف بہشتی دروازے۔ غلاف۔ اکھاڑ۔ قبروں پر رونا۔ گڑگڑانا۔ اور حاجت روائیوں اور مشکل کشائیوں کے لئے عرضیں کرنا۔ اور یہ تمام باتیں نہ حضورؐ کے روضے پر، نہ خلفائے راشدین کے مزاروں پر، نہ جنت البقیع کے بہشتیوں کی قبروں پر، سرکاری محکمہ اوقاف کا فرض تھا کہ شریعت کے حکم کے مطابق وہ بزرگوں کی قبروں سے مذکورہ خرافات ختم کرتا۔ لیکن صد افسوس کہ یہ محکمہ خود آپ قبروں کا مجاور بن گیا ہے اور پہلے سے صدہا گنا زیادہ قبروں کا شرکیہ کاروبار بڑھ گیا ہے۔ محکمہ خود عرس کرواتا اور لاکھوں روپیہ قبروں کی آمدن سے اکٹھا کرتا ہے۔

جنت البقیع میں آویزاں بورڈ کی عبارتیں تو آپ اوپر پڑھ

چکے۔ اب لاہور حضرت علی ہجویری (جن کا مشرکیہ نام داتا[1] صاحب مشہور ہے) کی قبر کی عمارت سے باہر بازار میں دیوار کے ساتھ کھڑکیاں (WINDOWS) ہیں۔ (جس طرح ریلوے سٹیشن پر ٹکٹ لینے کے لئے کھڑکی ہوتی ہے)۔ ان کھڑکیوں پر تختیاں لگی ہیں۔ ایک تختی پر ہم نے خود پڑھا ہے۔" یہاں چھترا، نقدی، نذرانہ جمع کرائیں "۔ ایک کھڑکی پر یہ تختی تھی۔" یہاں سے تبرک وغیرہ حاصل کریں "

افسوس۔ حکومت نے تو ان کاموں سے منع کرنا تھا لیکن یہ شرک اور بدعت کا کاروبار حکومت کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ حکومت خود کروا رہی ہے۔ اب منع کون کرے؟

اللہ اکبر! اگر بکرے۔ چھترے اور ہزاروں روپے کے نذرانے جائز ہوتے۔ قبروں پر عرس میلے روا ہوتے۔ قبروں والوں سے مرادیں مانگنی درست ہوتیں تو جناب رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر ان باتوں کے لئے سب سے زیادہ حقدار تھی۔ خلفائے راشدین اور جنت البقیع میں مدفون ہزاروں بہشتیوں کی قبروں پر عرس ہوتے۔ چڑھاوے چڑھتے۔ نقدی کے انبار لگ جاتے۔ لیکن وہاں تو ان تمام باتوں کا (شرک اور بدعت

---

[1] حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں "علی خلق ترا داتا می گوید۔ و تو برحبہ اختیار نہ داری" اے علی! لوگ تجھے داتا (رازق) کہتے ہیں اور تو ایک دانہ پر اختیار نہیں رکھتا۔" گویا خود حضرت نے داتا کہلوانے سے بیزاری کا اظہار کیا ہے کہ داتا، رازق، خزانے بخشنے والا صرف اللہ ہے۔"

کے کاروبار کا) نام و نشان نہیں۔ سرور رسولاں صلے اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر حجرۂ عائشہؓ کے اندر کچی ہے۔ دوسری کچی قبروں کی طرح چھوٹی چھوٹی کنکریاں قدرے سرخ رنگ کی قبرِ اقدس پر پڑی ہیں۔ خدا کی قسم حضورؐ کی قبرِ مقدس کی ایک کنکری پر ہزاروں داتوں، لاکھوں معین الدین چشتیوں۔ کروڑوں نظام الدین اولیاؤں اور روئے زمین کے اربوں، کھربوں ولیوں، بزرگوں شہیدوں، قطبوں، ابدالوں، کی قبریں قربان، ہاں ہاں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ معنبر کی ایک ادنیٰ کنکری پر نثار۔ اور یہ نثار ان سب کے لئے باعثِ صد افتخار۔ تو جب یہ سب عبادت کے کام اس جنت بدوش۔ مشک آفریں۔ ضو ریز مرقد پاک کے لئے ناجائز ہیں۔ اور صاحبِ قبر فداہ ابی و امی خود ان امور سے بہ سختی تمام منع کر گئے ہیں۔ تو اعراسی علماء و مشائخ محکمہ اوقاف۔ اور گدی نشین حضرات کو کیوں خوفِ خدا نہیں آتا۔ کیوں احترام مرقد ختم نبیاں میں ان تمام شرکیہ اور بدعیہ رسموں اور کاموں کو بزرگوں کی قبروں پر بند نہیں کرتے؟

بنا نا نہ تربت کو میری صنم تم

دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی قبر کے بارے میں ارشاد فرما گئے ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ

عَلٰی قَوْمٍ نِ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِھِمْ مَسَاجِدَ ط (رواہ مالک مرسلا)

خداوندا! میری قبر کو بت بننے سے بچائیو۔ کہ اس کی عبادت کی جائے۔ ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) پر خدا کا سخت غضب نازل ہوّا، جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہیں بنایا۔"

حضورؐ نے اپنی قبر کے لئے دعا کی کہ اے اللہ! میری قبر کو بت بننے سے بچائیو کہ اس کی عبادت کی جائے۔ قبر، بت اس طرح بنتی ہے کہ قبر پر عبادت کے کام کئے جائیں جیسے قیام، طواف، سجدہ، اعتکاف، نذر نیاز، چڑھاوا، بکرا، چھترا، چاول کی دیگیں۔ نقدی وغیرہ۔ اہل قبر کو حاجتوں مصیبتوں اور مشکلوں میں پکارنا، وہاں رونا گڑگڑانا اور عرضیں کرنا یہ سب عبادت کے کام ہیں جو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں جب یہ کام کسی قبر پر کئے جائیں تو وہ قبر بوجہ عبادت کے بت بن جاتی ہے۔ حضور پر نورؐ نے ان ہی امورِ عبادت کے بارے میں اللہ سے دعا کی کہ میری قبر پر یہ کام نہ ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول کی اور اس وقت سے لے کر آج تک قبرِ اطہر پر مذکورہ امورِ عبادت سے کوئی کام نہیں ہوّا۔ اب امت کو حیا چاہیئے کہ جو کام راہ نوردِ جادۂ اسریٰ حضرت سیّد ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر (جہاں رحمت کی کہکشائیں نور بار ہیں) ناپید ہے، وہ کام بزرگوں کی قبروں پر زور شور سے یہ کیوں کر رہی ہے پھر ان کاموں کے نتیجہ سے بھی حضورؐ نے آگاہ کر دیا۔ فرمایا۔ کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کا سخت غضب نازل ہوّا۔ کیونکہ انہوں

نے انبیاء کی قبروں کو مساجد یعنی عبادت گاہیں بنایا۔ یعنی قبروں پر سجدے کرنے لگ گئے اور جو عبادت کے کام مسجد میں اللہ کے لئے خاص ہیں وہ کام قبروں پر کرنے لگے۔ وہی سجدے، طواف، نذر نیاز، عرس، میلے کرنے لگ گئے۔ ان کاموں کے سبب ان پر غضبِ خداوندی ٹوٹ پڑا۔ گویا امت کو حضورؐ نے متنبہ کیا کہ وہ ان کاموں سے پرہیز کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

میری قبر پر میلہ نہ لگانا

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا (ابوداؤد)

میری قبر کو عید نہ بنانا۔

یعنی میری قبر پر میلہ نہ لگانا۔ عید کی طرح سالانہ اجتماع نہ کرنا۔ تاریخ معین پر سال بہ سال عرس نہ کرنا۔ دیکھئے حضورؐ کی قبر پاک آج تک میلے اور عرس سے پاک ہے۔ مروّج عرسوں کی طرح دھوم دھام سے تاریخ معین سے وہاں کوئی میلہ نہیں ہوتا۔ لیکن تاجرانِ قبور آپ کی وصیت کو بالائے طاق رکھ کر بڑی دھوم دھام سے قبروں پر میلے لگاتے اور عرس رچا رہے ہیں۔ جن عرسوں کی کیفیت کچھ اس طرح ہے۔

عُرس کا منظر

ہر طرف خیمے لگے ہیں، دُور تک بازار ہے
یہ نمائش ہے، کوئی میلہ ہے یا تہوار ہے

کوئی بارات اس جگہ اتری ہے باصد کرّوفر
میں یہ سمجھا شامیانوں کی قطاریں دیکھ کر
یہ نفیری کی صدائیں یہ کٹوروں کی کھنک
یہ دھوئیں کے پیچ، یہ پھولوں کے گجروں کی مہک
نیم وا برقعے نگاہوں پر فسوں کرتے ہوئے
شوقِ نظارہ کو ہر لحظہ فزوں کرتے ہوئے

ہے یہ تقریبِ عقیدت، عرس ہے اِک پیر کا
کام کرتی ہے یہاں کی خاک بھی اِکسیر کا
اِک طوائف گا رہی ہے سامنے درگاہ کے
کیا مزے ہیں حضرتِ قبلہ سہاگن شاہ کے
ساز پر کچھ چھوکرے قوالیاں گاتے ہوئے
کنکری لیتے ہوئے، ہاتھوں کو بچکاتے ہوئے
رقص فرمانے لگے کچھ صاحبان وجد و حال
یہ کرامت شیخ کی ہے یا ہے نغمہ کا کمال
عورتوں کی بھیڑ میں نظارہ ٹھوکر کھائے ہے
اس ہجومِ رنگ و بو میں کب خدا یاد آئے ہے
مقبرے کی جالیوں پر عرضیاں لٹکی ہوئی
یہ وہ منزل ہے جہاں ہیں نیکیاں بھٹکی ہوئی
ان میں لکھا ہے ہماری جھولیاں بھر دیجئے
دردِ دل سن لیجئے، مشکل کشائی کیجئے
آپ اگر چاہیں تو ٹوٹے آئینوں کو جوڑ دیں

آندھیوں کو روک دیں، طوفان کے رُخ موڑ دیں
آپ کو اللہ نے سب کچھ دیا ہے اختیار
میرا گلشن بھی بہت دن سے ہے بے فصلِ بہار
پھول بٹتے ہیں کہیں اور دیگ لٹتی ہے کہیں
دل مچلتا ہے کہیں اور سانس گھٹتی ہے کہیں
یہ ملیدے یہ بتاشے، یہ مٹھائی کے طباق
یہ عقیدت کا تموّج، یہ وفورِ اشتیاق
چادریں چڑھتی ہوئی ڈھولک بھی ہے بجتی ہوئی
یہ مؤحد ہیں جو پوجا کر رہے ہیں قبر کی
کوئی سجدہ میں جھکا ہے کوئی مصروفِ طواف
تھام رکھا ہے کسی نے دونوں ہاتھوں سے غلاف
رو رہا ہے کوئی چوکھٹ ہی پہ سر رکھے ہوئے
ہیں کسی کے ہاتھ، بہرِ التجا اُٹھے ہوئے
دیکھتا ہی رہ تماشائی، زباں سے کچھ نہ بول
چادروں کی دھجیاں بکتی ہیں یاں سونے کے مول
ہُن برستا ہے یہاں چاندی اگلتی ہے زمیں
آخرت کی یاد اس جا پاؤں رکھ سکتی نہیں
ہے یہ تعلیم نبیؐ، فرمانِ قرآن کریم
ہے ہر اک بدعت ضلالت شرک ہے ظلمِ عظیم
بدعتوں ہی بدعتوں کی ہر طرف شیشہ گری
اس طرح تردید، فرمانِ رسولؐ اللہ کی

مدعی توحید کے اور شرک سے یہ ساز باز
اِک طرف قبروں پہ سجدہ دوسری جانب نماز
التجا، فریاد، استمداد، غیر اللہ سے
یہ نہیں ہے شرک تو پھر شرک کس کا نام ہے
تا بکجے یہ کھیل دنیا کو دکھایا جائے گا!
مضحکہ توحید کا کب تک اڑایا جائے گا!

(ماہر القادری)

قبروں کے عرسوں پر شرک اور بدعت کی وہ آندھی چلتی ہے جس سے توحید اور سنت کی فضا تاریک ہو کر رہ جاتی ہے۔ قبر پرستی سے جس قدر رحمتِ عالمؐ نے بہ سختی تمام منع کیا تھا، اسی قدر شدت سے آپ کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ اور قبروں کو مسجدیں اور عبادت گاہیں بنایا جا رہا ہے اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ سب دین کے مدعی کرتے اور عوام سے کرا رہے ہیں۔ دیکھئے حاملِ لوائے حمد خواجۂ دوسرا، شافع روزِ جزا، حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے عرسوں سے منع کیا ہے۔ کیا حضورؐ کے حکم سے، آپ کی مناہی سے باز آئیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

تین مساجد کے سوا مذہبی سفروں کی ممانعت

لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد۔ (بخاری مسلم)

"تین مسجدوں (بیت اللہ۔ مسجد نبویؐ۔ بیت المقدس) کے سوا کسی بھی جگہ (خدا کا قرب چاہنے کے لئے مذہبی)

سفر مت کرو۔"

اس فرمانِ رسولؐ سے تمام قبروں پر عرسوں کے لئے جانا قطعًا ناجائز ثابت ہوا۔ اور عرسوں پر جانے والے رحمتِ عالمؐ کے نافرمان ہوئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان یقینًا اللہ کے نافرمان ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

کان اھل الجاھلیۃ یقصدون مواضع معظمۃ بزعمھم یزورونھا و یتبرکون بھا وفیہ من التحریف والفساد مالا یخفٰی فسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفساد لئلا یلتحق غیر الشعائر بالشعائر ولئلا یصیر ذریعۃ لعبادۃ غیر اللہ والحق عندی ان القبر ومحل عبادۃ ولی من اولیاء اللہ والطور کل ذالک سواء فی النھی۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱)

یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے خیال سے متبرک مقامات کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ اس میں چونکہ غیر اللہ کی عبادت کا دروازہ کھلتا تھا، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کی جڑ کو بند کر دیا اور میرے نزدیک قبر اور اولیاء اللہ کی عبادت کی جگہیں اور کوہ طور (کے سفر) بھی اس میں داخل ہیں۔"

عُرسوں کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فتویٰ

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے سوائے تین

جگہوں، یعنی بیت اللہ۔ مسجد نبوی اور بیت المقدس کے باقی ہر جگہ کے مذہبی سفروں کو ناجائز قرار دیا ہے تاکہ غیر شعائر، شعائر سے نہ مل جائیں۔ انہوں نے قبروں، بزرگوں کی عبادت گاہوں، اور کوہِ طور کے سفر کو بھی صاف الفاظ میں ناجائز قرار دیا ہے۔ بلکہ بڑی سختی سے منع کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

من ذهب الى بلدة اجمير او قبر سالار مسعود او ماضاهاها لاجل حاجة يطلبها فانه اثم اثما اكبر من القتل والزنا وليس مثله الامثل من كان يعبد المصنوعات اومثل من كان يدعو اللات والعزٰى۔ (تفہیمات الٰہیہ۔ ج ۲)

جو شخص طلبِ حاجت کے لئے (خواجہ معین الدین چشتیؒ کی قبر پر) اجمیر جائے۔ یا سالار مسعود کی قبر اور ان جیسی اور قبروں پر جائے تو اس نے قتل اور زنا سے بڑا گناہ کیا۔ اور یہ (کام) ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی کسی مخلوق کی عبادت کی جائے یا لات اور عزٰی کو پکارا جائے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کا ایمان افروز فتوٰی آپ نے پڑھ لیا۔ جو انہوں نے حدیثِ شدِّ رحال سے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ انہوں نے بلا خوف لومہ لائم اجمیر کے عرس پر اور باقی تمام قبروں کے عرسوں پر جانے والوں کو بڑا گنہگار کہا ہے۔ اس گناہ کو قتل اور زنا سے بڑا گناہ بتایا ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے لات اور عزٰی کو پکارنے کی مانند قرار دیا ہے۔

علماء و مشائخ اور محکمۂ اوقاف کو خدا کے خوف سے رحمتِ عالمؐ کی حدیث لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ۔ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسی مجتہدانہ شخصیت (جن کے علم و فضل کا لوہا سارا جہان مانتا ہے) کے ارشاد پر سنجیدگی سے غور کرتے ہوئے لاکھوں انسانوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے عرس کا کاروبار بند کر دینا چاہیئے۔

عزازیلی ٹکسال کے سکّے

بدعت اتنی بُری چیز ہے کہ اسے شرک فی الرسالت کی پھٹکار کے باعث جہنم کا مقام حاصل ہے۔ یہ شیطان کا اتنا کارگر اور خوب صورت مہلک ہتھیار ہے کہ آدمی گردن کٹوانے کے لئے خود سر آگے کر دیتا ہے۔ ستم بدعت کی خوشبودار اور لذیذ ٹافیاں بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد، سب بڑے مزے سے چوستے ہیں۔ بڑی لذت سے کھاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ مٹھائی زہر آلود ہے اسے نہ کھاؤ۔ تو نادان بُرا مناتے اور ناصح سے لڑتے جھگڑتے ہیں اور یہ زہر ہلاہل اور زیادہ، اور زیادہ نذرِ کام و دہن کرتے ہیں ہاں تو جتنے "نیک کام" دین میں اختراع کئے ہوئے ہیں۔ جتنی بدعات ہیں — ان میں سے ہر بدعت اُس جذامی عجوزہ کی مانند ہے جس کا چہرہ مبروص کے داغوں کی دنیا لئے ہوئے چشمک زنِ حسنِ سیمبراں ہو۔ زالِ احداث کی عشوہ گری کے سراب میں مبتدع پیاس بجھانے آتا ہے تو اس کا لاشہ قوتِ زاغ و زغن ہوکر رہ جاتا ہے۔ "معملِ کارِ نو" سے جب کوئی ایجاد مذہبی دنیا

میں پہنچتی ہے۔ تو محدِث اسے حرزِ جان بنا کر اس کی محبت میں جان گنوا دیتا ہے۔ محدثات کی دلدل سے جب متعفن بخار اٹھتا ہے تو مبتدعین کے نفس کی آمد و شد کے لئے یہ آکسیجن کا کام دیتا ہے، ثوابِ دارین کے خانگی وعدوں کے سکے جب عزازیلی ٹکسال سے ڈھلتے ہیں، تو معلم الملکوت کی کابینہ کے وزراء انہیں مذہب کے بازار میں لاکر شاہی سکوں میں خلط کر دیتے ہیں۔ پھر جو ان سکوں سے کاروبار کرتا ہے وہ ٹوٹا پاتا اور خسارۂ آخرت اٹھاتا ہے۔

جب ایسا کاروبار کرنے والے ۔ کلمہ گویانِ امت حشر کے روز حوضِ کوثر کی طرف بڑھیں گے تو ساقیٔ کوثر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آسکیں گے کیونکہ درمیان میں رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔ (یُحَالُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَھُمْ۔) حضرت ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ (یہ پیاسے کیوں رہ گئے ہیں؟) اللہ رب العزت فرمائیں گے۔ اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ ۔" تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے (دنیا سے چلے آنے کے) بعد کیا کیا بدعتیں دین میں نکالی تھیں۔ دین میں کیا کیا نیک کام گھڑ کر جاری کئے تھے۔ پھر ان "کارخانہ داروں" اور "محنت کشوں" کو رسولِ داورِ محشر فرمائیں گے:۔

سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ۔ میرے دین کو بگاڑنے والو۔ دور ہو جاؤ۔ (بدعتیو!) دفع ہو جاؤ۔" (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑی تاکید سے فرمایا کرتے تھے۔

۔ اِتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْ فَقَدْ كُفِيْتُمْ ۔" اتباع کرو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا) یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ اور دین میں نئی نئی باتیں نکال کر بدعتی نہ بنو۔" (مسند دارمی)

عثمان بن حاضر ازدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اَوْصِنِیْ مجھے وصیت فرمایئے. آپ نے فرمایا۔ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَالْاِسْتِقَامَةِ اتَّبِعْ وَلَا تَبْتَدِعْ ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ۔ سیدھا چل۔ کتاب و سنت کا اتباع کر اور بدعتی نہ بن۔" (مسند دارمی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے۔ (مسلمانو!) تم ایسے بدعتی لوگوں (یعنی مولویوں و پیروں) کو پاؤ گے جو بظاہر تمہارے سامنے قرآن بیان کرنے کا دعویٰ کریں گے۔ حالانکہ خود انہوں نے قرآن مجید کو پس پشت ڈال رکھا ہوگا۔ تم ان سے دھوکا نہ کھانا. بلکہ آسمانی علم (قرآن اور حدیث) کو لازم پکڑنا۔ دین میں بدعتوں نئے مسئلوں، باریکیوں اور فلسفیانہ نکتوں سے پرہیز کرنا۔ ہر دینی کام میں پرانی روش صحابہ کرامؓ کی اختیار کرنا۔ جب کبھی دین میں نیا کام (خانہ کارِ ثواب) دیکھو۔ فوراً بچنا۔ نئی روشنی اور تاریکی کے لوگوں کو چھوڑ کر امر اول (قرآن اور حدیث) کو مضبوط پکڑنا۔

(مسند احمد۔ مجمع الزوائد)

حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ کو تمہارے حق میں بڑا خوف گمراہ کرنے والے پیشواؤں کا ہے۔" (دارمی شریف) •

نوٹ :۔ جو عالم بدعتوں کی تبلیغ کرتا ہے۔ محدثات الامور کو رواج دیتا ہے۔ وہ بڑا گمراہ کرنے والا، گمراہ پیشوا ہے۔ ایسے ہی تقلیدی علماء جو دانستہ خلافِ حدیث۔ اقوال لوگوں کو سناتے اور ان پر عمل کراتے ہیں۔ یہ بھی گمراہ پیشوا ہیں۔

مسلمانو! ایسے گمراہ اور ظالم مولویوں سے بال بال بچو۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی زبان پر اکثر یہ شعر رہتا تھا ؎

وَخَيْرُ اُمُوْرِ الدِّيْنِ مَا كَانَ سُنَّةً
وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ الْمُحْدَثَاتُ الْبَدَائِعُ

اور دین میں بہتر وہی کام ہے جو عین سنّت کے مطابق ہو۔ اور بدتر وہ کام ہے جو دین میں نیا نکالا ہوا ہو"

گیارھویں کی نیاز

پھر کیا حال ہوگا ان علماء اور ان کے اتباع کا جو محدثاتِ امور سے بچنے کی اس قدر سختی اور شناعت کے باوجود پھر دھڑلے سے سینکڑوں بدعتوں پر عامل ہیں اور منادیاں کرا کرا کر اور اشتہار دے دے کر خانہ ساز مسئلوں اور بدعتوں کی تبلیغ کرتے ہیں۔ پورا مہینہ مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر گیارھویں شریف کے چندہ کا اعلان ہوتا رہتا ہے۔ پھر گیارھویں تاریخ کو سارے چندہ کی مٹھائی یا حلوہ لاکر مسجد میں ختم پڑھتے ہیں۔ پھر اس تبرک کو تقسیم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے ثواب کا کام کیا ہے۔ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ بدعت کہتے ہی ثواب کے کام کو ہیں جو دین میں نیا نکالا

جائے۔ حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تو حضورؐ سے چند صدیاں بعد میں ہوئے ہیں۔ اور گیارہویں (ثواب کا کام) ان کی پیدائش سے چند صدیاں اور بعد میں نکلی۔ پھر اس کا دین سے کیا تعلق ہوا۔ جب کہ حضورؐ کی حیاتِ پاک میں اس کو کوئی جانتا نہ تھا۔ پھر یہ نیا نکالا ہوا مسئلہ خودی جاری کیا ہوا کارِ ثواب یقیناً بدعت ہوا۔

ثواب کی زیادہ ضرورت؟

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ نذر لغیر اللہ کتب فقہ میں حرام ہے۔ لِاَنَّ النَّذْرَ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لِغَیْرِ اللّٰہِ حَرَامٌ۔ "یعنی نذر عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔" تو پھر آپ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے نام کی کیوں نذر یا نیاز دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ان کے نام کی نذر نیاز نہیں دیتے۔ بلکہ ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

گزارش ہے کہ جب جواب نہیں بن پڑتا تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان کے نام کی نیاز نہیں دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نام ہی کی نذر نیاز دیتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے: حضرت پیر دست گیر کی نیاز یا نذر۔ اور یہ نذر یا نیاز بہ فتویٰ کتبِ فقہ حرام ہے۔

اَلْاِجْمَاعُ عَلٰی حُرْمَةِ النَّذْرِ لِلْمَخْلُوْقِ۔ (البحر الرائق)

یعنی تمام امت کا اجماع ہے کہ خدا کے سوا مخلوق میں سے کسی کی بھی نذر ماننی حرام ہے۔"

اور اگر نذر سے انکار کرکے ایصالِ ثواب کی طرف آئیں تو

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ثواب کی زیادہ ضرورت اُن لوگوں کو ہے جو بڑے گنہگار ہوکر مرے ہیں یا بزرگوں اور قطبوں کو ہے جو ایمان اور عمل کے لحاظ سے بڑے درجوں میں ہیں؟۔ صدقات و خیرات کے زیادہ حق دار "غریب" اور "مفلس" ہیں یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں جو دولتِ عمل و ایمان کے لاکھ پتی ہیں ۔۔ ؟ پھر آپ "مفلسوں" کی بجائے "مالداروں" کو ایصال ثواب کیوں کرتے ہیں؟

اس لئے کرتے ہیں کہ نذر لے کر یا ثواب پاکر جو حاجت روائیاں اور مشکل کشائیاں اِن بزرگوں نے (بقول ایشاں) اللہ سے کروائی ہیں، عامی مسلمان نذر و نیاز اور ایصالِ ثواب سے یہ کام اللہ سے نہیں کروا سکتے۔

الحاصل ایک گیارہویں پر ہی بدعت ختم نہیں ۔۔ بڑی گیارہویں شریف بھی نکل آئی ہے۔ ہم کس کس بدعت کو بار بار گنائیں۔ یاد رکھیں کہ وہ تمام محدثات الامور، دین میں کلھم نئے نکلے ہوئے کارہائے ثواب بدعت ہیں جن کا نام و نشان قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ تھا۔ مَالَیْسَ مِنْهُ

بِدعت لاعِلاج مرض ہے

احادیث میں جس قدر سنت کے اتباع پر زور دیا گیا ہے۔ بالکل اسی زور سے بدعات سے بچنے کا حکم آیا ہے۔ عام معصیت اور فعلِ بدعت میں دن رات کا فرق ہے۔ عام گناہ مثل چوری،

لہ (حاشیہ طذا) ایصال ثواب بیشک جائز ہے جبکہ نذر لغیر اللہ قطعاً حرام ہے۔

زنا، شراب خوری، قمار بازی وغیرہ ایسے گناہ ہیں کہ ان کے مرتکبین ان کو گناہ سمجھتے ہیں اور شرمندہ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن بدعتی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمتہ کے عرس پر جاکر وہاں نذر نیاز چڑھاکر، سجدہ، طواف کرکے، حاجتوں، مصیبتوں، اور مشکلوں کے لئے اہلِ قبر سے رو رو کر عرضیں کرکے جب لوٹ کر گھر آئے گا تو کبھی نہ کہے گا کہ یا اللہ میری توبہ۔ بلکہ جانے گا کہ وہ بڑا نیک کام کرکے آیا ہے۔ لوگ اس کا استقبال کرینگے اور اسے سینے سے لگائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعتی کا مرض بڑا خطرناک اور سو فی لاعلاج ہے۔ اور شیطان بدعت کو ایجاد کرکے اپنے مقصد میں بڑا کامیاب ہے۔ از حد خوش وخرم ہے۔ ادھر بدعت کے مے نوش بھی "ایجادِ نو" کی پُلِ صراط پر چڑھ کر بڑے ہی خوش ہوتے ہیں کہ وہ جنت میں جانے والے کام کر رہے ہیں۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ (پ۱۶ ع۳)

(اے میرے پیارے رسولؐ) کہہ دے۔ کیا خبر دیں ہم تمہیں ان لوگوں کی جو عملوں میں بہت خسارا پانے والے ہیں۔ (سنو!) وہ لوگ ہیں کہ کھوئی گئی ان کی کوشش دنیا کی زندگی میں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں"۔

غیر مسنون اعمال

ثابت ہوا کہ جو کام، جو عمل ہو بہو سنت خیر الانام کی طرح کیا جائے گا۔ وہی قبول

ہوگا۔ وہی ترازو میں تلے گا۔ غیر مسنون اعمال سب کے سب مردود قرار دیئے جائیں گے۔ ان کا کوئی، کوئی قدر اور کوئی قیمت نہ ہوگی۔ اور جو بدعات کے نیک کام ہوں گے وہ جہنم میں لے جائیں گے۔ کیونکہ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ ہر بدعت گمراہی ہے۔ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ اور ہر گمراہی دوزخ رسا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ۝ (پ ۳۰ ع ۱۳)

"عمل کرنے والے، محنت کرنے والے، داخل ہوں گے۔ آگ جلتی میں"

یعنی جن لوگوں کے نیک اعمال شرک کے ساتھ خلط ہونگے یا بدعت کے ساتھ ملوث۔ یا علی الرغم سنت ہوں گے یا نری بدعتیں ہوں گی۔ خواہ ان لوگوں نے تمام عمر بڑی محنت مشقت اور ریاضت کی ہوگی۔ انہیں یہ اعمال کچھ فائدہ نہ دیں گے۔ بلکہ عند اللہ برباد ہوں گے۔ اور ایسے عامل داخل جہنم ہونگے۔

نقل مطابق اصل

مسلمان بھائیو! ڈر جاؤ۔ خوفِ خدا سے لرز جاؤ۔ اس طرح ڈرو اور لرزو۔ کہ دین کا ہر کام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کیمطابق کرو۔ آپ ہی کے اتباع اور پیروی میں کرو۔ اسوہ پاک کی روشنی میں بجا لاؤ۔ جس طرح کسی دعوے کی نقل مطابق اصل (مسل) (TRUE - COPY) کام دیتی ہے۔ ہر جگہ مانی جاتی ہے۔ اسی طرح یقین جانیئے کہ دعوئ اسلام کی مکمل مِسل

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جو اصل ہے۔ امت کو خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اس اصل کی نقل کرے۔ پھر جس شخص کی ہر ہر عمل کی نقل مطابق اصل (یعنی سنت کے مطابق) ہوگی، وہ نقل قیامت کے روز مانی جائے گی۔ اس پر اجر اور ثواب ملے گا۔ ہاں۔ تو اپنے اعمال کی نقل مطابق اصل (TRUE COPY) رکھنے والا جنت الفردوس میں جائے گا۔ دیکھئے ارشادِ خداوندی ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ○ (۲۶ ع ۷)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسولؐ کی۔ اور (خلافِ سنت طریق پر چل کر) اپنے اعمال برباد نہ کرو؛

وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ سے صاف ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اتباع، پیروی، طریقے، اسوہ، سنت اور حدیث کے خلاف کوئی عمل قبول نہ ہوگا بلکہ باطل، برباد اور غارت جائے گا۔ تقلیدِ جامد کے فتراک کے نخچیر گوشِ ہوش سے سماعت فرمائیں کہ وہ۔ احادیث کے خلاف جن اقوال پر عمل پیرا ہیں۔ وہ فی الفور تائب ہو کر عامل بالحدیث ہو جائیں اور مغائرِ احادیث اقوال کو چھوڑ دیں۔ اور اگر وہ دانستہ۔ احادیث کے مقابلہ میں اصنام آرائے رجال کے عاکف رہے، تو نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ کا غیر مرئی ہاتھ انہیں

دھکیلتے دھکیلتے وادیٔ میزان میں پہنچا دے گا۔ اور سَاءَتْ مَصِيْرًا کا الاؤ عذاب کی شدت میں اضافہ کرے گا۔ بھولئے نہیں کہ حضرت سید ولد آدم۔ سیدالمرسلینؐ کے مقابلہ میں غیر نبی کی اطاعت شعلہ زن جہنم ہے ؎

کیفِ امروز بنا تلخی کا سبب
ٹوٹے پلکوں پہ ستارے کہ چراغاں نہ ہوا (ثمرؔ)

نیک عمل کے لئے سنّت کی سند شرط ہے

یاد رکھیں کہ نیک عمل وہی ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کیا۔ قَالَ أَوْ فَعَلَ۔ قرآن مجید میں ہے :-

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ (پ۱۵ ع۲)

اور جو ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور سعی کرتا ہے واسطے اس کے جو سعی اس کی ہے۔ اور وہ ایمان والا (مُوحد) ہے۔ پس ایسے لوگوں کی سعی کی قدر کی جائے گی۔"

اس آیت میں سعی یعنی نیک عمل وہی مشکور ہوگا، وہی مقبول اور باعثِ اجر ہوگا جو سنت کے مطابق ہوگا۔ یہاں سَعْيَهَا میں سعی مضاف ہے۔ اور مصدر کی اضافت تعیین کے لئے ہوتی ہے۔ پس سعی یا نیک عمل وہی بار آور ہوگا جو سنت کی سند رکھتا ہوگا۔ جو سنت کے مطابق ہوگا۔ یعنی سعیٔ معین ہی مشکور ہوگی۔ جس عمل پر سنت کی مہر نہ ہوگی۔ فَلَا نُقِيْمُ

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ ایسے اعمال کے لئے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن کچھ بھی وزن قائم نہ رکھیں گے"۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی سند کے بغیر کئے ہوئے پہاڑوں برابر نیک اعمال داورِ محشر کے حضور محض بے وزن ہوں گے، بالکل بے قدر ٹھیریں گے۔

خداوندا! جس روز دنیا میں پہلی بارش ہوئی تھی اور آج تک جتنی بارشیں ہو چکی ہیں، اور قیامت تک جتنی بارشیں ہوں گی، ان سب بارشوں کے قطروں کے برابر اپنا درود و سلام بھیج حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک پر، جن کی سنت کی سند سے ہمارے نیک اعمال تو قبول کرے گا۔ بارشوں کے قطروں سے اربوں گنا زیادہ اپنی رحمتیں رحمت للعالمین پر نازل فرما، جنہوں نے تیرے قرآن عملی شکل میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اگر حضور کا عمل بالقرآن ۔۔ (سنّت) ۔۔ ہمیں نہ ملتا تو ہم قرآن پر کچھ عمل نہ کر سکتے۔ اور اگر ہر شخص اپنی اپنی مرضی اور اپنی اپنی رائے سے قرآن پر عمل کرتا تو سیدھا جہنم میں جاتا۔ یہ ہمارے رسولِ برحق ہی تو ہیں (فداہ ابی و امی) کہ جن کے قدموں کے نقوش ہمیں جنت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ جن کی سنت کا نور ہماری پیشوائی کرتا ہے۔ سچ ہے ؎

گر نقشِ قدم تیرے مشعل نہ بنے ہوتے
راہرو بھی لٹا ہوتا، راہبر بھی لٹا ہوتا

یہ مضمون سنت کی حمایت اور بدعت کی شناخت میں چل رہا ہے۔ جس قدر سنت پر عمل کرنے کے لئے حضورؐ نے زور دیا ہے۔ اسی قدر بدعت سے بچنے کے لئے تاکید فرمائی ہے۔ بدعت سے کنارہ کشی اس لئے ضروری ہے کہ بدعتی کا کوئی عمل قبول ہی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔

پھر بڑی احتیاط سے دین کی راہ چلئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ نیکیاں کر رہے ہوں اور وہ نیکیاں اللہ تعالیٰ کو غضب میں لا رہی ہوں۔ کیونکہ محدثات الامور نیکیاں ہی ہوتی ہیں جو سنت کے نور سے بے نور ہوتی ہیں۔

بے سندِ سنّت نماز

اَنَّ رَجُلاً یَوْمَ الْعِیْدِ اَرَادَ اَنْ یُّصَلِّیَ قَبْلَ صَلٰوۃِ الْعِیْدِ فَنَهَاهُ عَلِیٌّ فَقَالَ رَجُلٌ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ لَا یُعَذِّبُ عَلَی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ عَلِیٌّ وَاِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ لَا یُثِیْبُ عَلٰی فِعْلٍ حَتّٰی یَفْعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ یَحُثَّ عَلَیْهِ فَتَکُوْنُ صَلٰوتُكَ عَبَثًا وَالْعَبَثُ حَرَامٌ فَلَعَلَّهٗ تَعَالٰی یُعَذِّبُكَ لِمُخَالَفَتِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔ (مجمع البحرین)

(ترجمہ) ایک شخص نے نمازِ عید سے پہلے نماز (نافلہ) پڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو منع کیا۔ وہ کہنے لگا۔ امیرالمؤمنین! میں جانتا ہوں کہ

اللہ نماز پر عذاب نہیں کرے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل پر ثواب نہیں دے گا۔ جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ اور نہ اس پر ترغیب دلائی ہو۔ پس تیری نماز عبث ہوگی۔ اور عبث کا کرنا حرام ہوتا ہے۔ پس شاید اللہ تعالےٰ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر عذاب کرے۔"

عبث اور حرام نماز

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے صاف ثابت ہوا کہ جو دین کا کام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو اور نہ اس پر رغبت دلائی ہو، اس کا کرنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ حضرت علیؓ نے اس وقت نماز پڑھنے کو اس لئے مخالفتِ رسولؐ کہا کہ یہ سنتِ ترکیہ کے خلاف ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا، یعنی ترک کیا، یہ ترک کرنا بھی حضورؐ کی سنت ہے۔ پس جتنے نئے کام کارِ ثواب کے لبیل سے دین میں رائج ہیں، جو نہ حضورؐ نے کیئے، نہ کرنے کو کہا۔ نہ صحابہؓ نے کیئے۔ ایسے تمام کام حرام اور بدعت ہیں۔ جیسے مذکورہ نماز کو حضرت علیؓ نے عبث اور حرام فرمایا۔

یہ جو اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ دین میں نیا کام وہ بدعت ہے جس سے حضورؐ نے منع کیا ہو۔ یہ غلط ہے۔ یاد رہے کہ جس

کام سے حضورؐ نے منع کیا ہو، اس کو کرنا مخالفتِ رسولؐ ہے۔ مثلاً رفع الیدین عند الرکوع فعلِ رسول ہے۔ تا وفات رحمتِ عالمؐ رفع الیدین کرتے رہے۔ اب اگر کوئی رفع الیدین نہ کرے۔ تو تارکِ سنتِ مؤکدہ ہے۔ اور اگر منع کرے۔ تو مخالفِ رسولِؐ خدا ہے۔ اور بدعت کے لئے یہ شرط لگانا کہ حضورؐ نے اس سے منع کیا ہو۔ صحیح نہیں۔ بدعت ہے ہی وہ "نیک کام" مَالَیْسَ مِنْہُ۔ جو حضورؐ کے قول یا فعل میں نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو نماز عید سے قبل نفل پڑھنے سے منع کیا۔ کیونکہ یہ نفل پڑھنا قبل نماز عید حضورؐ کے قول یا فعل میں نہ تھا۔ اس لئے بدعت ہوا۔ جب حضرت علیؓ نے اس کو منع کیا تو اس نے جواب میں یہ نہ کہا کہ حضورؐ نے منع نہیں کیا ہے۔ بلکہ کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ اس پر مجھے عذاب نہ کرے گا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایسے کام پر ثواب نہیں دے گا۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ نہ ترغیب دی۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تجھے مخالفتِ رسولؐ کے سبب عذاب دے۔

اسی طرح اذان کے دوران انگوٹھے چومنا۔ مسجد میں کھڑے ہوکر صلوٰۃ و سلام پڑھنا۔ قبر پر دفن کے بعد اذان کہنا۔ قبروں پر تین دن تک قرآن خوانی کرنا۔ قبروں پر عرس کرنا۔ نمازِ جنازہ کا سلام پھیر کر مروج دعا مانگنا۔ اذان سے قبل صلوٰۃ پڑھنا، قبرستان سے نکل کر پھر دعا مانگنا۔ مردہ کا تیجا۔ ساتا۔ دسواں

چالیسواں ، برسی کرنا ، روح ملانے کا ختم ، کونڈے بھرنا ، گیارہویں پکانا ، نذر لغیر اللہ کے تمام ختم وغیرہ وغیرہ ۔ اور بہت سے "نیک کام" بے شک بدعت ہیں ، اس لئے کہ نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کئے ، نہ کرنے کو فرمایا۔ اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ ان کا منع دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے، حضورؐ کا ان کاموں کو نہ کرنا ہی ہے۔ اگر یہ کام دین میں مفید ہوتے ، اگر ان کے کرنے سے ثواب ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ضرور ان کو کرتے ۔ ضرور ضرور کرتے ۔ آپ خدا سے ڈر کر انصاف سے بتائیں کہ کیا ان ثواب کے کاموں سے حضورؐ محروم رہ گئے ہیں ؟ یا یہ ثواب کے کام بتانا حضورؐ بھول گئے ہیں ؟ توبہ کریں اور حضورؐ سے پیش قدمی نہ کریں۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔ "آج کے دن اللہ تعالیٰ نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے"۔ جب دین مکمل ہو چکا ہے ، اور اس مکمل دین کے اندر آپ کے یہ "نیک کام" موجود نہیں ہیں ۔ تو پھر کس طرح یہ نیک کام ہو سکتے ہیں ؟ اور کس طرح ان پر اجر مل سکتا ہے ؟ بلکہ یقین کرو کہ یہ دین میں اضافے ہیں یہ محدثات الامور ہیں۔ یہ بدعات ہیں۔ گمراہیاں ہیں۔ ان سے بچو !

دین میں رائے سے عمل کرنا بہتان علی اللہ ہے

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً ط قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰہِ

عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (پ ۱ ع ۹)

"اور کہتے ہیں (یہود) ہمیں صرف چند دن آگ مس کریگی۔ کہو تم۔ کیا تم نے اللہ کے ہاں کوئی عہد کیا ہے کہ وہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔ یا تم اللہ پر ایسی بات کہہ رہے ہو جو تم نہیں جانتے۔"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ امور شریعت میں اپنی رائے سے باتیں کرنا اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے۔ تو ضروری ہوا کہ دینی مسائل کے متعلق قرآن اور حدیث سے ثبوت لانا چاہیئے بغیر دلیل کے کارِ ثواب جاری کرنا اللہ پر افترا اور بہتان ہوگا جو بڑا بھاری گناہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ (پ ۱۱ ع)

اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ جوڑے۔"

پس خود جوڑ کر کوئی مسئلہ دین میں جاری کرنا، نیک کام اپنی رائے سے نکالنا۔ اللہ پر جھوٹ جوڑنا ہے۔ تو تمام بدعات جو نیک کام کی حیثیت سے دین میں نکالے ہوتے ہیں۔ افترا علی اللہ ہیں۔

رہبانیت کی بدعت

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ (پ ۲۷ ع ۲۰)

"اور عیسائیوں نے رہبانیت (گوشہ گیری) کی بدعت

نکالی۔ (جو) ہم نے ان پر فرض نہیں کی۔ (ان کی غرض اس بدعت کے نکالنے سے) اللہ کی رضامندی حاصل کرنا تھی۔

پس انہوں نے اس (بدعت) کی رعایت بھی نہ کی"

عیسائیوں نے تارکِ دنیا ہونے کی بدعت نکالی۔ بدعت اس لئے کہا گیا ہے کہ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ۔ اللہ نے ان پر فرض نہیں کی۔ یعنی انہوں نے اپنے خیال سے دین میں یہ نیک کام نکالا۔ فقیری۔ گوشہ گیری اور تارکِ دنیا بننا۔ اپنی رائے سے کارِ ثواب جاری کیا کہ اس سے اللہ راضی ہوگا۔ لیکن اللہ کیسے راضی ہو کہ اس نے اس درویشی کا حکم ہی نہیں دیا۔ یہ بدعت انہوں نے آپ نکالی۔ تو معلوم ہوا کہ کارِ ثواب وہی صحیح اور درست ہو سکتا ہے جس پر وحی سے سند موجود ہو۔ غیر نبی کے نکالے ہوئے کارِ ثواب عنداللہ مردود ہوتے ہیں۔ مسلمان بھائیو! غور کرتے جاؤ۔ اور اگر غیر نبیوں کے۔ محض اپنی رائے اور خیال سے ایجاد کردہ نیک عمل آپ نے اپنائے ہوئے ہیں تو ان سے فی الفور توبہ کرلیں۔ کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جس سے اغماض برتا جائے۔

بدعتی بہ زبانِ رسول ملعون ہے

دیکھئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا۔ بدترین کام دین میں وہ ہیں جو اپنی طرف سے نکالے جائیں۔ پھر ان امور کے موجدین اور عاملین کے لئے یہ بھی انتباہ ہے!۔

مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔ (بخاری۔مسلم)

جو شخص یہاں کوئی بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے پس اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اور اس کے فرشتوں، اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ بدعتی کا نہ فرض قبول ہے، نہ نفل"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدعت کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ جہنم میں لے جانے والی "نیکی" ہے۔

تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔ اور کسی مولوی یا پیر کی بتائی ہوئی "نیکی" دوزخ میں جھونک دیتی ہے۔ پھر بدعت کے طعام ضریع سے بچیں۔

دیکھا کتنا فرق ہے نبیؐ کے مسئلہ میں اور غیر نبی کے مسئلہ میں!

عید میلاد کا احداث

غالیانِ امت نے مل کر رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایک اور کارِ ثواب نکالا ہے۔ جس کارِ ثواب سے صحابہؓ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ ائمہ اربعہؒ۔ صلحائے امتؒ اور تمام سلف صالحینؒ محروم رہے ہیں اور وہ ہے عید میلاد کا جلوس اور ختم۔ یعنی جناب رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم

کی برسی منانا۔

کفار میں یہ رسم چلی آئی ہے کہ وہ اپنے رشیوں۔ منیوں لیڈروں اور پیشواؤں کے جنم دن مناتے ہیں۔ اس دن خوشیاں کرتے، چراغاں کرتے، جلوس نکالتے اور مجالسِ لہو و لعب منعقد کرتے ہیں۔ وہ ان کی برسیاں اس لئے مناتے ہیں کہ ان کی یاد تازہ رہے۔ دنیا ان کو بھول نہ جائے۔ قوم فراموش نہ کر دے۔

مسلمانوں نے بھی اس غیر اسلامی رسم کو اپنا کر اپنے بزرگوں کے عرس میلے اور لیڈروں کی برسیاں منانی شروع کر دیں۔ برسی کے دن کاروبار سے چھٹی کرنے، دروازے بنانے، بازار سجانے اور جلوس نکالنے لگ گئے۔ برسیاں مناتے اور عرس رچانے کے "کارناموں" نے اتنی ترقی کی کہ غالیانِ امت نے محبت کے جوش میں۔ بعد از خدا بزرگ ہستی۔ جناب رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی برسی منانی بھی شروع کر دی ہے گویا جناب سید ولد آدم (فداہ ابی و امی) کو بھی لیڈروں کی سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

رحمتِ عالم بھلائے نہیں جا سکتے

جہالت سے رشیوں، منیوں۔ بزرگوں اور لیڈروں کی برسیاں اور جنم دن تو اس لئے منائے جاتے ہیں کہ ان کی یاد مٹ نہ جائے۔ قوم ان کو بھول نہ جائے۔

لیکن جناب خاتم النبینؐ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اطہر کو تو اللہ نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے نورانی لباس سے ایسی زینت بخشی ہے کہ وہ تا صورِ اسرافیل مَیلا نہ ہوگا، پرانا نہ ہوگا۔ کہ بے شمار ملائکہ آسمانوں میں اور کروڑوں جانثار زمین میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے روح پرور وظیفے سے ان کی یاد تازہ رکھیں گے۔ تلاوتِ قرآنِ مجید میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ“۔ اذانوں میں رسالت کی شہادت، ہر خطبے میں ذاتِ اطہر پہ درود، ہر بچے کی پیدائش پر اس کے کان میں رسالت کا اعلان، قعدہ نماز میں نامِ محمدؐ پہ درود (صلے اللہ علیہ وسلم)، کلمہ، نمازیں روزے، زکوٰۃ، حج اور تمام اسلامی شعائر جو سنت کے نور میں بجا لائے جاتے ہیں ۔۔ یہ سب چیزیں آپ کی یاد کو تازہ بتازہ رکھتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہ فرما کر کہ ہم نے تیرے ذکر کو بلند کر دیا ہے ۔ تا نورِ نیّرین آپ کو زندہ و تابندہ بنا دیا ہے ۔۔ خدائے قدوس کی قسم ۔۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک لمحہ کے لئے بھی بھلائے نہیں جا سکتے۔ ؎

اُدھر لاکھوں ستاروں سے ہے بزم کہکشاں روشن
اِدھر ایک شمع روشن ہے مگر دونوں جہاں روشن

جس رسولِؐ برحق کی سیرت، اسوہ، اتباع، قول اور فعل کے نور میں جادہ پیما ہونا امت کے لئے نجات کی شرطِ اولین

ہے۔جس شافعِ محشر کا مرورِ حیات شاہراہِ خلدِ بریں ہے، جس نبیؐ برتر کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شاہدینِ رسالت کے لئے روشنی کا مینار ہے، کیا یہ شمسِ ضحیٰ، بدرِ دجیٰ، نورِ ہدیٰ، راہ نوردِ جادۂ اسریٰ بھی دوسرے لیڈروں کی طرح جنم دن یا برسی منانے کے محتاج ہیں؟ اور کیا جنم دن منانا آپ کی شان کے شایان ہے؟

ہندو عورتیں اپنے بچوں کی سالگرہ (جنم دن) مناتی ہیں مسلمان عورتیں بھی ان کی دیکھا دیکھی اپنے بچوں کی سالگرہ منانے لگ گئی ہیں۔مسلمانو! سوچو تو! تم نے خلاصۂ بنی آدمؑ جنابِ رسالتؐ مآب کی سالگرہ منانی شروع کر دی ہے۔حیف ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

جلوسِ عید میلاد باجے۔ گاجے۔ ڈھول، تاشے، بانسری، طنبورے، ڈھولک، بوق، مزمار، رباب بربط۔ سنکھ۔ گانا۔ بجانا۔ رقص۔ ناچ۔ فلمی گیت۔ دروازے بنانا۔ جھنڈیاں لگانا۔ پہاڑیاں بنانا۔ رات کو بجلی کے قمقمے سے چراغاں کرنا۔ نوجوان عورتوں اور لڑکوں کا جمع ہونا۔ فلمی گانوں کے ریکارڈ بجانا۔ نظروں کی حیا نا آشنا حرکات۔ بے حیائی کے بیسیوں مناظر۔ جلوس میں ہلڑ بازی۔ اسلامی اقدار کی پائمالی۔ فحاشی اور بے حیائی اور بادہ پیمائی۔ یہ ہے

امتِ خیرالوریٰ کا خراجِ تحسین اور مدحِ عظیم اس سرورِ کائناتؐ کے حضور۔ جنہوں نے ان تمام خرافات کو مٹایا تھا۔ اور بندگانِ خدا کو توحید، خلوص، عبادت، اخوت، اعلیٰ کردار اونچے اخلاق، پاک بازی اور پرہیزگاری کا درس دیا تھا۔

آفتابِ رسالت طلوع ہوا تو عالمِ کون و فساد سے بدیوں، برائیوں، بدکاریوں، بےحیائیوں، شراب، زنا، جوا اغوا، ظلم و ستم اور رقص و غنا کے اندھیرے سیماب پا ہوگئے اور زمین بقعۂ نور بن گئی۔ اور ہم ہیں کہ دورِ جاہلیت کی اندھیروں کی سیاہ رات بن کر سید ولدِ آدم کے یومِ ولادت کا استقبال کرتے ہیں ؎

ع کیا یہی ہے فصلِ بہاراں نگارِ ہستی ؟

ادبِ خیرالوریٰؐ

غالی زبانی فتوے دے دے کر عیدِ میلاد کو کارِ ثواب اور باعثِ نجاتِ آخرت بتاتے ہیں اور چاولوں کی دیگیں پکوا کر ختم دلواتے ہیں۔ پس حضورِ پُرنورؐ کے فرمان کے مطابق کُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ۔ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے، یہ جلوس بھی امرِ محدث ہے اور ختم بھی اسی قبیل سے ٹھیرا۔ کیونکہ اس میں شریک ہونے کو اجر کا موجب بتاتے ہیں۔ اور عیدِ میلاد کو سلف صالحین میں کوئی جانتا تک نہ تھا۔ پس دین میں یہ ایک نیا نیک کام نکلا۔

ادبِ رحمتِ عالمؐ کا یہ عالم ہے کہ قرآن کہتا ہے:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ

النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○

"مسلمانو! اپنی آوازوں کو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ اور نہ اُن سے ایسے زور سے بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو" (پ۲۶ ع۱۳)

مطلب یہ ہے کہ حضورؐ سے دبی زبان سے بات کرو۔ ان کے حضور دم بخود رہو۔ خبردار! اگر آپ کے سامنے دورانِ گفتگو تمہاری آواز اونچی ہوگئی یا بعد وفات، ان کی حدیث پر کسی غیر نبی کے قول کو ترجیح دے کر اپنا لیا، تو بے ادبیٔ رسولؐ کی پاداش میں تمہارے اعمال مٹا دیئے جائیں گے۔

یہ ہے ادبِ رسولِ رب العالمین۔ لیکن افسوس کہ آپ کے یوم پیدائش پر پہاڑیاں بنا کر، دروازے سجا کر، جلوس نکال کر جو کچھ ہم کرتے ہیں۔ ناچ ہے، گانا ہے، فلمی گیت ہیں۔ فحش ریکارڈ۔ ستی پنوں اور ہیر رانجھا کے سوانگ، ہلڑ مچانا، نظر بازی حیا سوز مناظر، رات کو پہاڑیوں کے چراغاں پر عورتوں مردوں کے حیا ناآشنا ٹھٹ۔ صدہا ایسی ہی خرافات۔ کہ الامان و الحفیظ۔ کیا سیّد ولد آدم کی بے ادبی نہیں ہے؟ شانِ اقدس کے منافی حرکات نہیں ہیں؟ مسلمان بھائیو! سوچو کہ حضورؐ کتنی مقدس ذات ہیں۔

پھر، بعد از خدا بزرگ۔ ایسی نورانی ذات، سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت ایسے گھناؤنے کردار سے منانا۔ توبہ۔ کتنی بڑی خطا ہے۔ بتاؤ کیا یہ دن صحابہؓ نے منایا تھا؟ تابعین، تبع تابعینؒ نے منایا تھا؟ سلف صالحین عید میلاد کے نام کو جانتے تھے؟ ائمہ اربعہؒ نے کہیں اس دن کا ذکر کیا ہے؟ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو یہ کارِ ثواب نصیب ہوا تھا؟ تمام امت کے بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کیوں اس ثوابِ دارین سے محروم رہے؟ جب سلفی محبانِ رسولؐ میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا، تو آپ نے اسلام میں ایک تیسری عید ایجاد کرکے کیوں سلف صالحین کی محبتِ رسولؐ کو ناقص اور کم تر ثابت کیا ہے اور محدثات الامور میں ایک امر محدث کا اضافہ کرکے خوشیاں مناتے ہیں۔ اور کتنا اندھیر ہے کہ تمام اخبارات اور علماء و مشائخ کی اکثریت بھی ہمنوا ہے۔

دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحاؑ

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو بشارت دی کہ جس پیغمبر آخرالزماں کی خبر سب انبیاء دیتے آئے تھے میں ان کے متعلق بشارت دیتا ہوں کہ اب وہ میرے بعد آنے ہی والے ہیں۔ اور اس سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی جنابِ فخر دودہ آدم کے لئے دعا کرچکے تھے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ

الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (پ ۱ ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار! تو ان (اہلِ مکہ) میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرما۔ جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور ان کو کتاب و سنت سکھلائے اور انہیں (برائیوں سے) پاک کرے۔ بیشک تو غالب حکمت والا ہے"

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جناب رحمتِ عالمؐ نے ان لوگوں کو توحید کے نور سے روشنی بخشی، سنت کے مطابق قرآن پر عمل کرنا سکھایا اور ان کو بیشمار برائیوں اور لاتعداد رذائل سے پاک کیا۔ اور جب دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو فرمایا:۔

تَرَکْتُکُمْ عَلَی الْبَیْضَآءِ لَیْلُھَا کَنَھَارِھَا۔

"میں تم کو روشن میدان میں چھوڑ چلا ہوں جس کی رات بھی دن کی مانند روشن ہے"

یعنی اندھیرا رہا ہی نہیں۔ توحید۔ عبادت۔ عدل، نیکی، پرہیزگاری اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ ماحول کا وہ دن چڑھا ہے جس کے بعد رات ہے ہی نہیں۔ سرزمینِ عرب کا غبار فروغِ وادیٔ سینا کی مانند جگمگا اٹھا ہے۔

صد افسوس! کہ مسلمان، پیغمبر مزکّیِ عالم کی پیدائش کے روشن دن کو لُڈی، ناچ، بھنگڑے اور لہو و لعب سے تاریک دن بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ ہم حکومت سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس "یومِ غوغا" کو حکمًا بند کر کے سارے جہان کے سردار، جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور

سیرتِ مقدّس کے نور سے ملک کو منوّر کرے۔ جلوسوں، پہاڑیوں، دروازوں کو ختم کرکے اس دن ہر ہر شہر میں عظیم الشان جلوسوں کا اہتمام کرے۔ علماء، خطباء اور صحافیوں کو دعوت دے۔ وہ سیرت پر مقالے پڑھیں۔ سنت اور اخلاقِ نبویؐ پر تقریریں ہوں۔

شرک اور بدعات کی سُرخ آندھی

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے ہر قسم کے شرک اور محدثات الامور سے منع کیا تھا اور ان کے انجام سے ڈرایا اور لرزایا تھا۔ لیکن مسلمان آپ کے انذار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر قسم کے شرک اور بدعت کے بتوں کی پرستش کر رہے ہیں اور ملک میں اس وبا کی سرخ آندھی اس شدت سے چل رہی ہے کہ توحید و سنت کے شمس و قمر کا نور دھندلا گیا ہے۔ آہ!

شرک اور بدعت کی تباہ کاریاں

نتیجہ ضلالت کا ناکام دیکھا
تشخص پرستی کا انجام دیکھ
سمجھتا ہے پیروں کو حاجت روا تو
جو پکڑا انہیں چھوڑ بیٹھا خدا تو
پرستارِ باطل ہے پیروں کی دنیا
ہوا و ہوس کے اسیروں کی دنیا
گناہوں کی دنیا خطاؤں کی دنیا
درِ غیر کے جبّہ ساؤں کی دنیا

وہ مشہور ملت فروشوں کی دنیا
حکومت کے حلقہ بگوشوں کی دنیا
گُلِ شرک و الحاد پھولے ہوئے ہیں
خداوندِ عالم کو بھولے ہوئے ہیں
سفیہوں کو خالق نما کہہ رہے ہیں
لباسِ بشر میں خدا کہہ رہے ہیں
ہیں رہزن مگر راہنما کہہ رہے ہیں
ہیں محتاج حاجت روا کہہ رہے ہیں
فرشتوں کا مسجود سجدہ کناں ہے
کہ انسانی عظمت کا مدفن یہاں ہے
کہیں نخلِ مرقد کی چھاؤں میں سجدے
کہیں مرنے والے کے پاؤں میں سجدے
اشاروں میں سجدے نگاہوں میں سجدے
یہاں اور وہاں خانقاہوں میں سجدے
یہ قبہ پرستی کا پامال سجدہ
مزاروں پہ جا جا کے ہر سال سجدہ
پشاور سے دہلی تک الحاد بیزی
مسافر سے آٹھوں پہر سجدہ ریزی
یہ سب بیج پیروں کا بویا ہوا ہے
کہ ہر شخص بدعت کا جویا ہوا ہے
مزاروں پہ جاتے ہو بہرِ سفارش

جو خود سو چکے کیا سنیں گے گذارش
خدا ہے اگر عالم الغیب اپنا
عیاں ہے اگر اس پہ ہر عیب اپنا
اگر سب میں ہے نور موجود اس کا
نہیں ہے اگر علم محدود اس کا
جو انکار کی کوئی صورت نہیں ہے
سفارش کی چنداں ضرورت نہیں ہے
وہ بیباک رندوں کی سنتا ہے پہلے
کہ مُردوں سے زندوں کی سنتا ہے پہلے
جو مائل بخوابِ اجل ہو چکے ہیں
لحد میں جو آرام سے سو چکے ہیں
جو کروٹ بدلنا نہیں جانتے ہیں
انہیں آپ مشکل کشا مانتے ہیں
خدا کے لئے گر مزاروں پہ جاؤ
نہ یوں ہاتھ پھیلائے تم گڑگڑاؤ
اسی ایک کے سامنے سر جھکاؤ
تم اے کاش اس شرک سے باز آؤ
ستم ہیں یہ تعظیمی سجدے تمہارے
بھڑکتے ہیں دوزخ کے ان سے شرارے
وہ کچھ شرک کی حق نے توجیہہ کی ہے
رسولِ امیں تک کو تنبیہہ کی ہے

بظاہر مخاطب حبیبِ خدا ہیں
پئے امت احکام عبرت فزا ہیں
بتوں کو اگر آپ پوجیں تو کافر
جو ہندو کہیں رام پوجیں تو کافر
وہ مشرک ہیں جو دیوتاؤں کو مانیں
خدا کے علاوہ خداؤں کو مانیں
مگر عین ایماں ہے قبہ پرستی
ذرا دیکھئے شیخ کی چیرہ دستی
یہ قبہ پرست آہ! اگر مجھ سے پوچھیں
زیاں کار شوریدہ سر مجھ سے پوچھیں
مزار اور مسجد میں نسبت نہیں کچھ
کہ دیکھیں اگر وا ہے چشمِ یقیں کچھ
وہ محتاج کا اور یہ داتا کا گھر ہے
مسلمان اس سے مگر بے خبر ہے
وہاں جائیں تو سجدہ ہائے گدائی
یہاں آئیں تو شانِ حاجت روائی
وہاں کی فضا موت کی اِک نشانی
یہاں آ رہی ہے نظر زندگانی
مرادوں کی خاطر مزاروں پہ جانا
نہ روکے کبھی شرک سے باز آنا
یونہی من گھڑت سو حدیثیں سنانا

فضول اور بے ہودہ باتیں بنانا
مسلمان کی ذہنیت گر یہی ہے
ہے روشن ضلالت عیاں گمرہی ہے
بزرگوں کے عرسوں پہ جائیں گے لاکھوں
وہاں رنگ رلیاں منائیں گے لاکھوں
جہاں جمگھٹے دھوم دھامی ملیں گے
وہاں کلیری اور نظامی ملیں گے
غرض کیا مساجد میں اجمیری آئیں
مزاروں پہ نوشاہی کیونکر نہ جائیں
وہاں بے عمل کے لئے ہے سفارش
وہاں موسلا دھار عرفاں کی بارش
تراشا ہے کیسا مریدوں نے حیلہ
کہ عرفاں کی نردباں وسیلہ
وسیلہ زیارت کو گردانتے ہیں
وسیلہ عمل ہے نہیں جانتے ہیں
پئے عبرت اے کاش قبروں پہ جاتے
کئی ایک بھولے ہوئے یاد آتے
نگاہوں میں انبوہِ احباب پھرتا
فسانہ لئے زیست کا جام پھرتا
بزرگوں کے مرقد کو پہچانتے ہم
ورق عہدِ ماضی کے گردانتے ہم

دکھاتی ہمیں موت انجامِ ہستی
رلاتا لہو منظرِ شامِ ہستی
دلوں پر فنا کا اثر لے کے آتے
ہم اپنی اکڑ فونیاں بھول جاتے
نہ سمجھا کچھ ارشادِ خیر الوریٰ کو
غلط لے اڑے حکمِ شاہِ ہدیٰ کو

(نفیس خلیلی)

عرس کا منظر

مقبرے کی جالیوں پر عرضیاں لٹکی ہوئی

ہر طرف خیمے لگے ہیں دور تک بازار ہے
یہ نمائش ہے، کوئی میلہ ہے، یا تہوار ہے
کوئی بارات اس جگہ اتری ہے با صد کر و فر
میں یہ سمجھا شامیانوں کی قطاریں دیکھ کر
یہ نفیری کی صدائیں، یہ کٹوروں کی کھنک
یہ دھوئیں کے پیچ یہ پھولوں کے گجروں کی مہک
نیم وا برقعے نگاہوں پر فسوں کرتے ہوئے
شوقِ نظارہ کو ہر لحظہ فزوں کرتے ہوئے
ہے یہ تقریبِ عقیدت عرس ہے اک پیر کا

کام کرتی ہے یہاں کی خاک بھی اکسیر کا
اِک طوائف گا رہی ہے سامنے درگاہ کے
کیا مزے ہیں حضرتِ قبلہ سہاگن شاہ کے
ساز پر کچھ چھوکرے قوالیاں گاتے ہوئے
گٹکری لیتے ہوئے ہاتھوں کو چمکاتے ہوئے
رقص فرمانے لگے کچھ صاحبانِ وجد و حال
یہ کرامت شیخ کی ہے یا ہے نغمہ کا کمال
عورتوں کی بھیڑ میں نظارہ ٹھوکر کھائے ہے
اس ہجومِ رنگ و بو میں کب خدا یاد آئے ہے
مقبرے کی جالیوں پر عرضیاں لٹکی ہوئی
یہ وہ منزل ہے جہاں ہیں نیکیاں بھٹکی ہوئی
ان میں لکھا ہے ہماری جھولیاں بھر دیجئے
دردِ دل سن لیجئے، مشکل کشائی کیجئے
آپ اگر چاہیں تو ٹوٹے آئینوں کو جوڑ دیں
آندھیوں کو روک دیں طوفان کے رُخ موڑ دیں
آپ کو اللہ نے سب کچھ دیا ہے اختیار
میرا گلشن بھی بہت دن سے ہے بے فصلِ بہار
پھول بٹتے ہیں کہیں اور دیگ لٹتی ہے کہیں
دل مچلتا ہے کہیں اور سانس گھٹتی ہے کہیں
یہ ملیدے یہ بتاشے، یہ مٹھائی کے طباق
یہ عقیدت کا تموّج، یہ وفورِ اشتیاق

چادریں چڑھتی ہوئی، ڈھولک بھی ہے بجتی ہوئی
یہ موحد ہیں جو پوجا کر رہے ہیں قبر کی
کوئی سجدہ میں جھکا ہے، کوئی مصروفِ طواف
تھام رکھا ہے کسی نے دونوں ہاتھوں سے غلاف
رو رہا ہے کوئی چوکھٹ پر ہی سر رکھے ہوئے
ہیں کسی کے ہاتھ بہرِ التجا، اٹھے ہوئے
دیکھتا ہی رہ تماشائی، زباں سے کچھ نہ بول
چادروں کی دھجیاں بکتی ہیں یاں سونے کے مول
ہُن برستا ہے یہاں، چاندی اگلتی ہے زمین
آخرت کی یاد اس جا پاؤں رکھ سکتی نہیں
ہے یہ تعلیم نبیؐ، فرمانِ قرآنِ کریم
ہے ہر اک بدعت ضلالت شرک ہے ظلم عظیم
بدعتوں ہی بدعتوں کی ہر طرف شیشہ گری
اس طرح تردید، فرمانِ رسولؐ اللہ کی
مدعی توحید کے اور شرک سے یہ ساز باز
اک طرف قبروں پہ سجدہ، دوسری جانب نماز
التجا، فریاد، استمداد غیر اللہ سے
یہ نہیں ہے شرک تو پھر شرک کس کا نام ہے

تابکے یہ کھیل دُنیا کو دکھایا جائے گا!
مضحکہ توحید کا کب تک اڑایا جائے گا!

(ماہر القادری)

شرک اور بدعت جہنم زاد ہیں

شرک اور بدعت دونوں برادر و خواہر ہیں۔ اور تو امان ہیں بطنِ ابلیس سے جُبّ الحزن میں انہوں نے اس وقت جنم لیا تھا جب فَاخْرُجْ اِنَّكَ رَجِيْمٌ۔ کی مارنے اسے دوزخ میں پہنچا دیا تھا۔ دونوں جہنم زاد ہیں۔ دونوں کی فطرت نار ہے۔ جس کسی انسان کو یہ جوڑا مَس کر جاتا ہے وہ جہنمی ہو جاتا ہے۔ دیکھنے میں یہ بڑا خوبصورت ہے۔ اس کی دلربائی، عشوہ طرازی اور رقص و رامش "سادہ لوحوں" کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ دوزخ کی آگ کے خمیر سے پیدا شدہ، اس جوڑے سے جس نے معاشقہ کیا، اسے گلے لگایا۔ دوزخ اسی کا ٹھکانا ہوا۔

منقش اَفعی

ہاں تو اشراک و احداث کے حسن کی جاذبیت بالکل سراب کی مانند ہے کہ دوپہر کے وقت جنگل میں پیاسا آدمی ریت کو دور سے بہتا ہوا پانی سمجھتا ہے اور جب اس آبِ رواں پر پہنچتا ہے تو جلتی ہوئی ریت میں تڑپ کر جان دے دیتا ہے۔ ایک اور طرح سے سمجھئے کہ شرک اور بدعت نہایت خوبصورت نقش و نگار والے افعی (سانپ) ہیں یہ منقش اَفعی جس کسی کو چھوتے ہیں، تو اس نادان کو شرک اور بدعت کی دنیا، بڑی زخرف، باغ و بہار، پُرکیف، اور سکون بخش نظر آتی ہے۔ اس زالِ رعنا کے "حسن" پر وہ تیرہ بخت صد جان سے قربان ہو ہو جاتا ہے۔ لیکن جونہی جسد سے روح نکل ہوتی ہے تو زالِ ابرو کی رعنائیاں اسے جہنم میں دھکیل

دیتی ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ :۔

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ط (پ ۶ ع ۱۴)

"تحقیق بات یہ ہے کہ جو کوئی شریک لائے ساتھ اللہ کے، پس تحقیق حرام کی اللہ نے اس پر بہشت اور جگہ اس کی آگ ہے۔"

ان "مارہائے زرنگار" کی فطرت کے لدغ کا انجام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی بیان سے سنیں :۔

ایک مکھّی کا چڑھاوا دوزخ میں لے گیا

عن طارق بن شہاب ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قال دخل الجنة رجل فی ذباب ودخل النار رجل فی ذباب۔ قالوا وکیف ذالك یا رسول اللہ؟ قال مر رجلان علی قوم لھم صنم لا یجوزہ حتےٰ یقرب لہ شیئا۔ فقالوا لاحدھما قرب، قال لیس عندی شیٔ اقرب، قالوا لہ قرب ولو ذبابا۔ فقرب ذبابا، فخلوا سبیلہ، فدخل النار وقالوا للاٰخر قرب فقال ما کنت لا قرب لاحد شیئا دون اللہ عزّوجل فضربوا عنقہ فدخل الجنة ط

(کتاب التوحید بحوالہ مسند احمد)

(ترجمہ) "طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک شخص ایک مکھی کی بدولت جنّت میں گیا اور ایک شخص ایک مکھّی کی وجہ سے دوزخ میں گیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! یہ کیسے ؟ آپؐ نے فرمایا۔ دو آدمیوں کا ایک قوم پر گذر ہوُا۔ جن کا ایک بت تھا۔ ان کا دستور تھا کہ یہاں سے کسی کو گزرنے نہ دیتے تھے جب تک کہ اس بت پر کچھ چڑھاوا نہ چڑھائے۔ پس انہوں نے ان دونوں میں سے ایک کو کہا کہ کچھ چڑھا دے۔ وہ بولا کہ میرے پاس چڑھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کچھ نہ کچھ ضرور چڑھا دے۔ اگرچہ ایک مکھی سہی۔ اس نے ایک مکھی مارکر چڑھا دی۔ تب انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ پس یہ شخص (اس شرک کی وجہ سے) دوزخ میں داخل ہوُا۔ پھر ان لوگوں نے دوسرے شخص کو کہا کہ تو بھی کچھ چڑھا دے۔ وہ بولا کہ میں تو کبھی اللہ عزوجل کے سوا کسی کے واسطے کچھ چڑھاوا نہیں چڑھاتا ہوں۔ سو ان لوگوں نے اس کی گردن مار دی۔ پس یہ شخص (توحید کے باعث) جنّت کو پہنچا۔" (رواہ احمد)

ناذر داخلِ جہنّم ہو گیا

اس حدیث پر غور فرمائیں کہ ایک مکھّی غیر اللہ کی نذر کرنے پر ناذر واصلِ جہنّم ہو گیا۔ تو جو لوگ بزرگوں کی قبروں پر مرغی، انڈے، بکرے، چھترے، پتاسے، مکھانے، کپڑے، غلاف، پلاؤ کی دیگیں، دودھ، مکھن، نقدی وغیرہ چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ غیر اللہ کی

نذر کرتے ہیں۔ مکھی کے نقش قدم پر چلنے والے، یہ ناذر کیونکر مکھی کے انجام سے جانبر ہو سکیں گے۔ کس طرح جہنم سے بچ سکیں گے؟

مسلمان بھائیو! خدا را ہر قسم کے شرک سے توبہ کر کے موحد بن جاؤ۔ آپ کے سینے میں جو توحید کی امانت ہے اسے برباد نہ کرو۔ ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول! (اقبالؔ)

جب اس بت کے مجاوروں نے دوسرے آدمی کو کہا۔ قَرِّبْ تو بھی کچھ چڑھاوا چڑھا دے، تو اس مومن موحد نے لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے عقیدے کا کھل کر اعلان کیا۔ ما کنت لا قرب لاحد شیئا دون اللہ عزوجل۔ میں تو اللہ بزرگ و برتر کے سوا ہرگز کسی کے واسطے چڑھاوا نہیں چڑھاتا ہوں۔" اس پر ان مشرکوں ظالموں نے اس مجاہد موحد کو شہید کر دیا۔

مولانا حالیؒ فرماتے ہیں ؎

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لَو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ
اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم

اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم
اسی کی طلب میں مرو گر مرو تم
مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں
مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں
نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرسش ہے رہبان واحبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

بزرگوں کی قبریں بت بن جاتی ہیں

اگر اہل بدعت کہیں کہ مکھی تو بت پر چڑھاوا چڑھائی گئی تھی۔ ہم تو بزرگوں کی قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ بت کجا اور بزرگ کی قبر کجا۔ تو جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ۔" اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ پوجی جائے"۔ جب قبر بت بن سکتی ہے تو حضورؐ نے فرمایا کہ میری قبر کو بت نہ بنانا۔ حضورؐ نے درست فرمایا۔ جب قبر پر عبادت کے کام کئے جائیں تو وہ قبر بت بن جاتی ہے۔ قبر پر نیاز، نذر، چڑھاوا، قیام، سجدہ، طواف، اہلِ قبر کو مصائب میں پکارنا وغیرہ۔ ان عبادت کے کاموں کی وجہ

سے قبر بت بن جاتی ہے اور یہ کام کرنے والے بت پرست مشرک ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ کی دعا قبول ہو گئی۔ اور آپ کی قبر اطہر پر مذکورہ امورِ عبادت میں سے کوئی کام آج تک نہیں ہوا۔ اور اللہ نے جنابِ رحمتِ عالمؐ کی قبر کو بت نہیں بننے دیا۔ پس ثابت ہوا کہ آجکل جو بزرگوں کی قبروں پر مذکورہ عبادت کے کام ہو رہے ہیں، ان کاموں کی وجہ سے یہ قبریں بت[2] بن گئی ہیں۔ پس مکھی کا چڑھاوا جس طرح بت مذکورہ پر شرک ہے۔ اسی طرح بزرگوں کی قبروں پر جو چڑھاوے چڑھ رہے ہیں، عین شرک ہے۔

بُت پُوجا بزرگ پوجا ہے

باقی رہا مسئلہ پتھر کے بتوں کا۔ تو خوب یاد رکھیں کہ وہ بُت بھی بزرگوں کی شکل کے، بزرگوں ہی کے نام سے منسوب ہوتے تھے اور نذر، نیاز اور چڑھاوا بزرگ ہی کی روح[2] کو خوش کرنے کے لئے چڑھاتے تھے تاکہ بزرگ اپنا چڑھاوا لے کر خوش ہو کر ناذروں کے وارے نیارے کر دیں، یا اللہ سے کروا دیں۔ تو یہ بت پوجا دراصل بزرگ پوجا ہی ہے۔ محض پتھر کو کون پوجتا ہے۔

---

[1] مصنف ابو بکر شیبہ میں ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہوا۔ کچھ عرض معروض کر رہا تھا۔ حضرت امام زین العابدین ابن حسینؓ نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا تتخذوا قبری وثناً۔ "میری قبر کو بت نہ بنانا"۔ ثابت ہوا کہ قبر کی بت بن سکتی ہے۔

[2] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ مشرکین مکہ بتوں کو روحوں کی توجہ کا مرکز قرار دیتے تھے اور آج مسلمان قبروں کو سمجھتے ہیں۔ (فوز الکبیر)

یہ پتھر کا بت دراصل بزرگ ہی کا مظہر ہوتا ہے۔ کسی نے پتھر کے بت کی صورت میں بزرگ کی پرستش کرلی۔ اور کسی نے سنگِ مرمر کی بنی ہوئی قبر کے بت کو پوج لیا۔ دونوں کا تصور اور نظریہ ایک ہی ہے۔

چنانچہ لات کا بت جو بہت مشہور ہے۔ اور بقول مشرکوں کے ان کا بڑا حاجت روا اور مشکل کشا تھا۔ یہ بھی عرب کے ایک نیک شخص لات کے نام سے بنایا گیا تھا۔ لات کے معنی ہی ہیں ستو گھولنے والا۔ یہ شخص حاجیوں کو میٹھے پانی میں ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ لَتَّ یَلُتُّ لَتًّا کے معنی ہیں ستو گھولنا۔ جب یہ شخص فوت ہوگیا تو اس کے نام کا بت بنا کر نصب کر دیا گیا اور لات کا دربار بن گیا۔ لوگ حاجت روائیوں اور مشکل کشائیوں کے لئے لات کے دربار میں آتے۔ نذریں، نیازیں اور چڑھاوے چڑھاتے اور سجدے سجود کرتے اور اس کو اللہ کے ہاں وسیلہ اور سفارشی بناتے۔ وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ "اور کہتے ہیں کہ یہ (اصنام) شفاعت کرنے والے ہیں ہمارے اللہ کے پاس۔" (پ۱۱ ع۷)

اولیاء اللہ کی پوجا

اسی طرح، ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر بھی نوح علیہ السلام کی قوم کے بزرگوں کے نام ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ یہ سب نوح علیہ السلام کی قوم کے بزرگوں کے نام تھے۔ جب وہ بزرگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ جہاں یہ

لوگ بیٹھتے تھے، وہاں کچھ نشان کھڑے کر لو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور اس وقت تو ان کی عبادت نہیں ہوئی۔ حتیٰ اذا هلك اولئك ونسخ العلم عبدت۔ "پھر جب یہ لوگ مرگئے اور علم جاتا رہا تو ان کی عبادت ہونے لگی۔" (بخاری شریف)

اب آپ کو علم ہو گیا کہ بت پوجا پتھر پوجا نہیں ہے بلکہ اولیاء اللہ ہی کی پرستش ہے۔ مذکورہ روایت سے یہ باتیں ثابت ہوئیں :۔

۱۔ رجال صالحین یعنی اولیاء اللہ کی ہمیشہ پرستش ہوتی رہی ہے۔

۲۔ صالحین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادات کا سا معاملہ کرنا شیطانی وحی ہے۔

۳۔ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی عبادت گاہوں، نشست گاہوں اور رہائش گاہوں پر یادگاری نشان کھڑے کرنے شیطان کے ایما سے ہے۔

۴۔ نشانوں، استھانوں اور انصاب کو ولیوں، بزرگوں کے نام سے منسوب کرنا بھی القائے شیطان ہے۔

۵۔ اولیاء اللہ زندگی میں بھی پجتے رہے ہیں اور وفات کے بعد زندگی میں پجنے سے بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر پوجے گئے ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کا بیٹا قتل کئے جانے کے بعد اُس وقت سے لے کر حضور انورؐ کے وقت تک ھبل کے بت کی شکل میں پوجا گیا ہے۔ ابوجہل نے جنگ میں

ہبل کا نعرہ ہی مارا تھا۔ ہبل ہی کو مدد کے لئے پکارا[1] تھا۔

۴۔ مردہ بزرگوں اور ولیوں کو مہمات الامور میں پکارنا اور ان سے استمداد کرنا شیطان کی ترغیب ہے۔ جیسا کہ مذکورہ روایت میں قوم نوح کے پانچ پیروں کی پوجا شیطان نے کرائی۔

مسلمان بھائیو! شرک کے شعلہ زن جہنم سے بچ جاؤ۔ قولی، بدنی اور مالی عبادات میں کسی کو شریک نہ کرو۔ مصائب و حوائج میں صرف اللہ کو پکارو۔ قبروں کے عرسوں پر جتنے شرک اور بدعت کے کام ہوتے ہیں، ان سے حذر کرو اور دینی اور مذہبی زندگی گزارنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تیئیس سالہ دورِ نبوت سامنے رکھو۔ صحابہؓ کے زمانے میں اسلام کی جو شکل بھی اس نورانی شکل کی روشنی میں چلو۔ اور دین میں کارِ ثواب کے لیبل سے جتنے نئے مسائل، جتنے نئے کام گھڑے گئے ہیں یہ آگ ہے۔ اس نارِ حامیہ سے بچو۔

بدعت اس لئے نارِ حامیہ ہے کہ بدعتی رسالت میں شریک بنتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے ہم تفصیل سے بیان کر آئے ہیں یعنی حضورؐ بھی مسئلے (اللہ کے حکم سے) جاری کریں۔ اور بدعتی بھی دین میں

---

[1] افسوس مسلمان بھی یا علی کا نعرہ مارتے ہیں، وہ بھی ھبل بزرگ شہید کو پکارتے تھے یہ بھی حضرت علیؓ اور کئی اور بزرگوں کو پکارتے ہیں۔ نہایت افسوس، کیا حاصل کیا مسلمانوں نے قرآن سے؟ حالانکہ قرآن کہتا ہے۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ (سورۂ جن) بس مت پکارو ساتھ اللہ کے کسی کو۔ یعنی صرف اللہ ہی کو پکارو۔ صرف اللہ ہی کا نعرہ لگاؤ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ!

مسئلے گھڑتے۔ زبان سے گو رسالت کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن عملاً رسول بنتا ہے۔ اس لئے یہ "رسول" (بدعتی) دوزخ میں جائیگا۔

اسلام اپنے اندر فارن باڈی کو برداشت نہیں کرتا

عجب کیا ہے ترے جرعات ہی تریاق بن جائیں
فراز و پست کی آب و ہوا مسموم ہے ساقی

اگر آنکھ میں کوئی فارن باڈی (FOREIGN BODY) یعنی اجنبی وجود — ریت یا ذرہ، شیشہ یا کوئلہ یا چونہ یا تنکا وغیرہ پڑجائے تو آنکھ میں سخت خراش ہونے لگتی ہے۔ پانی بہتا ہے ٹیس پڑتی ہے اور آنکھ سرخ اور متورم ہو جاتی ہے۔ اس مرض کا نام ہے۔ فارن باڈی اِن دی آئی (FOREIGN BODY IN THE EYE) آنکھ میں کسی اجنبی یا غیرجنس چیز کا پڑ جانا۔" غور کریں کہ تندرست آنکھ کو اجنبی اور غیرجنس چیز بیمار کر دیتی ہے۔ ایسا بیمار کر دیتی ہے کہ آدمی مارے ٹیسوں کے ماہئ بے آب کی مانند تڑپنے لگ جاتا ہے۔

اب علاج یہ ہے کہ پلک کو الٹا کر پروب کے ذریعے فارن باڈی کو فوراً آنکھ سے نکال دیں۔ اور اگر کوئی ذرہ قرنیہ کو چھید کر ڈھیلے کے اندر داخل ہو جائے تو آنکھ کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے۔ الحاصل فارن باڈی (اجنبی چیز) کو آنکھ سے نکالیں گے تو آنکھ تندرست ہوگی۔ فارن باڈی اتنی ضرر رساں ہے کہ کوئی چیز اسے برداشت نہیں کرتی۔ یہاں تک کہ کوئی ملک

اجنبی شخص (FOREIGNER) کو قبول نہیں کرتا۔

ان امور کو ذہن میں رکھ کر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے آئینہ میں اسلامِ کامل کے روئے زیبا پر ایک نظر کریں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے صوری اور معنوی تکمیل فرماکر اسے پسند کیا۔ اور ہماری دنیا اور دین کی فلاح و بہبود اور نجات کیلئے لائحہ عمل بنایا۔ جو جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی گام فرسائی سے شمس و قمر سے بڑھ کر روشن اور تاباں ہے۔ اپنی زندہ ضمیر سے پوچھ کر بتائیے کہ کیا یہ درخشاں اسلام اور ہر کامل سے کامل دین کسی فارن باڈی (محدثات الامور) کو اپنے اندر برداشت کرسکتا ہے؟ اور کیا اس میں کسی خارجی یا اجنبی وجود کی گنجائش ہو سکتی ہے؟ — ہرگز نہیں — ایک ذرہ کی بھی گنجائش نہیں ہو سکتی — دین چونکہ مکمل ہو چکا ہوا ہے، اس لئے نئے نئے مسئلے اور بدعتیں اسلام کے لئے فارن باڈی یعنی اجنبی وجود ہیں۔ اسلام اپنے اندر اس اجنبی وجود کو ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ آنکھ کو اگر ایک تنکے کی سہار نہیں ہے تو کامل، مکمل، صحیح سالم اسلام اپنے اندر تنکے کے سوویں حصے یا قطرے کے ہزارویں حصے کی گنجائش نہیں رکھتا۔ پس اہلِ بدعت بدعات کے اجنبی وجود (FOREIGN BODIES) اسلام میں داخل کرکے اسلام کو بگاڑتے، مسخ اور برباد کرتے ہیں۔ فارن باڈیز کو اسلام میں لاکر اسے ماہئ بے آب کی طرح تڑپاتے ہیں۔

اسلام کا لبریز قدح

اگر پانی کا ایک پیالہ لبالب بھرا ہوا

اتنا لبریز ہو کہ ایک قطرہ کی گنجائش نہ ہو۔ اگر ایک قطرہ اس میں ڈالیں تو پیالہ سے باہر نکل جائے۔ ظاہر ہے کہ جب پیالہ سے باہر نکلے گا تو صرف وہی قطرہ نہ نکلے گا جو ڈالا تھا بلکہ پیالے کے سارے پانی سے ایک قطرہ کے برابر پانی باہر گر جائے گا۔ بالکل اسی طرح — اسلام کا قدح وحی کے آبِ حیات سے اس قدر لبریز ہے کہ مزید ایک قطرہ بھی اس میں سما نہیں سکتا۔ اگر رائی کا دانہ بھی اس میں پڑے گا تو پیالہ کے آبِ حیات سے کچھ نہ کچھ باہر گرا دے گا۔ پس مبتدعین جو بدعتوں کے متعفن، نجس اور بدبودار پانی کو قدحِ اسلام میں ڈالتے ہیں۔ یہ نجس آبِ احداث، وحیِ الٰہی کے آبِ حیات کو پیالے سے باہر گرا دیتا ہے۔ کیونکہ پیالے میں گنجائش نہیں اور اسے بگاڑ بھی دیتا ہے — معلوم ہوا کہ بدعتوں سے اسلام کا رفع بھی عمل میں آتا ہے اور اسلام کی خرابی اور بربادی بھی ہوتی ہے۔ محدثات — دین میں خود نکالے ہوئے کارِ ثواب وہ معاول (PICK AXES) ہیں جن سے کتاب سنت کا قصرِ رفیع گرایا جاتا ہے۔ پس اسلام میں اجنبی وجود (بدعات) داخل کرنے والے اہلِ بدعت ہیں اور اہلِ بدعت اسلام کو ڈھانے اور گرانے والے ہیں۔ جبھی تو جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

بدعتی کی توقیر کا گناہ

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔

"جس نے بدعتی کی توقیر کی۔ اس نے اسلام کے ڈھانے

میں مدد کی ۔" (مشکوٰۃ شریف)

پس بدعتی کو السلام علیکم کہنا ، اس سے مصافحہ کرنا ، معانقہ کرنا ، اسے گلے لگانا ، اس کا استقبال کرنا ، اسے کھانے پر بلانا ۔ اسلام کو ڈھانے میں مدد دینا ہے کہ یہ کام بدعتی کی توقیر میں داخل ہیں ۔ کوئی صاحب یہ نہ کہیں کہ یہ تو بہت تنگ نظری ہے ۔ جواباً گزارش ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمائی ہے ۔ کہ بدعتی کی توقیر اور عزت کرنا اسلام کو ڈھانے میں مدد دیتا ہے ۔ بلکہ حضورؐ نے یہاں تک فرمایا ہے :۔

وَيَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ ؀

اور بدعتی اسلام سے نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے ۔"

بدعتی ہادمِ اسلام ہے

چونکہ بدعتی بدترین دشمنِ سنت ہے ۔ مقابلِ رسالت ہے ۔ جوابِ نبوت ہے ۔ مدینے کی ٹکسال کے سامنے اپنا سکہ خانہ قائم کرتا ہے ۔ پھر سکہ زنی کرتا ، اور اپنے جعلی سکوں کو محمدی سکوں میں ملا کر اسلام کے بازار میں رائج کرتا ہے اسی لئے یہ قلب ساز ہادمِ اسلام ہے ۔ اور اس ہادمِ اسلام کی توقیر عونِ ہدمِ اسلام ہے ۔ پس اس مسمار کنندۂ اسلام سے تباغض عین ایمان ہے ۔

بدعتی کا دوست

پھر جو شخص اہلِ بدعت سے خلا ملا رکھتا ہے ان سے موانست اور مجالست کرتا ہے ۔ ان کے ساتھ کھاتا پیتا اور اٹھتا بیٹھتا ہے ۔ وہ بھی بدعتی ہے اور

دوسرے اہلِ بدعت کی طرح ملعون ہے۔ اس سے بھی حذر اولی ہے۔

اسلام کا نارمل ٹمپریچر

THE NORMAL TEMPERATURE OF ISLAM

تندرستی اور صحت کی حالت میں انسان کا باقاعدہ یا بلا کم وبیش درجہ حرارت ۹۸٫۶ ہوتا ہے۔ اس کو نارمل ٹمپریچر یا طبعی درجہ حرارت کہتے ہیں۔ جب یہ درجہ حرارت کم ہو جائے یا زیادہ ہو جائے، تو انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ ایک یا دو درجہ ٹمپریچر کم و بیش ہو تو علالت معمولی ہوتی ہے۔ دو یا تین یا چار درجے کا فرق پڑ جائے تو مرض شدید ہو جاتا ہے اور پانچ چھ درجہ کا تفاوت تو ہلاکت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ پھر علاج معالجہ کے ذریعہ جب تک درجہ حرارت نارمل نہیں ہو جاتا اس وقت تک آدمی تندرست نہیں ہو سکتا۔ اور درجہ حرارت معلوم کرنے کا ذریعہ تھرمامیٹر ہے۔

اسی طرح اسلام کا بھی نارمل ٹمپریچر ہے۔ اگر اسلام کا نارمل ٹمپریچر یا طبعی درجہ حرارت معیار کے مطابق ہوگا تو اسلام صحت مند اور تندرست ہوگا۔ اور اگر اس کا درجۂ حرارت ایب نارمل ــــ (AB-NORMAL) یعنی بے قاعدہ یا خلافِ دستور ہوگیا تو اسلام تندرست نہ رہے گا۔ بلکہ بیمار پڑ جائے گا۔ پھر تندرست اس وقت ہوگا جب اس کا درجہ حرارت اعتدال پر آ جائے گا۔ اس کا ٹمپریچر نارمل ہو جائے گا۔

جس طرح انسان کا درجہ حرارت معلوم کرنے کا ایک آلہ تھرمامیٹر ہے۔ اسی طرح اسلام کا درجہ حرارت جانچنے کا تھرمامیٹر کتاب و سنت ہے۔ جس مسلمان کا عمل کتاب و سنت کے عین مطابق ہے، اس کا اسلام نارمل اور طبعی ہے۔ اور اگر عمل کتاب و سنت کے وسطی نقطہ سے کم و بیش ہے تو اس کا دین اور مذہب صحیح نہیں ہے بلکہ علیل و مریض ہے۔ پھر مسلمان جتنا جتنا عمل میں کتاب و سنت سے ہٹتا جائے گا، اتنا اتنا اس کا دین و ایمان کمزور اور بیمار پڑتا جائے گا۔ اور اگر وہ شرک اور بدعت کی راہ اختیار کرلے گا تو اس کے اسلام کا درجۂ حرارت نارمل پوائنٹ سے موت کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔ پھر اس کا دین و ایمان دونوں آتشِ دوزخ کی تپش سے ہلاک ہو جائیں گے۔

اب ہر شخص کو اپنی مسلمانی (اسلام) پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ کیا وہ صحیح اور تندرست ہے یا بیمار اور مریل ہے۔ کلمہ طیبہ (اس کے تقاضے پورے کرتے ہوئے) پڑھنا، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، حقوق اللہ، حقوق العباد ــــ سو فیصد قرآن و حدیث کے مطابق پورے کرنا چاہیئں۔ اگر یہ چیزیں سنت کے معیار پر پوری نہ اُتریں تو پھر بیمار اور علیل ہوں گی۔ اور ناقابلِ قبول ٹھہریں گی۔ مثال کے طور پر حضورؐ کا ارشاد نماز عصر کے متعلق ملاحظہ فرمائیں :۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

کہ یہ منافق کی نماز (عصر) ہے۔ بیٹھ رہتا ہے۔ وہ انتظار کرتا ہے سورج کا یہاں تک کہ جب ہو جاتا ہے زرد، اور ہو جاتا ہے درمیان شیطان کے دو سینگوں کے۔ (یعنی غروب کے قریب ہو جاتا ہے) تو کھڑا ہوتا ہے (منافق نماز کے لئے) پھر چار ٹھونگیں مارتا ہے، نہیں یاد کرتا اللہ کو مگر تھوڑا۔ (صحیح مسلم)

اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز عصر جو اول وقت پڑھنی تھی۔ جب کہ سورج زندہ اور اونچا ہوتا ہے۔ منافق نے اسے اخیر وقت پر جا پڑھا جب کہ سورج زرد ہو چکا تھا اور غروب کے قریب پہنچ گیا تھا۔ پھر اس نے جلدی جلدی چار ٹھونگیں مار کر نماز برباد کر لی۔ یہ نماز چونکہ اپنا اعتدال کھو چکی ہے۔ ایب نارمل ہے۔ اس لئے مردود ہے۔ منہ پر ماری جائے گی۔

معلوم ہوا کہ نماز اول وقت جب کہ آفتاب بلند، روشن اور زندہ ہو، پڑھنی چاہیئے۔ اور ٹھیر ٹھیر کر اطمینان سے ادا کرنی چاہیئے۔ جلدی جلدی کوّے کی طرح ٹھونگیں نہیں مارنا چاہئیں۔ یہ نماز نارمل ہے۔ اور یہ قبول ہو گی۔

اسی طرح تمام اوامر الٰہی اور فرائض خداوندی، وہی قبول ہوں گے جن کا ٹمپریچر نارمل ہو گا۔ جو تندرست اور صحیح و سالم ہوں گے۔ اعتدال کے نور سے جگمگا رہے ہوں گے۔ حسین اور خوبصورت ہوں گے۔

اور اگر یہ اعمال سنت کے معیار پر پورے نہ اتریں گے۔ نارمل ٹمپریچر کھو چکیں گے۔ یہ مریض ہوں گے۔ ایسے مریل، مدقوق

مسلول ، ہڈیوں کے ڈھانچ ۔ بدصورت اعمال رد کر دیئے جائیں گے۔ اللہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

پاکستان میں مسلمانوں کے اسلام پر نظر کریں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے فرائض اور احکام سے مسلمانوں کی اکثریت تارک اور غافل ہوچکی ہے۔ اس لئے اسلام کا درجۂ حرارت نارمل پوائنٹ سے بہت ہی نیچے گر چکا ہے اور اسلام نڈھال ہوگیا ہے۔ اور پھر خدا کی بغاوتوں ، نافرمانیوں معصیتوں کبیرے گناہوں اور فسق و فجور سے اسلام ایک ڈھانچ ( ) رہ گیا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ شرک اور بدعت کا کروڑوں ٹن تیزاب بھی ڈھانچ پر کلمہ گویانِ امت شب و روز ڈال رہے ہیں۔ اب اسلام کے ٹمپریچر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کہ نارمل ہے یا غیر نارمل۔ اب یہ فکر دامنگیر ہے کہ اس ڈھانچ کا کیا بنے گا۔ اِلّا ماشاء اللہ ! مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام جاں بلب ہے۔ آہ ؎

وہ دین جو شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے (مولانا حالیؔ)

مسلمان جب تک شرک اور بدعت کے وثنوں کی پوجا پاٹ سے توبہ کرکے شاہراہِ توحید و سنت پر گامزن نہ ہونگے ، خواجۂ بدر و حنین صلے اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کے اجالے میں نہ چلیں گے۔ دین سے دور ، مذہب سے بیگانہ ، اور خدا کے مغضوب رہیں گے۔ پس سنت کا اتباع ہی سببِ رضائے

ربِّ عُلا ہے۔ کہ ے

مطلعِ نورِ ھدیٰ ہے سنتِ خیرالوریٰ
مشعلِ راہِ خدا ہے سنّتِ خیرالوریٰ

شرحِ دینِ کبریا ہے سنتِ خیرالوریٰ
اصلِ حُبِّ مصطفیٰ ہے سنّتِ خیرالوریٰ

کیوں نہ ہو نامِ محمدؐ کلمۂ طیبّ کے ساتھ
شرحِ توحیدِ خدا ہے سنّتِ خیرالوریٰ

بوستانِ دینِ حق میں، گلشنِ اسلام میں
غنچۂ راحت فزا ہے سنّتِ خیرالوریٰ

اہلِ سنّت کو میسّر کیوں نہ ہو حق کی رضا
کاشفِ رمزِ خدا ہے سنّتِ خیرالوریٰ

ہے وہی قائد، امام و پیر و مرشد معتبر
جو سدا کرتا ادا ہے سنّتِ خیرالوریٰ

ہم کو بس کافی ہیں دو ہادی ہدایت کے لئے
ایک قرآں، دوسرا ہے سنّتِ خیرالوریٰ

(مسلم)

مسلمان بھائیو! اللہ نے ہمیں بے شمار نعمتیں بخشی ہیں۔ لیکن ان تمام نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ جنہوں نے قرآنِ مجید ہم کو اپنے عمل کے ساتھ دیا۔ ہمارے لئے آخرت کی چمکتی شاہراہ کھولی۔ ہمیں سنت کی کہکشاں پر چلایا۔ بابِ جنّت تک پہنچایا۔ اور

جنّت کا دروازہ، شمعِ سنّت کے پروانوں کے لئے دستک دے کر کھلوایا۔ ؎

وہ رسولِ عربیؐ، فخرِ رسولانِ سلف!
ذاتِ اقدس سے ملا جس کی زمانے کو شرف
جس پہ نازل ہُوا قرآن سا کامل مصحف
جس کے تابع جنّ و انساں، ملائک کی صف
اِک وہی شمعِ نبوت، جو ضیا بار ہوئی
ساری تاریک فضا، مطلع الانوار ہوئی

ہر زمانے میں پیمبر بھی، نبی بھی آئے
مصلحِ ملّی و ملکی بھی، رشی بھی آئے
حق کے جوئندہ اور حق کے ولی بھی آئے
واقفِ محرمِ سرِّ ازلی، بھی آئے
آئے دنیا میں بہت پاک، مکرّم بن کر
کوئی آیا نہ مگر، رحمتِ عالم بن کر

کس نے جامِ مےَ توحید پلایا سب کو
کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو
راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو
کس نے اُس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو
تم نے دیکھا ہے بہت دفترِ پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا

تم میں صدّیق سا گزرا ہو تو للہ دکھاؤ

تم نے فاروقؓ سا دیکھا ہو تو لِلّٰہ دکھاؤ
کوئی عثمانؓ سا آیا ہو ، تو لِلّٰہ دکھاؤ
کوئی حیدرؓ ساجو پایا ہو ، تو لِلّٰہ دکھاؤ
ثانیِ احمدِ مختارؐ تو کیا لاؤ گے
اس کی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے

(جگر مرادآبادی)

جب آپ کو تسلیم ہے کہ ؎

حدیثِ مصطفٰےؐ تفصیل ہے اجمالِ قرآں کی
کتاب اللہ کی تفسیر ہے، پیغمبر کی سیرت ہے
نبیؐ کی زندگی ہے بہرِ امت ، اسوۂ کامل
رسولؐ اللہ کا ہر فعل منشورِ ہدایت ہے
پیغمبرؐ کی اطاعت فرض ہے ہر فردِ امت پر
کتاب پاک میں اس امر کی پوری وضاحت ہے
رُکو تم اس سے، ملتی ہو نہ سنت سے سند جس کی
پکڑ لو[1] اس کو دانتوں سے جو پیغمبرؐ کی سنت ہے
کتاب اللہ ، احادیثِ پیمبرؐ ، اسوۂ مرسل
یہی چیزیں ہیں جن کا نام اسلامی شریعت ہے

پھر ان خاتم النبیین، رحمت للعالمین، سیّد المرسلین، صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت کے مقابلہ میں کسی غیر نبی کے قول کو ماننا، اور اس پر عمل بھی کرنا ، اقرارِ رسالت کی ذمہ داری

---

[1] پسند کیا ہوا ، چُنا ہوا۔ (مفتاح اللغات)

کے شفاف آئینہ کو چکنا چور کرنا نہیں ہے؟ ضرور ہے! — پھر اگر آپ کو اللہ کی رضا، اور آخرت کی بھلائی مطلوب ہے تو تقلیدِ جامد کا نشہ اتار کر، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے غیر مشروط اطاعت کی بیعت کر لو۔ اس طرح کہ تعاملِ صحابہؓ کو اپنا لو۔ حضورؐ سے بیعت ہو جائے گی۔ یاد رکھیں کہ جس طرح دوسر بدعات زشت زبوں ہیں۔ اسی طرح تقلید جامد بھی ضلالت بدوش امر محدِث ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا نام و نشان نہ تھا۔ سب سلف صرف قرآن و حدیث پر عمل کرتے تھے۔

پھر جب دینِ کامل، قرآنِ کامل، اور رسولؐ کامل، خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو مل گئے تو اب کسی نئے مسئلے، نئے کارِ خیر، نَو پیدا ثواب دارین کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ نے ضرورت محسوس کی۔ یا امرِ محدِث پر عمل بھی کر لیا تو آپ کا ایمان تکمیلِ دین، تکمیلِ قرآن اور ختمِ نبوت سے اٹھ گیا اور محدثات الامور پر عمل کرکے، آپ نے دین، قرآن اور سنّت و سیرتِ مصطفٰے کو غیر مکمل اور ناقص جانا۔ اس لئے کہ آپ کے نیک کام (محدثات) بتانے سے قرآن اور رسولِ خدا (معاذ اللہ) قاصر رہے ہیں۔ آپ کا ایمان اسی صورت میں ختمِ نبوت پر صحیح ہو سکتا ہے کہ آپ ان تمام خانگی نیک کاموں اور ایجاد کردہ ثواب کے کاموں سے تائب ہو کر صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے، یا

کئے ہوئے نیک کاموں پر اکتفا کریں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس انتباہ پر دل و جان سے کان دھریں کہ۔ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا۔ یعنی بدترین کام وہ ہیں جو دین میں نئے نکالے جائیں۔ یعنی نئے کارِ ثواب جاری کئے جائیں۔

وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ

"اور دین میں ہر نیا کام بدعت ہے"

وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

"اور ہر بدعت گمراہی ہے"

وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ۝

"اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے"



وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝



مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر

بحق دل بند و راہِ مصطفٰے رَو

ملنے کا پتہ: "نعمانی کتب خانہ" حق سٹریٹ اردو بازار لاہور (۲) مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی شہرۂ آفاق تصانیف